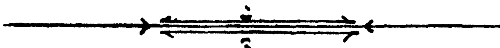
فہرستِ مضامین

(ب)



ابوالفرج اصبہانی

مصنّف روایات الاغانی

(۲۸۳-۳۵۶ھ - ۸۹۶-۹۶۶ء)

ماخوذ از :-

وفیات الاعیان (ابن خلکان) تاریخ کامل (ابن اثیر) تاریخ ابوالفداء
کشف الظنون، فی اسماء الکتب و الفنون، (حاجی خلیفہ) کتاب النجوم الزاہرہ
(ابوالمحاسن ابن تغری بردی) نیز کتاب الاغانی کا ایک قلمی نسخہ!

ابوالفرج علی بن الحسین، بن محمد، بن احمد، بن الہیثم، بن عبدالرحمٰن، بن مروان، بن عبداللہ بن مروان، بن محمد بن مروان، بن الحکم، ابن ابی العاص، بن امیہ بن عبد شمس، بن عبد مناف، قرشی، اموی، امام دوران، علامۂ وقت، ملقب بہ کاتب اصبہانی، صاحب کتاب الاغانی خاندان بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد ابوالفرج کے اجداد میں سے تھا، اس کی ولادت معتضد باللہ کے عہد میں اصفہان میں ہوئی۔ بغداد میں نشوونما کے مراحل طے کیے، حدیث کی سماعت بھی کی، اور اس فن میں باریک بینی اور نکتہ سنجی کا ثبوت دیا، اوائل عمر ہی سے مدینۃ السلام (بغداد) کو وطن بنالیا،

وہ وہاں چوٹی کے ادیبوں اور مصنفوں میں شمار ہونے لگا، علماء کی بہت بڑی تعداد سے روایت کی، شاعری کا پایہ بھی بہت بلند تھا، افراد وقبائل کے حسب ونسب پر بھی بڑا عبور تھا، باوجود اموی ہونے کے شیعی تھا، جس پر ابن اثیر نے حیرت کا اظہار کیا ہے، قبائل کے حرب وپیکار کی تاریخ پر بھی بہت اچھی نگاہ تھی، انساب وسوانح کا بھی بڑا عالم تھا۔

تنوخی کا قول ہے، جن شیعہ ارباب فضل وکمال کی میں نے زیارت کی ہے ان میں ابوالفرج اصبہانی ایک ایسا شخص تھا، جو بے شمار اشعار کا حافظ تھا، اور اغانی یعنے راگوں کا بہت بڑا واقف کار، اور مؤرخ - فن حدیث میں بھی اسے اچھا خاصہ درک تھا، آثار صحابہ وتابعین کا بھی وہ عالم تھا، احادیث مسندہ کا بھی ماہر تھا۔ اور فن نسب میں بھی اسے غیر معمولی عبور تھا، سچ تو یہ ہے میں نے اس کی سی قوتِ حافظہ کسی میں نہیں دیکھی، مذکورۂ بالا علوم وفنون کے علاوہ، لغت نحو، داستان گوئی، سوانح وسیر، اور مغازی کے فنون میں بھی وہ اپنی نظیر آپ تھا، اور لوازم علم مجلسی سے بھی باخبر تھا، ازقسم بیطاری شکاری، بہر نادروں کا علم، طب اور نجوم وغیرہ، اس کے اشعار میں علماء کے کلام جیسی پختگی اور ظرفاء الملیح شعرا جیسی خوبیاں تھیں، کتابیں اچھوتی اور بے مثل لکھیں، انھی میں سے کتاب الاغانی ہے، جس کے متعلق ارباب نظر کا اتفاق ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکی ہے۔

ابومحمد المہلبی[1] کا قول ہے کہ میں نے ابوالفرج سے پوچھا یہ روایات وآثار تم نے کتنے عرصہ میں جمع کئے؟ کہا، پچاس سال میں، زندگی میں پہلی مرتبہ

---

[1] ابومحمد الحسن، بن ہارون، الاسدی المہلبی، معزالدولہ کی وزارت کے منصب پر بغداد میں فائز رہا (۴۹۳ھ، ۹۵۱ء) بصرے میں وفات پائی، (۳۵۲ھ، ۹۶۳ء)

جب انھیں اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے ایک ہزار دینار صلہ بھیجا۔ یہ خبر جب صاحب بن عبادؓ کو پہنچی، تو اس نے کہا، سیف الدولہ نے ناقدری کی، ابو الفرج تو اس سے کہیں زیادہ کا مستحق تھا، قابل رشک محاسن اور نپے تُلے فقروں کے استعمال میں اس کا کون حریف ہو سکتا ہے؟ اس کے الفاظ و فقرات ایک زاہد گوشہ نشین کے لیئے مایۂ تفریح ہیں، عالم خشک کے لیئے اضافۂ معلومات و مواد کا سبب ہیں، انشا پرداز اور جویائے ادب کے لیئے پونجی اور تجارت ہیں، سپاہی اور دلاور کے لیے ہمت و شجاعت کی ڈھال ہیں، اور تہی دست کے لیے ریاضت و صناعت ہیں، بادشاہ کشورکشا کے لیئے اسباب سرور و لذت ہیں، میرے کتب خانے میں ایک لاکھ ستر ہزار کتابیں ہیں، اس سے بڑھ کر کوئی میری انیس نہیں، کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کی مجھے جستجو ہو، اور وہ اس میں نہ مل گئی ہو۔ جو واقعات و حالات علمانے اپنی ان گنت کتابوں میں تحریر کیے ہیں، وہ سب اس میں حُسن تالیف اور لطفِ بیان کے ساتھ موجود ہیں۔ سیف الدولہ کا تو یہ حال تھا کہ چاہے سفر میں ہو یا حضر میں۔ اس کتاب کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا، اس کا ایک مسودہ بغداد کے ایک بازار میں چار ہزار درہم میں فروخت ہُوا،

۵ے ابو القاسم بن اسمٰعیل بن عباد الطالقانی، اپنے فضائل و مکارم کے اعتبار سے نادرۂ روزگار اور نجوبۂ عصر شخصیت کا مالک تھا، اسے "الصاحب" اس لئے کہتے تھے کہ ابو الفضل بن عمید کا مصاحب خاص تھا، اور اس لیے بھی کہ بچپنے سے موئد الدولہ بن بویہ کا ساتھی تھا، بعد میں منصبِ وزارت پر بھی فائز ہُوا، جب موئد الدولہ نے وفات پائی، اور اس کا بھائی فخر الدولہ تخت حکومت پر قابض ہوا تو اس نے بھی اسے وزارت پر قائم رکھا۔ وفات کا سال ہجری ۳۸۵ھ ہے اور عیسوی ۹۹۵ء ہے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ ابن عباد تیس اونٹوں کے بوجھ جتنی کتابیں، جو ادب و انشا سے متعلق ہوتی تھیں، ہر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا، لیکن جب اسے کتاب الاغانی دستیاب ہوئی، تو اس نے سب کو سینت کر رکھ دیا، اور یہی کتاب اس کی ندیم اور دمساز بن گئی[۱]، کیوں کہ اس سے وہ دوسری کتابوں سے مستغنی ہو گیا۔

ابوالفرج کی منجملہ اور تصانیف کے ایک کتاب "نزہتہ الملوک والاعیان فی اخبار القیان المغنیات الادائل الحسان" ہے، جس میں مشہور و معروف گانے والیوں کے حالاتِ زندگی اور ان کے طرزِ موسیقی پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایسے دل چسپ لطیفے اور پُر کیف حالات تحریر کیے ہیں، جن سے ممکن نہیں کہ آدمی

---

[۱] کتاب الاغانی کے خلاصے اور انتخاب مرتب کرنے کا کام ایک جماعت ہمیشہ انجام دیتی رہی، اسی کے ایک فرد الوزیر الحسین بن علی بن حسین، ابوالقاسم ہیں، جو ابن مغربی کے نام سے مشہور ہیں، سالِ وفات، ۴۱۸ھ ۱۰۲۷ء

قاضی جمال الدین محمد بن سالم (المتوفی ۶۹۷ھ، ۱۲۹۷ء) نے بھی اس کا ایک انتخا مرتب کیا تھا، جس کے متعلق ابوالفدا نے تعریفی الفاظ استعمال کیے ہیں، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ اباصوفیہ میں موجود ہے، شروع کے اوراق سونے کے پانی سے دل کش بنائے گئے ہیں، ہر صفحے میں ۲۱ سطر ہیں۔

ابوالقاسم عبداللہ معروف بہ ابن یاقیا، کاتب علی (المتوفی ۴۸۵ھ، ۱۰۹۲ء) نے بھی ایک جلد میں اس کا خلاصہ کیا تھا، ابن خلکان نے اسے سراہا ہے،

امیر عزالملک (المتوفی ۴۲۰ھ، ۱۰۲۹ء) نے بھی ایک خلاصہ لکھا تھا، ابن خلکان نے اس کی بھی تعریف کی ہے۔

جمال الدین محمد بن مکرم (المتوفی ۷۱۱ھ، ۱۳۱۱ء) نے بھی "مختار الاغانی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔

الرشید نے بھی ایک کتابچہ تیار کیا تھا، ابن مکرم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ابن المنذیر نے بھی ایک ایسی ہی کتاب لکھی ہے اور دخوار نے بھی ایک خلاصہ لکھا۔

لطیف اندوزنہ ہو، ایک کتاب" الاماء الشواعر" بھی ہو، نیز "کتاب الدیارات" "کتاب دعوۃ التجار" بھی بہت مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں "مجرد الاغانی" "اخبار جحظۃ البرمکی" "مقاتل الطالبیین" "کتاب الحانات" اور "کتاب آداب الغربا" بھی کم معروف نہیں ہیں۔

اندلس کے شاہان بنی امیہ کے لیے بھی اس نے متعدد کتابیں لکھیں، جو چوری چھپے وہاں بھیجی گئیں، اور اسی طرح وہاں سے انعام بھی آیا، ان میں سے کتاب نسب بنی عبد شمس "کتاب ایام العرب الف و سبعمائۃ یوم" "کتاب التعدیل والانتصاف"[۵۲] "کتاب نسب بنی شیبان" "کتاب نسب المهاعبہ" "کتاب نسب بنی تغلب و نسب بنی کلاب" و کتاب الغلمان المغنین" ہیں۔

اوپر جن تصانیف کا تذکرہ ہوا، ان کے علاوہ بھی ابوالفرج کی متعدد تصانیف ہیں، جن کا اصحاب تراجم وسیر نے ذکر نہیں کیا ہو، لیکن ہم کشف الظنون وغیرہ کے حوالے سے اس کی بہت سی کتابوں میں سے ذیل میں چند کا ذکر کرتے ہیں:۔

(۱) مجموعہ الاخبار والنوادر، (۲) المحالیک الشعرا، (۳) اعیان الفرس، (۴) الفرق والمعیار بین الاوغاد والاحرار، (۵) تحفۃ الوسائد فی اخبار الولائد، (۶) تفضیل ذی الحجۃ، (۷) کتاب الطفیلیین، (۸) مناجیب الخصیان، (۹) دیوان ابوتمام بھی ابوالفرج نے مرتب کیا، جس کی ترتیب حروف پر نہیں، بلکہ انواع کلام پر رکھی، مصر سے جو نسخہ

لہ ۱۳۲۰ھ میں، یہ کتاب طہران سے شایع ہو چکی ہو۔

۵۲ آغانی میں اس کتاب کا ذکر ایک موقع پر اس طرح ہو۔ "میں نے اس کی تشریح کتاب النسب میں کردی ہو جس کے بعد کسی تشریح کی ضرورت نہیں"۔ ابن خلکان نے تو اس طرح بیان کیا ہو گویا کتاب التعدیل اور جمہرۃ النسب دو الگ الگ کتابیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہو کہ کتاب ایک ہی ہو صرف نام دو ہیں۔ خود ابوالفرج کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہو۔ وہ خالد بن عبد اللہ کے حالات میں لکھتا ہو کہ اس کی پوری تفصیل جمہرۃ انساب العرب میں میں نے لکھی ہو جس کا نام کتاب التعدیل والانتصاب رکھا ہو۔

شائع ہوا ہے، (۹) وہی ہے، (۱۰) ابونواس کا دیوان بھی اسی طرح پہلا اس نے مرتب کیا،
(۱۱) نیز بحتری کا دیوان بھی۔

ابوالفرج وزیر مہلبی ہی کے دامنِ کرم سے وابستہ رہا۔ اس کی شان میں اس نے متعدد قصائد لکھے ہیں، ایک جگہ اس کی مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جب ہم سائل بن اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، وہ مدد کرتا ہے اور احسان نہیں جتاتا۔

۲۸۴ھ میں ابوالفرج کی ولادت ہوئی، اسی سال مشہور شاعر بحتری کی وفات ہوئی، بدھ کے دن ۱۴ ذالحجہ ۳۵۶ھ میں بمقام بغداد وفات پائی، وفات سے قبل مرض جنون میں مبتلا ہوگیا تھا، ۳۵۶ھ وہ سن ہے جس میں دو بہت بڑے عالم ؛ اور تین بہت بڑے بادشاہ، اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، علماء میں ایک تو خود ابوالفرج اصبہانی، دوسرے ابوعلی القالی، بادشاہوں میں (۱) سیف الدولہ (۲) معزالدولہ بن بویہ (۳) کافورالاخشیدی۔

کبھی کبھی ہجو سے بھی ابوالفرج اپنا دامن آلودہ کرلیتا تھا۔ جب ابوعبداللہ البریدی، منصب وزارت پر فائز ہوا ابوالفرج نے ایک قصیدۂ ہجو یہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ تھا،

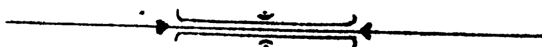
اے آسمان تو ٹوٹ کیوں نہیں پڑتا ؟
اے زمین تو دھنس کیوں نہیں جاتی ؟
کہ ابن البریدی وزارت پر آگیا،

کوئی شبہہ نہیں ابوالفرج کے انتقال سے ادب کے بستان وچمن ویران ہوگئے، انساب کے شگوفے اور پھول مرجھا گئے، ادبائے دہر یتیم ہوگئے۔ لیکن جس نے ایسی زندہ جاوید کتابیں یادگار چھوڑی ہوں وہ مر نہیں سکتا، اس کا

ذکر ہمیشہ ہر ارہے گا، اس کی یادگار کبھی محو نہ ہوگی"!

وما مات من ابقی لنا ذخر علمہ
واحیا لہ ذکرا علی غابر الدہر!





تین گوّیے (۱)

حماد بن اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ میرے والد اپنے والد ابراہیم موصلی[1] کے پاس ایک روز تشریف لائے، سلام کیا اور ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔

ابراہیم نے کہا، بیٹا میں نے تو کسی کو اپنی اولاد سے اتنا سکھی نہیں دیکھا جتنا میں ہوں، تمھاری سعادت اور اطاعت سے میں بہت خوش ہوں، کسی بات کو جی چاہتا ہو تو کہو، میں اسے پورا کروں گا۔

اسحٰق نے کہا، "میں آپ پر قربان، خدا، آپ کو تا دیر ہمارے لیے زندہ رکھے، ایک تمنا ہے، یہ بڑے میاں آج مرے یا کل، اور میں نے اب تک ان کا

---

[1] ابراہیم موصلی عہد عباسیہ کا مشہور مغنی، ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی، اور بہ عہد خلیفہ ہارون الرشید ۱۸۸ھ میں وفات پائی، ابراہیم کا باپ، میمون فارس کا رہنے والا تھا، یہ موصلی اس لیے مشہور ہوا کہ عنفوان شباب ہی سے غنا و موسیقی کی طرف متوجہ ہوا، گھر والوں نے تنگ کیا، تو بھاگ کر موصل پہنچے، وہیں رہ پڑے، اور موصلی کہلانے لگے۔

راگ نہیں سُنا، لوگ کیا کہیں گے؟ بس میری تو یہ آرزو؛

ابراہیم۔ "بڑے میاں کون؟"

اسحٰق۔ "ابن جامع[1]"

ابراہیم۔ ہاں بھئی سچ کہا، اچھا سواری تیار کرو،

ہم باپ بیٹے روانہ ہوئے اور ابن جامع کے پاس پہنچے، والد نے ان سے کہا، "میں آپ کے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں، چاہیے تو بُرا بھلا کہ لیجئے۔ اور مرضی ہو تو مجھے نکال باہر کیجئے۔ مگر حاجت بہرحال آپ کو پوری کرنی پڑے گی۔ دیکھیے بھائی صاحب، یہ ہی آپ کا غلام اور برادر زاد) اسحٰق نے آپ کے راگ سننے کا اشتیاق ظاہر کیا، میں اسے لے کے یہاں پہنچ گیا، اب عزت آپ کے ہاتھ ہے۔

ابنِ جامع نے کہا، "اچھا ٹھہرو، پہلے میں تم دونوں کو کھانا کھلا لوں اور نبیذ پلا لوں، تب سناؤں گا، اور اگر سننے میں خلیفہ کا قاصد آگیا، تو ہم وہاں چل دیں گے، ورنہ آج کا سارا دن یہی تفریح رہے گی" ہم نے یہ شرط منظور کرلی۔

تھوڑی دیر کے بعد ابنِ جامع نبیذ اور کھانا لے کر آیا، ہم نے خوب مزے لے لے کر کھایا پیا، جب خوب سیر ہوئیے تو اس نے اپنے راگ سنانے شروع

---

[1] اسمٰعیل بن جامع، کنیت ابو القاسم، عہد عباسیہ کے چوٹی کے گویوں میں تھا، خلیفہ ہارون رشید نے ایک روز ابنِ جامع سے اس کا نسب دریافت کیا، کہا، مجھے تو معلوم نہیں، میرے بھتیجے اسحٰق موصلی سے پوچھیے، پھر اسحٰق سے مخاطب ہو کر کہا، بیٹا، اپنے چچا کا نسب بتاؤ، ہارون نے کہا، ارے بڈھے کھوسٹ تجھے اپنا نسب بھی معلوم نہیں، دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اور دوسرا بھی کون؟ ایک عجمی!

گئے، وہ گا رہا تھا، اور در و دیوار جھومتے نظر آرہے تھے، میرا باپ بھی اس فن کا استاد تھا، لیکن ابنِ جامع کا گانا سن کر وہ میری نظروں میں حقیر ہوگیا، ابنِ جامع کی ہر ہر تان، میری نظر میں اس کی عظمت اور وقار بڑھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ یا تو میں اپنے باپ کو اس فن میں یگانۂ روزگار سمجھ رہا تھا۔ یا میں اسے جاہلِ مطلق سمجھنے لگا۔

ابن جامع گا رہا تھا، اور ہم کیف و سرور کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے، اتنے میں خلیفہ کا قاصد طلبی کا فرمان لے کر پہنچا، ان دونوں کے ساتھ ہم بھی روانہ ہوئے، راستے میں والد نے پوچھا:۔

"کہو بیٹا! ابنِ جامع کو کیسا پایا"

"اگر آپ برہم نہ ہوں تو عرض کروں"

"کہو، کہو، میں ناراض نہیں ہوں گا"

"آپ سے بڑھ کر میری نگاہ میں اس فن کا ماہر کوئی نہیں تھا، لیکن ابنِ جامع کو سننے کے بعد آپ کچھ نہیں رہے۔"

بات آئی گئی ہوگئی:۔

دوسرے روز صبح کو والد نے مجھے بلوایا، دیکھتا کیا ہوں کہ اُن کے سامنے درہموں اور دیناروں کا ڈھیر لگا ہے، کہنے لگے:۔

"سردی کا موسم ہے، تم ہو آج کل خالی ہاتھ، یہ لو"

یہ کہہ کر وہ ڈھیر انھوں نے میری طرف بڑھا دیا، اور کہا:۔

"جاؤ جس طرح جی چاہے اسے خرچ کرو"

میں اٹھا، والد کے دست و پیشانی کو میں نے چوما، اور رُپے لے کر چل پڑا، ابھی میں دہلیز ہی تک پہنچا تھا کہ انھوں نے آواز دی

"اسحق!" میں قریب گیا تو فرمایا:۔

"جانتے ہو اتنا سارا مال میں نے تمھیں کس صلے میں دیا ہے؟"

"میں آپ پر قربان جاؤں جانتا ہوں"۔

"بتاؤ تو!"

"میں نے آپ کے اور ابن جامع کے بارے میں سچی سچی بات کہہ دی،

یہی نا؟"

"ہاں یہی! شاباش بیٹا، جاؤ، خدا تمھیں سلامت رکھے!"

---

(۲) ابو العتاہیہ[1]

مخارق بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک روز ابو العتاہیہ آیا، کہنے لگا،

"میں چاہتا ہوں کبھی ایک دن میرے ساتھ گزارو"

"بسر و چشم، کب؟"

"لیکن مجھے اندیشہ ہے تم ٹال جاؤ گے!"

"نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا خواہ خلیفہ ہی مجھ کو کیوں نہ طلب کرے"۔

"اچھا تو کل ہی سہی"

سویرے تڑکے مجھے ابو العتاہیہ کے قاصد نے آکر جگایا اور اپنے ساتھ لے گیا، میں ایک صاف ستھرے کمرے میں جو فرش فروش سے آراستہ تھا، بٹھایا گیا

---

[1] "نام اسمٰعیل بن قاسم، کنیت ابو اسحٰق، لقب ابو العتاہیہ [illegible] کا نام [illegible] ہے، لطیف معانی، سہل الفاظ، بے تکلف انداز بیان، متروک اور قدیم الفاظ کے استعمال کا حامی، شوق، نہایت [illegible]، لیکن بے حد بخیل [illegible] اس کا کلام بے نظیر ہے

ابوالعتاہیہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ بڑے اچھے اچھے کھانے چُنے گئے میدے کی روٹیاں، سرکہ، کئی طرح کی مزے دار ترکاریاں، اچار، مربّے، بکری کا بہترین بُھنا ہوا گوشت، خوب سیر ہو کر ہم نے کھایا۔ پھر تلی ہوئی مچھلی آئی، اس پر بھی خوب ہاتھ مارے، پھر قسم قسم کی مٹھائیاں آئیں، ان سے بھی اچھی طرح منہ میٹھا کیا، ان چیزوں کے بعد پھل پھول، اور متعدد اقسام کی نبیذ سامنے رکھی گئی، ابو العتاہیہ نے کہا، ان چیزوں میں سے کیا پسند کرتے ہو؟ میں نے نبیذ کا پیالہ اٹھا لیا، اس نے میرا پیالہ بھرا، اور کہا ہاں ذرا میرا یہ شعر تو گاؤ

کیا گزرتی ہے قلب مضطر پر
کوئی جانے اگر تو کیا جانے؟

میں نے اسے اپنے دھن میں گایا، ابو العتاہیہ نبیذ پیتا رہا، اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی برساتا رہا، پھر کہا، اب میرا یہ شعر گاؤ

وسیلہ جس کو میسّر ہو کوئی
بجز صبر کے اور وہ کیا کرے؟

اسے بھی میں نے اپنی لے میں گایا، اس نے پھر ایک پیالہ بھرا، کہا، اب میرا یہ شعر سُناؤ۔

مقدّر میں جس کے لکھی ہو مصیبت
وہ کیا جانے کہتے ہیں کس کو مسرت

یہ شعر بھی میں نے سُنایا، نئی نئی لے میں اسے بار بار پڑھتا تھا، نرالی نرالی دھنوں میں اسے دہراتا تھا، وہ نبیذ پیتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا یہاں تک کہ سورج کی روشنی پر رات کی سیاہی غالب آگئی، کہنے لگا۔ ذرا صبر کرو، دیکھو میں کیا کرتا ہوں؟ میں بیٹھا رہا۔

اس نے اپنے بیٹے اور غلام کو حکم دیا، جو سامانِ طرب سامنے رکھا ہو، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردو، انھوں نے تعمیل کی، پھر کہنے لگا، نبیذ کے برتن، موسیقی کے ساز، اور تفریح کے آلات، جو کچھ بھی گھر میں ہے، باہر نکال لاؤ، جب یہ بھی ہوگیا، تو ایک ایک برتن، ایک ایک ساز، ایک ایک آلہ وہ اٹھاتا تھا، اور ٹکڑے ٹکڑے کردیتا تھا، نبیذ کے خم کے خم اس نے زمین پر لنڈھادیے، یہ سب کچھ کرتا جاتا تھا، اور روتا جاتا تھا، یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں رہا، پھر اس نے کپڑے اتارے، غسل کیا، سفید براق سا لباس پہنا، مجھے گلے لگایا، اور گریہ آلود آواز میں کہا، ——— "دوست، تم پر سلامتی ہو، رخصت کہ اب کبھی ملاقات نہیں ہونے کی۔ یہ میری زندگی کا آخری دور ہے جو اہلِ دنیا کے ساتھ گزارا۔——"

ان باتوں کو میں نے حماقت سے زیادہ اہمیت نہیں دی، رخصت ہوکر چلا آیا، ایک زمانہ گزر گیا ابوالعتاہیہ سے ملاقات کی کوئی نوبت نہیں آئی، پھر مجھے اشتیاق پیدا ہوا کہ لاؤ ذرا دیکھوں جاکے حضرت کس حال میں ہیں؟ میں اس کے گھر پہنچا، دستک دی، دروازہ کھلا، میں اندر داخل ہوا، دیکھتا کیا ہوں، حضرت بڑے اطمینان سے ایک چٹائی کا ٹکڑا قمیض کی بجائے لپیٹے ہوئے ہیں، اور ایک دوسرا ٹکڑا پاجامے کی جگہ زیب تن کئے ہوئے ہیں، یہ رنگ ڈھنگ جو میں نے دیکھا تو کہاں تو میں فکرمند تھا، یا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگیا، میرا یہ حال دیکھ کر اس نے پوچھا، "ہنس کیوں رہے ہو؟" میں نے کہا، خدا تجھے غارت کرے، یہ کیا رنگ بنا رکھا ہے؟ کیا انبیا، صحابہ، زاہدوں، مجذوبوں میں سے کسی نے یہ لباس اختیار کیا تھا؟ اتار دو یہ حماقت کی پوٹ" میری بات کچھ دل کو لگ گئی، چٹائی اتار کر الگ رکھدی، اور اچھے بھلے کپڑے پہن لیے۔

کچھ عرصے کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ ابوالعتاہیہ نے پچھنے لگانے اور فصد کھولنے کا کام شروع کر دیا ہے، ارادہ کیا اس حال میں بھی اسے دیکھوں، لیکن موقع نہ ملا۔

تھوڑے دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا، مجھے معلوم ہوا کہ اس کی خواہش ہے کہ میرا گانا سنے، میں اس کی عیادت کے لیے گیا، ملازم باہر نکلا، کہنے لگا، "کہتے ہیں اگر تم میرے پاس آئے تو میرا غم تازہ ہو جائے گا، شدّتِ مرض کے سبب تمہارے راگ سُننے کا اب مجھ میں یارا نہیں ہے، خُداحافظ"

میں چلا آیا، پھر نہ مل سکا، اور وہ خُدا سے جا ملا!

(۳) خُداکی دین!

وردانی روایت کرتے ہیں، مشہور مغنّی مالک بن ابی السمح[1] بنی طے کا تھا، ایک مرتبہ بہت بڑا اکال پڑا، مالک کی ماں اسے اور اس کے یتیم بھائی بہنوں کو لے کر چل کھڑی ہوئی، حمزہ بن عبداللہ کا مکان، دریوزہ گروں کے لیے بابِ اجابت تھا، مشہور مغنّی معبد بھی اس کے دامنِ فیض سے وابستہ تھا، ہر روز اسے نت نئے راگ راگنیاں سُنایا کرتا تھا، مالک بھی تلاشِ معاش یا حصولِ امداد کی غرض سے حمزہ کے دروازے پر پہنچا، کانوں میں معبد کی آواز پڑی، ٹھٹھک کر کھڑا ہوا، اور کھڑے کا کھڑا رہ گیا، اب بجائے دریوزہ گری کرنے کے اس کا یہی کام رہ گیا تھا، حمزہ کے دروازے پر کھڑا ہو کر، معبد کا گانا سنتا، جب شام ہو جاتی، خالی ہاتھ ماں کے پاس پہنچتا ماں اسے خوب پیٹتی،

[1] عہدِ ولید، ابن یزید۔ اور ابوالعباس سفاح کا بہترین مغنّی!

پٹ پٹا کے دھول جھاڑ کے صاحب زادے معبد کے الحان اور ترنم، اسی کے زیروبم، اسی کے راگ اور راگنیوں کی نقل اُتارا کرتے، لیکن صرف آواز کے اُتار چڑھاؤ سے سارا کام نکال لیتا تھا، اشعار سے واقف نہ تھا۔

حمزہ آتے جاتے دیکھتا ایک لڑکا آتا ہے، دن بھر دروازے پر کھڑا رہتا ہے، اور واپس چلا جاتا ہے، ایک روز اپنے غلام سے اسے بلوایا، پوچھا،

"تم کون ہو؟"

"قحط زدہ خاندان کا ایک فرد! ماں ہے، بھائی بہن ہیں، میں فکرِ معاش میں سرگرداں آپ کے دروازے تک پہنچا، یہاں میں نے ایسی آواز سُنی، جس نے میرے پانو پکڑ لیے"

"جو آواز سُنی اس کی نقل بھی کر سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں، لیکن مجھے کوئی شعر یاد نہیں"

"اگر تم سچے ہو تو بڑے سمجھ دار ہو"

پھر حمزہ نے معبد کو بلوایا، اور اس سے کہا، کچھ سناؤ، اس نے تعمیل کی، پھر مالک سے کہا، "اب تم!" مالک نے ہو بہو معبد کی آواز میں معبد کا گانا سنا دیا، فرق صرف یہ تھا کہ شعر کوئی نہیں تھا، حمزہ نے معبد سے کہا، اس لڑکے کو اپنے پاس رکھو، اس کی تربیت کرو، اگر یہ جوہرِ قابل کسی اور کے ہاتھ لگا تو وہ اپنا نام اس سے روشن کرے گا، بات معبد کی سمجھ میں آگئی، راضی ہو گیا، پھر حمزہ نے مالک سے پوچھا، "ہمارے ہاں رہو گے؟" مالک نے کہا، "سنیے سرکار، اگر میں آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہوں جو غلط ہو تو آپ خوش ہوں گے؟" حمزہ نے کہا، ہرگز نہیں۔"

"اگر میں آپ کی ایسی تعریف کروں جو واقعہ کے خلاف ہو تو بھی

آپ خوش نہیں ہوں گے ؟"

"یقیناً"

"خدا کی قسم آپ کے دروازے پر میں ہمیشہ بھوکا رہا، جب واپس
گیا خالی ہاتھ گیا، اور ماں کے جوتے کھائے "

یہ سن کر حمزہ نے اس کے اور اس کے متعلقین کے رہنے کے لیے ایک مکان دیا،
اور اس کے گزارے کے لیے غلّہ اور دوسرے سامان دیے، اور دو خدمت گار،
اور کہا اپنی ماں اور بھائی بہن کو یہیں لے آؤ، اور چین سے رہو"

اب مالک حمزہ کی مجلسوں میں بار پانے لگا، اور معبد اس کی تربیت کرنے لگا، تھوڑے ہی عرصے کے بعد مالک اس فن میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو گیا، ایک روز وہ یونہی سیر سپاٹے کے لیے نکلا، ایک مکان سے دردناک اور جگر فگار صدا بلند ہو رہی تھی، یہ ایک عورت تھی، جو زیادہ کا نوحہ پڑھ رہی تھی، جسے ہدبہ بن خشرم نے قتل کر دیا تھا، اس حادثے پر زیادہ کے بھائی نے ایک رقت انگیز مرثیہ لکھا تھا، عورت کے طرز کا بھی مالک نے چربہ اُتار لیا تھا، پھر اس کو معبد کے طرز پر بھی گنگنایا، جب حمزہ کے پاس آیا، تو کہا، "سرکار میں نے ایک نیا طرز ایجاد کیا ہے، سنیے گا ؟" حمزہ نے کہا، "ہاں ضرور سناؤ" مالک نے وہی طرز جو معبد کا تھا، اسی پرجی توڑ کے گانا شروع کیا، حمزہ نے کہا "شاباش لڑکے، معبد کے طرز پر تم خوب گائے، سبحان اللہ" مالک نے کہا، "حضور جلدی نہ کیجیے، ابھی ایک طرز اور باقی ہے جو معبد کے طرز سے بالکل الگ ہے" حمزہ نے کہا، "اچھا وہ بھی سنا ڈالو" اب مالک نے اسی کے طرز پر گانا شروع کیا، حمزہ مبہوت ہو گیا، خوشی کے جوش میں اپنا قیمتی حلّہ اس پر ڈال دیا۔

اسی اثنا میں معبد آگیا، شاگرد کی سرفرازی کچھ پسند نہ آئی، منہ بنا کے

بیٹھ گیا، حمزہ نے تاڑ لیا، فوراً مالک کو حکم دیا، اور اس نے وہ دونوں گانے پھر سُنائے، معبد نے جب اپنے طرز پر ملک کا گانا سُنا تب تو بپھر پڑا، کہنے لگا "میں اس لونڈے کو اب کچھ نہیں سکھاؤں گا، سیکھے گا مجھ سے اور کہے گا ایجاد میں نے کیا ہی" حمزہ نے کہا "خفا مت ہو، ابھی ایک اور طرز باقی ہی، اور وہ تمہارے طرز سے بالکل مختلف ہی" حمزہ کے اشارے پر مالک نے، دوسرے طرز پہ گایا، اب تو معبد کی بھی باچھیں کھل گئیں، حمزہ نے کہا "بہ خدا اگر اسے صرف اتنا ہی آتا ہوتا تو بھی یہ تمہارا حریف بن سکتا تھا، جیسے جیسے دن جائیں گے، اس کا کمال بڑھتا جائے گا، تم اب بوڑھے ہوئے، اگر اس کا کمال تم ہی سے منسوب رہے تو اچھا ہی" معبد نے سر جھکا لیا، اور کہا، "حضور بجا فرماتے ہیں"

اب حمزہ نے حکم دیا کہ معبد کو انعام اور خلعت سے نوازا جائے، اس سرفرازی سے معبد اور خوش ہوا، مالک کھڑا ہوا، معبد کی پیشانی چومی، اور کہا، "ای ابا عباد، خدا کی قسم جب تک زندہ ہوں، کوئی راگ بھی اپنی طرف منسوب نہیں کروں گا، اور اگر کبھی میرے نفس نے مجھ پر چایا، تو نو ایجاد راگ میں بھی وہی شعر گاؤں گا، جو آپ کا نام اُچھال چکا ہی، اب مجھ سے خوش ہو جائیے۔" معبد نے کہا تم جیسا کہتے ہو ویسا ہی کرو گے؟ اس نے جواب دیا بے شک بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

پھر جب کبھی مالک گاتا، اور لوگ پوچھتے یہ راگ کس نے ایجاد کیا ہی؟ تو مالک کا ایک ہی جواب ہوتا، "معبد نے، میرے استاد نے"

---

(۴) معبد کشتی میں!

معبد نے حجاز کی رہنے والی ایک جاریہ کو، جس کا نام ظلبیہ تھا، خوب جی

لگا کر گانے کی تعلیم دی، یہاں تک کہ اسے اس فن میں کامل کر دیا۔ عراق کے ایک اہلِ نظر نے اسے منہ مانگی قیمت پر خرید لیا، پھر کچھ عرصے کے بعد بصرے لے جا کر اسے فروخت کر دیا، وہاں اہوازؔ[1] کے ایک آدمی نے اُسے دیکھا، پسند کیا، اور خرید لیا، وہ جہاں بھی جاتا ظبیہ کو اپنے ساتھ لے جاتا، کچھ عرصے کے بعد وہ بیمار پڑی، اور اس دُنیا سے رخصت ہو گئی، چند کنیزوں نے اس سے گانا سیکھا تھا، وہی اس کی یادگار تھیں۔

چونکہ ظبیہ سے اس کے مالک کو بے حد محبت تھی، اس لیے وہ معبد کو بھی ماننے لگا تھا، ہمیشہ لوگوں سے اس کا حال دریافت کرتا رہتا اور اس کی قیام گاہ کی جستجو کرتا رہتا تھا، اور اس سے ملاقات کا متمنّی رہتا تھا، اُسی کمالِ فن کے سبب جس کی ایک ہلکی سی جھلک وہ ظبیہ میں دیکھ چکا تھا، اپنے عہد کے تمام مغنّیوں پر معبد کو ترجیح دیتا رہتا تھا،

اُڑتے اُڑتے یہ خبر معبد کو بھی پہنچی، رختِ سفر باندھا اور چل کھڑا ہوا، مکّہ سے نکل کر بصرے پہنچا، اتفاق سے اسے ایک ایسا آدمی مل گیا جو اہواز جانے کے لیے ایک کشتی کرایہ پر لے رہا تھا، معبد بھی اسی تلاش میں تھا اس آدمی کو معبد پر ترس آ گیا، اس نے ملاّح سے کہا" بڑے میاں کو اپنے پاس بٹھا لو، اور چلو" معبد ملاّح کے پاس بیٹھ گیا، اور کشتی چل پڑی، کشتی پانی کی موجوں سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی جا رہی تھی، مسافر کی طبیعت جو ترنگ میں آئی، تو ناشتہ سے فراغت کے بعد نبیذ کا ایک دور چلا، پھر لونڈیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ گائیں، کنیزوں نے لحن اور ترنّم کے ساتھ گانا شروع کر دیا، معبد چُپ چاپ ایک دلِ برداشتہ مسافر کی طرح اہلِ حجاز کے لباس میں ملبوس بیٹھا ہوا، یہ لحنِ داؤدی

---

[1] فارس اور بصرے کے مابین ایک چھوٹا سا شہر،

سُن رہا تھا، یہاں تک کہ ایک لونڈی نے معبد کے طرز پر گانا شروع کیا، گائی تو ضرور وہ معبد کے طرز پر لیکن بہک گئی، اب اس سے کہاں ضبط ہوتا، چیخا، "بی بی، ذرا سنبھل کے" مالک کو غصّہ آگیا، کہنے لگا، "تو کیا جانے گانا کسے کہتے ہیں؟ خاموش بیٹھ" معبد خاموش ہو گیا، اب لونڈی نے دوسرے استادوں کے طرز پر گانا شروع کیا، معبد نے کوئی مداخلت نہیں کی، گاتے گاتے وہ پھر معبد کے طرز پر اُتر آئی، اور پھر اس نے ٹھوکر کھائی، معبد نے کہا "بیٹی پھر غلط جا رہی ہو" لونڈی کے مالک نے ڈانٹا "تجھ سے چُپ نہیں بیٹھا جائے گا؟" معبد نے پھر سکوت اختیار کر لیا، اب دوسری کنیز نے گانا شروع کیا، یہ بھی معبد ہی کے طرز پر آ پڑی، معبد نے کہا، "یہ کیسا تماشا ہے؟ کم بختو، تم ایک راگ بھی ٹھیک سُر اور تال سے نہیں گا سکتیں؟" آقا پھر بگڑا، "اب اگر تم بولے، تو اس کشتی پر نہیں بیٹھ سکو گے، سمجھے؟" معبد نے پھر چُپ سادھ لی،

تھوڑی دیر کے بعد جب کنیزیں گا چکیں تو معبد نے الاپنا شروع کیا، گانا سُن کر لونڈیاں اُچھل پڑیں" واہ بڑے میاں تم تو بڑے استاد نکلے، ایک دفعہ اور بھی سناؤ" معبد نے کہا، "خدا کی قسم ہرگز نہیں" پھر اس نے دوسری لَے چھیڑی، کنیزوں نے اپنے آقا سے کہا، "خدا جانتا ہے، یہ تو اپنے فن کا امام ہے، اس سے کہیے نا، پھر گائے، چاہے ایک ہی دفعہ، تاکہ ہم کچھ اس سے حاصل تو کر لیں" آقا نے کہا، تمھیں یاد نہیں ابھی تم میں کتنی ہیں جیکھ یہ نکال چکا ہے، اور ہم بھی اس کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کر چکے ہیں! ـــ ابھی ٹھہرو، ذرا رنگ دیکھتی رہو" معبد نے اب تیسرا راگ اٹھایا، اب تو آقا میں یارائے ضبط نہ رہا، اُچھل کر معبد کے پاس پہنچا، اس کی پیشانی چومی، "آپ بزرگ ہیں، ہم نے بے ادبی کی، ہم آپ کو پہچان نہ سکے" معبد نے

جھڑک کر کہا، "تم مجھے پہچانتے یا نہ پہچانتے لیکن برتاؤ تو شریفانہ کرنا چاہیے

"مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے، معاف کیجیے، آیئے ہمارے پاس
تشریف رکھیے۔"
"نہیں، اب تو نہیں"
آخر بڑی خوشامد درآمد کے بعد معبد ان لوگوں کے پاس گھُل مِل کر جا بیٹھا، آقا
نے اس سے کہا،
"یہ تو بتایئے، آپ نے یہ فن کس سے سیکھا ہے؟"
"حجاز کے استادوں سے، اور آپ کی ان کنیزوں نے؟"
"ایک جاریہ سے، اس سے میرا جسم و روح کا رشتہ تھا، خدا اس کی تربت
عنبریں کرے، وہ اس دُنیا سے سدھار چکی، اس نے یہ فن معبد سے
سیکھا تھا جب ہی سے میں معبد سے ملنے اور اس کی زیارت کرنے
کا بے حد مشتاق ہوں، میرا خیال ہے وہ اپنے فن کا امام ہے"
"اچھا وہ شخص آپ ہیں؟ آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟"
"نہیں، بالکل نہیں۔"
"میں معبد ہوں، آپ ہی کے پاس جا رہا تھا، آپ کی کنیزیں اس فن
میں کم مایہ ہیں، اب میں ان میں سے ہر ایک کو یگانۂ روزگار بنا دوں
گا۔"
معبد کی یہ باتیں سُن کر آقا اور کنیزوں نے جُھک کر اس کے ہاتھ پانو چومے،
اور کہا، "اب تک آپ نے اپنے تئیں چُھپائے رکھا، ہم سے اندازِ تخاطب
میں بے ادبی ہوئی، ہم برتاؤ بھی اچھا نہیں کر سکے، حالاں کہ آپ ہمارے

بزرگ ہیں، کتنے دنوں سے ہمیں آپ کا دیدار حاصل کرنے کی تمنا تھی، اسے خدا ہی جانتا ہی"

پھر آقا نے اسی وقت اس کے لباس کو بدلوایا اور خلعتِ فاخرہ عطا کی، اور تین سو دینار مرحمت کیے، بے مثل تحائف دیے، جب وہ لوگ اہواز پہنچے، معبدؔ وہیں ٹھہر گیا، اور کنیزوں کو اس فن میں طاق کر کے پھر حجاز واپس آگیا۔!

---

(۵) عبدالعزیز بن مروان کے دربار میں!

نُصَیبؔ[1] کا بیان ہی، ابھی میں عنفوانِ شباب کی منزل میں قدم رکھ رہا تھا کہ شعر گوئی کا مجھے چسکا پڑ گیا، مجھے اپنا کلام بہت بھایا، قبیلہ بنی ضمرہ اور خزاعہ کے بعض بڑے بوڑھوں کو جو شعر و سخن کی کسوٹی سمجھے جاتے تھے، میں نے اپنے کچھ اشعار سُنائے، لیکن اپنے بنا کر نہیں، قدیم شعرا کے نام سے منسوب کر کے، ان بزرگوں نے بڑی تعریف کی، "کیا کہنا، یہ ہی شاعری، اسے کہتے ہیں شعر" جب میں نے ان کے یہ تعریفی الفاظ سُنے تو یقین کر لیا واقعی میں اچھا شاعر ہوں اب میں نے ارادہ کیا کہ کسی طرح عبدالعزیز بن مروان کے دربار میں رسائی حاصل کروں، وہ اس وقت مصر میں تھا، میں نے اپنی بہن اُمامہ سے ذکر کیا، جو بڑی سمجھ دار اور عاقلہ تھی میں نے یہ بھی کہا، اگر میری وہاں رسائی ہو گئی، تو ہم لوگ آزاد ہو جائیں گے، یہی نہیں ہمارے قرابت داروں میں جو غلام ہیں انھیں

---

[1] نصیب ایک عرب خاندان کا غلام تھا، پھر اسے عبدالعزیز بن مروان نے خرید لیا تھا، فصیح و بلیغ شاعر تھا، مدح و غزل اس کا خاص موضوع ہی، ہجو کبھی نہیں کہی، پاک باز اور شریف طبیعت شخص تھا! اور درباروں میں محترم۔

بھی آزاد کرالیں گے، اُسامہ نے کہا، "توبہ توبہ، بھیّا کالے کلوٹے تو ہئی ہو اب کیا تماشا بھی بننا چاہتے ہو؟" میں نے کہا، "اچھا میرا کلام تو سُنلو" میں نے کلام سُنایا، کہنے لگی، "میں ایسا نہیں سمجھتی تھی، خُدا پر بھروسا رکھو، اور سدھارو، وہ کامیاب کرے گا"

میں نے ایک اونٹ لیا اور چل کھڑا ہوُا مدینے میں فرزدقؔ[1] سے ملاقات ہوئی، وہ مسجدِ نبوی میں بیٹھا ہوُا تھا، میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اور کلام سُنایا، سُن کر کہنے لگا، "انھی شعروں پر اِترا رہے ہو، اور بادشاہوں کے دربار میں پہنچنا چاہتے ہو؟"

"ارادہ تو یہی ہے"

"کیوں اپنا وقت گنواتے ہو؟ ان اشعار میں کیا رکھّا ہے، جاؤ گھر بیٹھو"

یہ باتیں سُن کر دفور ندامت سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، ایک قریشی فرزدق کے پاس بیٹھا ہوُا تھا، اس نے چپکے سے ایک کنکری میری طرف پھینکی، میں نے نظر اُٹھائی، تو اشارے سے مجھے بلایا میں پاس گیا تو کہا "میاں صاحب زادے یہ تمھارے شعر تھے؟" میں نے کہا "ہاں میرے تھے" اس نے کہا، فرزدق بڑا حاسد ہے، میں بھی شعر کا پرکھنا جانتا ہوں، دل نہ تھوڑا کرو، اپنی راہ لو، خُدا کامیاب کرے گا"، میں نے اس کی باتوں سے اندازہ کیا کہ سچ کہہ رہا ہے، چنانچہ میں نے سفر جاری رکھنے کا عزم کر لیا،

آخر کار میں مصر پہنچا، وہاں عبدالعزیز بن مروان والی تھے، اُن کے دربار میں بڑے لوگوں سے کتراتا ہوُا سب کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا، میں نے دیکھا ایک شکیل و وجیہہ آدمی، ایک عمدہ خچّر پر آیا، وہ جب بھی آتا فوراً اُسے

---

[1] عہد بنی امیہ میں عربی زبان کا نامور شاعر۔

داخل ہونے کی اجازت مل جاتی، جب وہ واپس ہوا، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، اس نے مجھے دیکھ لیا، پوچھا، "کچھ کام ہے؟" "جی ہاں، میں حجاز کا رہنے والا ہوں شاعر ہوں، امیر کی مدح میں میں نے ایک قصیدہ کہا ہے، اس اُمید میں آیا ہوں کہ شاید میری قسمت چمک جائے، لیکن یہاں مجھے کون پوچھتا ہے۔" "اچھا، اپنا کچھ کلام سناؤ،" میں نے کلام تازہ سُنایا، پسند کیا، اور کہا، "یہ تمھارے ہی شعر ہیں؟ امیر خود شعر و شاعری کے فن سے خاص دلچسپی رکھتا ہے، اس کے دربار میں اس فن کے بڑے بڑے ماہر بھی ہیں، ایسا نہ ہو تم بھی ذلیل ہو اور مجھے بھی رسوا کرو" میں نے عرض کیا "آپ مطمئن رہیے، شعر میرے ہی ہیں، پھر اس نے کہا، کل مجھ سے ملو، اور مصر کی شان میں چند شعر کہہ کر لاؤ،

دوسرے روز میں نے اپنا تازہ کلام سنایا، بہت پسند کیا، پیٹھ ٹھونکی، کہا، واقعی تم تو بہت بڑے شاعر ہو، آج تم امیر کے دربار میں ملنا، میں ذکر کروں گا"

میں وقتِ مقرّرہ پر پہنچ گیا، وہ آیا اور اندر چلا گیا، میرا دل دھڑک رہا تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے؟ کہ اتنے میں میری طلبی ہوئی، میں امیر عبدالعزیز کے سامنے پہنچا، امیر نے کہا، "تم شاعر ہو؟" میں نے کہا کہ ہاں۔ اس نے حکم دیا کہ سناؤ۔ میں نے سُنائے۔ اس نے پسند کیا اور بہت خوش ہوا، اسی اثنا میں حاجب نے آکر عرض کیا، ایمن بن[1] عریم آیا ہے، اذن باریابی چاہتا ہے" امیر نے کہا، "آنے دو" وہ آیا اور بیٹھ گیا، امیر نے پوچھا، "کیوں ایمن اس غلام کی قیمت کیا ہو گی"؟ ایمن نے مجھے دیکھا، اور کہا، "اونٹوں کی چرائی کا

---

[1] درباری شاعر

کام اچھّا کرے گا، سَو دینار کافی قیمت ہے" امیر نے کہا، "لیکن یہ شاعر بھی ہے" ایمن نے مجھ سے پوچھا، "کیوں؟ تم شعر بھی کہ لیتے ہو؟" میں نے جواب دیا، "کہتا تو ہوں" ایمن نے امیر سے کہا، "پھر اس کی قیمت تیس دینار بھی بہت ہے!" امیر نے پوچھا، "یہ کیوں؟" ایمن نے جواب دیا، "حضور یہ احمق بھی تو ہے، یہ شعر کہ سکتا ہے؟ اور شعر بھی اچھّا؟" امیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا، "نصیب، اپنا کلام سُناؤ" میں نے تعمیل کی، امیر نے کہا، "ایمن اب تمھاری کیا رائے ہے؟" ایمن نے کہا، "سیاہ فاموں میں اچھّا شاعر ہے" امیر نے کہا، "نہیں، یہ تم سے بھی بڑا شاعر ہے" ایمن نے کہا، "یا امیر مجھ سے بھی زیادہ؟" امیر نے جواب دیا، "ہاں تم سے کہیں زیادہ" ایمن بولا، یا امیر یہ زیادتی ہے" امیر نے کہا، تم غلط کہتے ہو، میں زیادتی نہیں کرتا، اگر میں ایسا کرتا ہوتا تو تم میری بات نہ دُکھلتے میرے کھانے سے سیر نہ ہوتے، میری مسند پر تکیہ لگا کے نہ بیٹھتے، حالاں کہ تم جانتے ہو تم کیا ہو[1]؟ پھر ایمن نے بشر کے پاس عراق جانے کی اجازت مانگی، جو مل گئی، عبدالعزیز نے نصیب کو خرید لیا، اور خرید کر آزاد کر دیا۔

---

(۶) معبد مکّے میں!

معبد کا قول ہے کہ جب میں نے گانا سیکھ لیا، اور لوگ میرے اندازِ غنا کو پسند کرنے لگے، اور دور دور میرا شہرہ ہو گیا، تو میرے جی میں آئی کہ مکّہ معظمہ جاؤں، وہاں کے مغنّیوں کا گانا سُنوں، اپنا گانا انھیں سُناؤں، اور

---

[1] ایمن مرض برص میں مبتلا تھا!

اس طرح ان سے تعارف پیدا کروں، چنانچہ میں نے ایک گدھا خریدا، اس پر بیٹھ کر مکّہ روانہ ہو گیا، وہاں پہنچ کر میں نے اپنا گدھا فروخت کر دیا، اور دریافت کیا، یہاں کے گویّوں کا اڈّا کون سا ہے؟ کہاں ہے؟ جو بندہ یا بندہ، معلوم ہوا قیقعان میں فلاں صاحب کے ہاں مجلس جمتی ہے، منہ اندھیرے ناخواندہ مہمان کی طرح وہاں پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا، آواز آئی "کون"؟ "بندہ سامنے حاضر ہے ملاحظہ فرمائیے"۔ کچھ بڑبڑاتا ہوا، کسی قدر سہما ہوا، صاحبِ مکان آیا، دروازہ کھولا، پوچھا، "خدا تم پر رحم کرے، تم کون ہو؟" میں نے کہا، "مدینے کا ایک مسافر"!

"مطلب"؟

"گانا سننے کا شوق ہے، خود بھی کچھ شُد بُد جانتا ہوں، مجھے معلوم ہوا آپ کے ہاں بڑے بڑے گویّے جمع ہوتے ہیں طبیعت نہ مانی چلا آیا، مناسب سمجھیے تو ایک گوشے میں مجھے بھی بیٹھ رہنے دیجیے"

کچھ دیر اس نے سوچا، پھر کہا، "آجاؤ خدا تمھیں برکت دے"

میں ایک گوشے میں جا کے بیٹھ گیا، جب دن اچھی طرح چڑھ آیا، تو ایک ایک کر کے گویّے آنے لگے، مجھ اجنبی کو دیکھ کر انھوں نے کچھ ناک بھوں چڑھائی، بعض نے کہا، "یہ کون گھس آیا؟" میزبان نے جواب دیا، "یہ بیچارے مدینے سے آئے ہیں، گانے کا بڑا شوق ہے، بیٹھا رہنے دیجیے" اب یہ لوگ گرم جوشی سے مجھ سے ملے، میں نے گفتگو شروع کی تو اور خوش ہوئے، پہلے شراب کا دور چلا، پھر نَے اور نَے کی باری آئی، میں بڑے جوش و خروش سے ان کے گانے کی داد دیتا رہا، وہ میری خوش مذاقی پر مسرور ہوتے

رہے، اس طرح کئی دن گزرے، میں نے ایک ایک گانے والے کے ہر ہر راگ کو اپنی گرفت میں لے لیا، پھر میں نے ابن سریج سے کہا، اپنے طرز پر، ذرا میری اوٹ پٹانگ بھی تو سنو، اس نے کہا، "تم گا لوگے ؟" میں نے کہا، "سنیے تو سہی، شاید!" پھر میں نے اسی کی لے میں گایا، ابن سریج اور دوسرے لوگ چیخ پڑے، کہنے لگے، "خدا تجھے غارت کرے، خوب گایا"، اسی طرح باری باری ایک ایک سے میں نے اس کی پسندیدہ لے سنی، اور پھر اسی کو گا گا کر سنایا، اب شورِ تحسین اتنا بلند ہوا کہ مکان سے باہر آواز جانے لگی، گویوں نے اعتراف کیا، "خوب بہت خوب تم نے تو ہمارے راگ ہم سے بھی زیادہ اچھے گائے" میں نے کہا، "مجھے بنائیے مت، ذرا میرا گانا بھی تو سنیے" اب میں نے اپنی لے میں سنانا شروع کیا، کئی گانے سنا ڈالے، انھوں نے کہا، "خدا کی قسم تم کوئی کامل و اکمل، اور مشہور و معروف استاد ہو، آخر ہو کون ؟" میں نے کہا، "خاکسار کو معبد کہتے ہیں"! اب تو میں پجنے لگا، کہنے لگے، آپ نے اپنے تئیں، ہم سے چھپایا، ہم پہچان نہ سکے کہ آپ، آپ ہیں" پھر میں ان کے پاس ایک مہینے ٹھہرا، کچھ ان سے لیا، کچھ انھیں دیا، اور مدینے واپس آگیا۔

---

(۷) ہشام بن عبدالملک کا دربار!

خالد بن صفوان، بن اہتم کہتے ہیں، یوسف بن عمر نے مجھے ہشام بن عبدالملک کے پاس وفد عراق کا سرگروہ بنا کر بھیجا میں پہنچا، وہ اپنے ندیموں، جلیسوں، دوستوں، مصاحبوں، عہدے داروں اور سرداروں کو لے کر

تفریح و طرب کے لیے باہر جا رہا تھا، ایک سرسبز و شاداب مقام پر جو سطح ارض سے بلند تھا، اور جہاں کوہستانی مناظر پائے جاتے تھے، وہ اُترا، ابھی بارش کا ایک ڈونگرا برس چکا تھا، فضا پر ایک عجیب کیف برس رہا تھا، زمین ایسی صاف شفاف تھی، گویا کسی نے کافور کے ٹکڑے لاکر رکھ دیے ہوں، اسی جگہ پر خیمے نصب کر دیے گئے، جھول داریاں لگا دی گئیں، ہشام کے خیمے کی قنات وہی تھی، جسے یوسف بن عمر نے یمن میں تیار کرایا تھا، اسی کے اندر ایک چھوٹا سا خیمہ تھا، سُرخ ریشم کے چار مختلف فرش بچھے ہوئے تھے، ہشام پر ایک جُبّہ پڑا ہوا تھا، جو اُون اور سُرخ ریشم سے بنایا گیا تھا، اسی طرح کا عمامہ بھی تھا، لوگ اپنی اپنی جگہوں پر ادب اور قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے، میں نے حاضرین کی صف میں سے اپنی گردن ذرا باہر نکالی، ہشام نے مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھا گویا وہ مجھ سے کچھ سُننا چاہتا ہے، میں نے عرض کیا، خدا نے اپنی نعمتیں آپ پر تمام کیں، آپ کو کامیاب بنایا، جو آرزو آپ نے کی اس کا انجام بخیر کیا، آپ کو اپنے خوف کے لیے چُن لیا، اور ترقّی و عروج سے مالا مال کیا، جو پاکیزہ دولت آپ کو بخشی اسے کسی آزار سے خراب و خستہ نہیں کیا، آپ کو مسرّت کا جو خزانہ عطا کیا اسے چھینا نہیں، چنانچہ آپ مسلمانوں کے آرام و راحت کا وسیلہ بن گئے، ستائے جاتے ہیں تو آپ ہی کی چوکھٹ پر پہنچتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں تو آپ ہی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، اے امیر المومنین میں اپنے لیے آپ کے حق کی بجا آوری، آپ کے شرفِ صحبت کی احسان مندی کا، سب سے بہتر اظہار یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو خدا کی نعمتیں یاد دلاؤں، اور آپ کو متنبہ کروں کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیے، ایک بات اور ہے، جو آپ سے پہلے کے بادشاہوں پر گزری

اگر اجازت ہو تو عرض کروں"

ہشام نے کہا، "اجازت ہے، کہو!"

میں نے کہا، آپ سے پہلے، بہت پہلے، ایک بادشاہ تھا، جیسے آپ اس فصلِ بہار میں تفریح و طرب کے لیے نکلے ہیں، ایسے ہی وہ بھی نکلا، فرازِ کوہ پر خیمہ زن ہوا، ابرِ بہار برس کر کھُل چکا تھا، زمین کا وہ ٹکڑا اپنی گود میں رنگ برنگ کی کلیاں اور شگوفے لیے ہوئے تھا، منظر بلا کا دل فریب تھا، زمین ـــ یہ معلوم ہوتا تھا، کافور کی بنی ہوئی ہے، اس شان و شوکت، عروج و تجمّل، اور جاہ و دولت کے ساتھ بادشاہ کا ابھی عنفوانِ شباب تھا، اس نے سامنے نگاہ ڈالی، اور دور تک نگاہ کو جماتا چلا گیا، پھر اپنے ندیموں سے گویا ہوا، ـــ "سچ بتانا، کسی اور کو بھی یہ نعمتیں حاصل ہیں؟ میری طرح کامیاب و کامگار تم نے کسی اور کو بھی دیکھا ہے؟ کیا قدرت کی طرف سے یہ نعمتیں کسی اور کو بھی بخشی گئیں، جن سے میں سرفراز فرمایا گیا ہوں؟"

حجاز کا ایک آدمی گویا ہوا۔ "اے بادشاہ تو نے ایک بات پوچھی ہے، کیا میں جواب دوں؟"

"ہاں" بادشاہ نے کہا۔

اس نے کہا، "آپ اپنے پاس، اپنے اِرد گِرد، اپنے قبضے میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں، کیا اسے لازوال سمجھتے ہیں؟ یا یہ ایسی چیز ہے جو کسی دوسرے سے آپ تک پہنچی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ آپ سے چھنے گی، اور کسی دوسرے تک پہنچے گی"

بادشاہ نے کہا، "بات تو ایسی ہی ہے"

آدمی بولا، "پھر آپ کس چیز پر گھمنڈ کر رہے ہیں؟ ایسی چیز پر جس سے

لذت یابی بہت کم، جُدائی یقینی اور غیر محدود، اور کل جس کا حساب بھی دینا پڑے گا؟"

بادشاہ نے کہا، "خدا تجھے سمجھے، آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے؟"

حجازی نے کہا، "یہ کہ جب تک بادشاہت کرو، خُدا کی اطاعت پیشِ نظر رکھو، جو تمھارا پروردگار ہے، تمھیں نقصان پہنچا سکتا ہے، خوش رکھ سکتا ہے، تکلیفوں میں مبتلا کر سکتا ہے، اپنی آتشِ غضب میں تمھیں بھوُن سکتا ہے، اور یا یہ تاجِ خسروی اُتار دو، یہ شاہی پوشش ترک کر دو، جسم ڈھکنے کے لیے ایک چادر پہن کر خُدا کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ موت آ جائے۔"

بادشاہ نے کہا، "جب صبح ہو تو میری کُنڈی کھٹکھٹاؤ، ان دو راستوں میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کر لوں گا، اگر میں نے اپنی موجودہ حیثیت برقرار رکھی تو تم میرے وزیر باتدبیر ہو گے، جس کی کوئی نافرمانی نہیں کر سکے گا، اور اگر میں نے دوسرا راستہ چنا تو تم میرے ساتھی ہو گے۔"

صبح ہوئی حجازی نے دروازہ کھٹکھٹایا، بادشاہ کے سر پر نہ تاجِ شہریاری تھا، نہ جسم پر لباسِ خسروی، ایک چادر اس کا جسم ڈھانپے ہوئے تھی، جہان گشتی کا وہ ارادہ کیے ہوئے تھا، حجازی اس کے ساتھ ہوا، اور دونوں بلند و پست منزلیں طے کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز آغوشِ موت میں جا سوئے۔"

یہ سُن کر ہشام کے گریۂ بے اختیار کا یہ عالم تھا کہ اس کی واڑھی آنسوؤں سے تر تھی، خیمے کھول دینے کا اس نے حکم دیا، اپنے عزیزوں، دوستوں، مصاحبوں، ندیموں اور سرداروں کو رخصت کر دیا، اور محل میں آکر ایک گوشے میں جم کر بیٹھ گیا، ان لوگوں نے خالد بن صفوان سے کہا، تم نے امیرالمومنین کا مزا کرکرا کر دیا، ہشام نے کہا، "خاموش، میں نے عہد کیا ہے کہ جس بادشاہ سے

ملوں گا اس کو خدا کی یاد دلاؤں گا اسے پورا کرنے دو"!

---

(۸) نغمے کا جادو!

معبد اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہے، مکّے کے امیر نے مجھے طلب کیا، میں روانہ ہوا، شدید گرمی پڑ رہی تھی، راستے میں پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے، میں ایک خیمے کے پاس پہنچا، اسود بیٹھا ہوا تھا، صراحیوں میں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا رکھا تھا، اب میں اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکا، میں نے کہا،

"کیوں صاحب کیا میں پانی پی سکتا ہوں؟"

"ہرگز نہیں"

"کچھ دیر کے لیے خیمے میں ٹھہر سکتا ہوں؟"

"نہیں"

آخر میں نے اپنی اونٹنی بٹھائی، اور اسی کے ساتھ میں پناہ گزیں ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا، اگر اس امیر کو کچھ سناؤں تو شاید مطلب برآری ہو، اور گانے میں چوں کہ زبان حرکت کرے گی، تو لعابِ دہن سے حلق بھی تر ہو جائے گا، اس طرح ممکن ہے پیاس بھی کم ہو جائے، اب میں نے اونٹنی کے زیرِ سایہ گنگنانا شروع کیا، میری آواز کانوں تک پہنچی، ابھی میں شعر بھی پورا نہیں کر چکا تھا کہ اسود آیا، اور اعزاز و احترام کے ساتھ مجھے اپنے خیمے میں لے گیا، کہنے لگا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو کے ستو اور آبِ سرد سے شغل فرمایئے گا؟" اسی خاطر داری میں شام ہو گئی، میں نے چلنے کی تیاری کی، کہنے لگا، "اجازت ہو تو گلے میں مشکیزہ باندھ لوں، اور آپ کے

کے ٹوکرے میں سے ہلال کو ایک ٹوکرا دیا، پھر جب بصرے پہنچے، تو بآواز بلند لوگوں کو بتایا کہ انھوں نے کیا کیا تھا، اور ہلال نے کیا کیا؟

---

(۱۰) امیر المومنین کے دربار تک!

دحمان الاشقر روایت کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے مجھے مکّے کا گورنر مقرّر کیا تھا۔ جاسوسوں نے اسے اطلاع دی کہ ایک سیاہ رو شخص، سعید بن مسجح قریش کے نوجوانوں کو بے راہ کر رہا ہے، اور وہ ادھا دھند اس پر اپنا مال و زر صرف کر رہے ہیں، مجھے عبدالملک نے لکھا کہ اس کے مال و دولت پر قبضہ کر لوں، اور اس کو نکال باہر کر دوں، میں نے ایسا ہی کیا، ابن مسجح نے شام کا رُخ کیا، راستے میں اسے ایک آدمی ملا، جس کے ساتھ نازک اندام کنیزیں تھیں، آدمی نے اس سے پوچھا، "کدھر جا رہے ہو؟" ابن مسجح نے اپنا سارا ماجرا اُسے سُنایا اور کہا، شام جا رہا ہوں" اس نے کہا، "میرے ساتھ چلو گے؟" ابن مسجح نے جواب دیا" بسروچشم" دونوں ساتھ ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ دمشق پہنچے، ایک مسجد میں داخل ہوئے، لوگوں سے دریافت کیا، امیر المومنین کی خدمت میں کون زیادہ رسوخ رکھتا ہے؟ لوگوں نے کہا، "قریش کے چند افراد، اور امیر المومنیں کے عم زاد بھائی" یہ سُن کر ابن مسجح نے اِدھر اُدھر دیکھا، اور قریش نژاد لوگوں کے گروہ میں پہنچ گیا، جاتے ہی اُس نے کہا، "کیوں نوجوان دوستو، کیا تم ایک ستم رسیدہ حجازی کو اپنا مہمان بناؤ گے؟" وہ نوجوان ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، وہ کنّی کاٹنا چاہتے تھے، اس لیے کہ اس وقت وہ ایک

مغنّیہ کے ہاں جانے والے تھے، جو "برقِ اُفق" کے نام سے مشہور تھی، اس لیے ابن سبح کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے انھیں گراں گزرا! لیکن ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں کو اس طرزِ عمل پر ملامت کی، اور ابن سبح سے کہا، "میں تمھیں اپنا مہمان بناتا ہوں" اور اپنے ساتھیوں سے کہا، "تم لوگ وہاں جاؤ، میں تو اپنے مہمان کے ساتھ جاؤں گا" اب تو ساتھی شرمندہ ہوئے، کہنے لگے "تم جاتے کیوں ہو؟ تم بھی چلو، اپنے مہمان کو بھی لے چلو" سب لوگ مغنّیہ کے گھر روانہ ہوے،

جب کھانا آیا اس وقت ان لوگوں سے ابن سبح نے کہا، "میں ٹھہرا سیاہ رُو، ممکن ہے آپ میں سے کسی صاحب کے لیے میں بارِ خاطر ثابت ہوں، لہٰذا میں تو ایک گوشے میں بیٹھ کر ناشتہ کرلوں گا" یہ کہ کر وہ مجلس سے اُٹھا، اور دوُر جا کر بیٹھ گیا، وہ لوگ ذرا شرمندہ تو ہوئے، لیکن کھانا وہیں بھیج دیا، جب شراب کا دور چلا، پھر یہی کیفیت پیش آئی، اس نے شراب بھی الگ گوشے میں بیٹھ کر پی لی، اب ان لوگوں کے حسبِ منشا دو لونڈیاں برآمد ہوئیں، ذرا بلندی پر ایک مسند بچھی ہوئی تھی، آکر وہیں بیٹھ گئیں، اور عشا کے وقت تک گاتی رہیں، پھر وہ پردے کے پیچھے چلی گئیں، اب ایک اور کنیز برآمد ہوئی، حسین وجمیل، خوب رُو اور شکیل، اس کے ساتھ وہ دونوں لونڈیاں بھی آئیں، یہ آتے ہی مسند پر ایک ادائے تمکنت سے بیٹھ گئی، اور وہ دونوں مسند سے نیچے، دائیں اور بائیں طرف بیٹھ گئیں، یہ منظر ——— ابن سبح کہتا ہے ——— مجھے ایسا بھایا کہ بے ساختہ ایک شعر موزوں ہوگیا، میں نے کہا،

"یہ سورج ہے، یا کلیسا کے روشن چراغ ...."

یہی جو ابھی پردے کے پیچھے سے برآمد ہوا یا یہ ایک خواب ہے؟ یہ شعر سُن کر، نئی کنیز کہنے لگی، "یہ سوا کالا کلوٹا، ہم پر فقرے جڑے گا؟" حاضرین نے میری طرف نگاہِ غضب سے دیکھا، جب وہ ذرا ٹھنڈی ہوئی، تو پھر گانے لگی، پھر مجھ سے ضبط نہ ہوا، اور بے ساختہ کلماتِ تحسین منہ سے نکل گئے، اب کنیز کا مالک بھی بگڑنے لگا، تنگ آکر میرے میزبان نے کہا، "تم اس مجمع کے لیے گرانی کا سبب ہو، میرے گھر جاؤ، وہیں بیٹھو" میں جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ کنیز نے گانا شروع کر دیا، میں نے چلتے چلتے کہا، "غلط۔! ای عورت تو بے سُر گا رہی ہے" یہ کہہ کر میں نے تال سُر بٹھال کر ٹھیک لَے میں گا کر بتایا، میرا گانا سُن کر کنیز اپنے آقا سے کہنے لگی، "خدا کی قسم ہو نہ ہو یہ ابو عثمان، سعید بن مسجح ہیں" میں نے کہا، "ہاں میں ابن مسجح ہوں، لیکن اب یہاں نہیں ٹھہرنے کا" قرشی نوجوان میرے گرد جمع ہو گئے، ایک کہتا تھا، "یہ ہمارے پاس ٹھہرے گا۔" دوسرا لپکتا تھا، "نہیں یہ تو میرا مہمان ہے" تیسرا بولتا تھا، "واہ میرے سوا کون اسے ٹھہرا سکتا ہے؟" میں نے کہا، "میں تو تم سب کے سردار کے پاس ٹھہروں گا" یعنی جس نے مجھے اپنا مہمان بنایا تھا، اس نے کہا، "میں ہوں امیر المومنین کا ندیم، اگر تم حدی خوانی کر سکو تو خوب ہو، میرا مکان امیر المومنین کے قصر کے پائین واقع ہے، اگر میں نے دیکھا کہ اس وقت وہ خوش ہیں، تو میں اطلاع دوں گا"

چنانچہ وہ امیر المومنین کے حضور میں پہنچا، انھیں ترنگ میں دیکھ کر اطلاع بھیجی، یہاں سے ابن مسجح پہنچا، اس نے وہاں پہنچتے ہی حدی خوانی شروع کر دی، آواز امیر المومنین تک بھی پہنچی، انھوں نے قرشی نوجوان سے پوچھا، "یہ کون ہے؟" "میرا ایک حجازی مہمان" قرشی نے جواب دیا،

امیرالمومنین نے حکم دیا کہ وہ حاضر کیا جائے، ابن مسجح حاضر کیا گیا، امیرالمومنین نے کہا "حدی خوانی کرو، ویسی ہی جیسی ساربان کرتے ہیں" ابن مسجح نے تعمیل ارشاد کی، امیرالمومنین نے اس سے اور بھی کئی گانے سُنے، اور بہت پسند کیے، فرمایا، "یقیناً تم اپنی قوم میں بہت ممتاز ہو، تم ہو کون؟ تمھارا نام کیا ہے؟" ابن مسجح نے کہا، "میں حضور کا ایک معتوبِ بارگاہ ہوں، میرا نام سعید بن مسجح ہے، میرا مال حجاز کے گورنر نے چھین لیا، اور مجھے جلاوطن کردیا"

عبدالملک مسکرایا، اور گویا ہوا، "قریش کے نوجوان اگر اسے اپنی دولت دیے ڈالتے ہیں تو معذور ہیں"

یہ کہہ کر امیرالمومنین نے، ابن مسجح کو پروانۂ امن عطا فرمایا، اور گورنر کو حکم بھیج دیا کہ اس کا مال واپس کردیا جائے، اور آیندہ اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے!

---

(۱۱) لکھ لٹ!

حارث بن سلیمان جہمی بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہُوا، وہاں سعید بن خالد بن عمرو بن عثمانؓ بن عفان بھی پہنچے، کہنے لگے۔ "امیرالمومنین میں فریاد لے کر حاضر ہُوا ہوں"

"وہ کیا؟" امیرالمومنین نے کہا،

"موسیٰ بن شہوات کے خلاف"

"اُنھوں نے کیا کیا؟"

"میری آبروریزی کی اور مجھے ذلیل کیا"

امیرالمومنین نے اسی وقت موسیٰ کو بلوایا، وہ فوراً حاضر کیے گئے، پوچھا،
"تم نے سعید کو اذیت دی، اسے ذلیل کیا؟"
"امیرالمومنین میں نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں ان کے برادرِ عم زاد کی مدح کی، اور یہ خفا ہو گئے"
"یہ کیوں کر؟"
"ایک کنیز سے مجھے محبت ہو گئی، میرے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ اسے خرید سکتا، میں ان کے پاس پہنچا، یہ میرے دوست تھے، ان سے مدد چاہی، لیکن یہ کچھ بھی نہ کر سکے، پھر میں ان کے برادرِ عم زاد سعید بن خالد بن عبداللہ کے پاس پہنچا، اور اُن سے مدد چاہی، انھوں نے میری سُنی، اور کہا، پھر آنا، تین دن کے بعد میں پھر گیا، بڑی آؤ بھگت کی، اپنی مجلس میں بٹھایا، پھر غلام سے کہا، جاؤ، چودھرائن[1] سے کہو میری امانت دے جائیں، اتنے میں دروازہ کُھلا، اور ایک کنیز نمودار ہوئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا، "یہی وہ کنیز ہے؟" میں نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہی ہے!" پھر غلام سے کہا، ذرا چودھرائن سے کہہ دے، میری ہمیانی دے جائے، ہمیانی کھولی گئی، تو اس میں سے سو دینار نکلے، پھر کہا میرا صندوق! وہ بھی لایا گیا، پھر کہا بستر! اعلیٰ درجے کا بستر بھی لایا گیا، پھر مجھ سے کہا، "یہ سب کچھ تمھارا ہے، جس طرح چاہو برتو"

سلیمان بن عبدالملک نے کہا، "اسی لیے تم اُن کی مدح کرتے ہو؟ کیا مدح کی تم نے؟"

---

[1] قیمہ عربی زبان میں اس عورت کو کہتے ہیں جو گھر کے تمام معاملات کی نگراں اور ذمے دار ہوتی ہے، میں نے اس مفہوم کو چودھرائن سے ادا کیا ہے۔

میں نے کہا، عرض کیا ہے۔

"سعید دریا دلی اور سخاوت کا دم ساز ہے، جب تک وہ زندہ ہے، سخاوت اس کی رفاقت پر نازاں ہے، اگر وہ مر جائے، تو پھر سخاوت کسی کو اپنا دم ساز نہیں بنا سکتی۔!"

یہ اشعار سُن کر سلیمان نے غلام کو حُکم دیا کہ سعید بن خالد کو حاضر کیا جائے، وہ فوراً حاضرِ دربار ہوئے، امیرالمومنین نے پوچھا،

"موسیٰ نے تمھاری جو مدح کی ہے وہ صحیح ہے؟"

"وہ کیا امیرالمومنین؟"

خلیفہ نے موسیٰ کا بیان دہرایا، سعید بن خالد نے کہا، "یہ صحیح ہے امیرالمومنین"

سعید کی تائید سُن کر پھر خلیفہ نے پوچھا، "اس سخاوت کے مصارف کہاں سے آئے تھے؟"

"تیس ...... ہزار دینار میں نے قرض لیے تھے"

"تیس ہزار؟ اچھّا، تمھیں خزانے سے ایک لاکھ دینار دیے جائیں"

اس کی فوراً تعمیل ہوئی،

چند روز کے بعد میری سعید سے ملاقات ہوئی، میں نے پوچھا، "کہو امیرالمومنیں سے جو رقم ملی تھی، اس کا کیا کیا؟"

جواب دیا، "اب تو میرے پاس صرف پچاس دینار رہ گئے ہیں"

"سب خرچ کر دیے؟"

"ہاں کچھ دوستوں کی نذر ہو گئے، کچھ حاجت مندوں کے!"

---

(۲۱) برمکی خاندان کی فیّاضی!

مخارق کا بیان ہے کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، امیرالمومنین ہارون رشید جلوس فرما تھے، میں نے کہا، اس وقت بے اختیار میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنے اُستاد ابراہیم موصلی کی خدمت میں حاضر ہوں، میں ابراہیم کے ہاں پہنچا، دروازہ کھُلا ہوا تھا، دہلیز پر دربان ایستادہ تھا، میں نے اس سے پوچھا، "استاد کا کیا حال ہے؟" "آیئے اندر آ یئے"، میں اندر پہنچا، استاد بیٹھے ہوئے تھے، سامنے کچھ ہانڈیاں رکھی ہوئی تھیں، جو کھدکھدا رہی تھیں، دو تین لوٹے بھی رکھے ہوئے تھے، ایک ستار بھی تھا، پردے کے پیچھے کچھ لونڈیاں تھیں، سامنے ایک کشتی تھی، جس میں قرینے سے جام، پیالا اور ساغر رکھا ہوا تھا، میں گنگناتا ہوا داخل ہوا، میں نے کہا "ستار رکھنے سے فائدہ؟ اس میں سے راگ تو نکلتا ہی نہیں" استاد نے کہا: "بیٹھو تو، مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ میرے پڑوس میں جو جائداد ہے، ایک لاکھ درہم میں فروخت ہو رہی ہے، خدا جانتا ہے عرصۂ دراز سے میں یہ آرزو لیے بیٹھا ہوں، کہ اس جائداد کو خرید لوں، اب موقع آیا ہے" میں نے کہا، "تو یہ کون سا مشکل کام ہے، خدا نے آپ کو اس سے کہیں زیادہ دولت عطا فرمائی ہے"۔

"ہاں یہ سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ جو رقم جمع ہو چکی، اس میں سے کچھ نکالوں"

"پھر اس وقت ایک لاکھ درہم آپ کو کون دے گا؟

یہ تو خود رشید سے بھی ملنے کی امید نہیں ہے چہ جائے کہ کوئی اور دے سکے"۔

"میں نے یہ راگ ایجاد کیا ہے، اسے سمجھو"

استاد ساز لے کر بیٹھ گئے، یہ شعر اپنے نئے راگ کے ساتھ انھوں نے گایا:۔

"رفقا تو ہجوم یاس والم میں بھی سورہے، مگر فرطِ غم سے میری آنکھ نہیں لگتی۔
اگر تجھے بخشش کی، منفعت کی، دولت کی طلب ہو، تو یحییٰ کے دروازے پر جا، وہ جود وکرم کا حلیف ہو"!

استاد نے کہا، اب تم وزیرالوزرا یحیی برمکی کے درِ دولت پر جاؤ، تم دیکھو گے وہاں لوگوں کا تانتا لگا ہوا ہو، دروازے پر کوئی قدغن نہیں ہو، تم جلدی سے یحییٰ کے قریب، قبل اس کے کہ کوئی دوسرا پہنچے، پہنچ جانا، اگر وہ پوچھیں تو سارا ماجرا کہہ دینا، اور کہنا، میں چاہتا ہوں آپ کی فلاں کنیز اسے ازبر کرے، یحییٰ اسے بلائے گا، اور تم سے کہے گا اسے میرے سامنے سکھاؤ، پھر جو کچھ گزرے، مجھے آکر بتانا۔

میں یحییٰ کے درِ دولت پر پہنچا، اور استاد کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہوا، وہی پیش آیا جو استاد نے بتایا تھا، جب میں کنیز کو گانا سکھا چکا تو یحییٰ نے مجھ سے پوچھا،

"ٹھہرو گے یا جاؤ گے؟"

"اب جانے کی اجازت چاہتا ہوں"

یحییٰ نے جائداد کی قیمت ایک لاکھ درہم فوراً استاد کو بھجوادی، اور دس ہزار درہم مجھے عنایت کیے، میں رُپے لے کر اپنے گھر چلا گیا، اپنی خوش ادا کنیزوں کے سامنے یہ دولتِ فراواں میں نے ڈھیر کردی، مسند پر ٹھاٹھ سے تکیہ لگا کے بیٹھ گیا، اور شراب وکباب میں مصروف ہوگیا، سارا دن کیف و

طرب کے عالم میں گزر گیا،

دوسرے دن میں نے کہا، لاؤ، ذرا استاد کو دیکھتے چلیں، میں پہنچا، وہی کل کا سماں آج بھی تھا، میں نے دیکھا، استاد کچھ مُنہ پُھلائے بیٹھے ہیں، پوچھا، "آپ کو ایک لاکھ درہم نہیں پہنچے؟"

"پہنچے تو"

"پھر؟"

"تم پر کل کیا گزری یہ تو کہو؟"

میں نے سارا قصّہ کہ سُنایا، پھر میں نے پوچھا "اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟" استاد نے کہا، "دیکھ لو" میں نے پردہ اٹھایا تو کل والی دس تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں، "پھر اب جائداد کیوں نہیں خرید لیتے! استاد؟" فرمایا "جو چیز گھر میں آگئی، وہ باہر نہیں نکلتی"

"پھر کیا ہوگا؟"

"ایک اور نیا راگ سیکھو"

میں استاد کے پاس بیٹھ گیا، اور یہ نیا راگ بھی سیکھ لیا، اُستاد کی آواز سُنی، تو معلوم ہوُا، یہ راگ، یہ آواز، یہ سوز، بالکل نیا ہے، پہلے جو کچھ سُنا تھا، وہ اس کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھا، استاد نے فرمایا، "لے اب اٹھو، اور سیدھے فضل بن یحییٰ برمکی کے پاس جاؤ، تمھیں معلوم ہوگا، وہاں باریاب ہونے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، لیکن تم اجازت طلب کر کے جانا، اور میری ساری کتھا سُنانا، کل کا قصّہ کہنا، اور یہ بھی بتانا کہ اس کے باپ نے میرے اور تمھارے ساتھ کل کیسی دریا دلی دکھائی، پھر اسے بتانا کہ یہ میرا نیا راگ کل کے مقابلے میں کتنا اعلیٰ درجے کا ہے، اور میں نے تمھیں اس لیے بھیجا ہے،

کہ تم اس کی کسی کنیز کو یہ سکھا دو، یہ ہدایتیں لے کر میں فضل بن یحییٰ کے در دولت پر گیا، اجازت لے کر اس کے پاس پہنچا، پوچھا، "کیا بات ہے؟" میں نے کل کی ساری رام کہانی سُنا ڈالی، کہا، خُدا ابراہیم کو غارت کرے، بڑا کنجوس ہے" پھر اس نے ایک خادم کو بُلایا، وہ ستار لے کر بیٹھا، اور میں نے "تلقین" شروع کر دی، میں ابھی اپنا گانا پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ فضل ستار کے سامنے اپنی مسند پر بیٹھ گیا، اور کہنے لگا، "خدا کی قسم مخارق تمھاری اور تمھارے استاد ابراہیم موصلی کی تعریف نہیں ہو سکتی، تم ایک دن میرے پاس ٹھہر کیوں نہیں جاتے؟" میں نے معذرت کی، فضل نے فوراً، بیس ہزار درہم مجھے عنایت کیے، اور دو لاکھ درہم استاد کے پاس بھیج دیے، میں تو اپنے درہم لے کر گھر پر پہنچا، تھیلیاں کھولیں، اور کنیزوں کے سامنے ڈھیر کر دیں، شراب کے دور چلے، کیف و سرور کی دُنیائیں، میں کھو گیا،

صبح ہوئی تو میں نے پھر "خانۂ استاد" کا رُخ کیا، جس رنگ میں کل تھے، اُسی میں آج منہ جھلائے بیٹھے تھے، میں گنگناتا ہوا داخل ہوا، استاد نے کہا، "قریب آؤ"

"فرمائیے"

"یہ پردہ اٹھاؤ"

میں نے پردہ اُٹھایا، تو کل کی اور پرسوں کی تھیلیاں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں، میں نے پوچھا،

"یہ کیا؟"

"کمبخت جانتا نہیں، جو رُپیہ میرے پاس آگیا وہ پھر باہر نہیں جاتا"

"میں نہیں سمجھ سکتا کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے جسے اتنی دولت ملے اور پھر اپنی محبوب و مرغوب چیز کنجوسی کی وجہ سے نہ لے سکے۔"

"بیٹھو بیٹھو، یہ نیا راگ سیکھو"

اب استاد نے اپنے نئے راگ کی مجھے تعلیم دی، خدا کی قسم پہلے کے دونوں راگ گویا اس کے آگے میں بھول گیا، استاد نے پوچھا،

"سچ کہنا ایسا راگ کبھی سنا ہے؟"

"کبھی نہیں استاد"

"اب تم جعفر برمکی کے پاس جاؤ"

میرے لیے چارۂ کار ہی کیا تھا، روانہ ہوا، جعفر کو میں نے یحییٰ اور فضل کے ہاں کا سارا قصہ سنایا، پھر استاد کا نیا راگ بھی سنایا، جعفر بہت مسرور ہوا، فوراً سازندے طلب ہوئے، ایک کنیز بلائی گئی، خود جعفر ایک مرصّع کرسی پر بیٹھ گیا، اور کہا، "ہاں مخارق شروع کرو" میں نے تعمیل کی، جعفر نے کہا "مخارق تم خوب گائے، اور تمھارے استاد نے بہت خوب راگ ایجاد کیا۔ آج یہیں کیوں نہ رہ جاؤ؟" میں نے عذر کیا جو مسموع ہوا، خزانچی کو حکم ہوا کہ مجھے تیس ہزار درہم دیے جائیں، اور ابراہیم کے پاس تین لاکھ درہم فوراً بھیج دیے جائیں، میں تو حسبِ معمول یہ دولت کثیر لے کر گھر پہنچا، دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں منائیں، سارا وقت عیش و طرب میں گزر گیا،

صبح ہوئی تو میں پھر استاد کے ہاں پہنچا، وہ ٹہل رہے تھے، کہنے

"مخارق شاباش"

"کیا ہوا؟"

"بیٹھو"

میں بیٹھ گیا، پھر پردہ اُٹھایا، دیکھتا کیا ہوں، درہم ہی درہم رکھے ہوئے ہیں، میں نے پوچھا،

"جائداد کا کیا ہوا؟"

استاد نے ایک کاغذ نکالا، اور میرے سامنے رکھ دیا، فرمایا "یہ ہے جائداد کا قبالہ اسے یحییٰ بن خالد برمکی نے خریدا، اور مجھے بخش دیا، اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھا ہے، وہ بھی دیکھ لو:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم یہ جائداد خواہ تمھیں کتنا ہی روپیہ مل جائے، خود نہیں خرید و گے، میں اس جائداد کو خرید کر قبالہ تمھیں بھیج رہا ہوں۔"

یہ خط اور قبالہ دکھا کر، ابراہیم رونے لگا، کہنے لگا "مخارق، انھی لوگوں کے ساتھ زندگی کا مسرور رہنے کا، اور اٹھنے بیٹھنے کا لطف ہے، یہ دیکھ چھ لاکھ درہم، ایک لاکھ کی جائداد، اور ساٹھ ہزار درہم تیرے، یہ سب میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے حاصل کر لیے، ایسے قدردان قسمت ہی سے ملتے ہیں!"

---

(۱۳) مغنّی اور شاہزادے کی جھڑپ!

حمّاد، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں (اسحٰق موصلی) خلیفہ ہارون رشید کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، خلیفہ کے اِرد گرد مصاحبوں، ندیموں، اور

رفیقوں کا جمگھٹ تھا، انھی لوگوں میں ابراہیم بن مہدی بھی تھا، مجھ سے ہارون رشید نے کہا، "اسحٰق! کچھ سناؤ!" میں حکم بجالایا، ابراہیم بن مہدی نے مجھ سے کہا، "اسحٰق، یہ بھی کوئی گانا تھا؟" میں نے جواب دیا، "یہ وہ فن نہیں ہے جو جناب کی تحسین و تعریف کا متحمّل ہو سکے، اگر آپ کو امتحان منظور ہے تو بسم اللہ آپ بھی گائیے، اگر ذرا بھی بڑھنے دوں تو اپنا خون معاف کرتا ہوں" پھر میں امیرالمومنین کی طرف مخاطب ہوا، میں نے عرض کیا، "یا امیرالمومنین یہ جو کچھ بھی ہے میرا اور میرے باپ کا فن ہے، اسی فن کی بدولت ہمیں حضور سے تقرّب حاصل ہوا، حضور نے ہمیں اپنی خدمت پر مامور فرمایا، گویا ہماری رسائی فرش سے عرش تک ہو گئی، اب اگر کوئی شخص بے جانے بوجھے ہم سے جھگڑے تو ہمارے لیے مدافعت اور تشریح لازم ہو جاتی ہے" امیرالمومنین نے فرمایا، "ہاں، ہاں، تم کوئی خیال مت کرو۔"

کچھ دیر کے بعد خلیفہ اُٹھ کر چلا گیا، ابراہیم بن مہدی نے مجھ سے کہا، "تیری یہ جرأت کہ مجھ پر زبان کھولے؟" یہ سُن کر مجھ میں یارائے ضبط نہ رہا، میں نے کہا، "آپ نے مجھے بُرا بھلا کہا، لیکن میں آپ کو جواب دینے پر قادر نہیں، آپ ٹھہرے خلیفہ کے بیٹے، اور خلیفہ کے بھائی، اگر آپ کو یہ خصوصیت حاصل نہ ہوتی، تو میں بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا، اگر میں بھی برابر کا جواب دوں، تو آپ کے ماموں کا بھی ذکر کروں، ان کے پیشے[1] کا بھی بیان کروں ـــ" یہ سب کہہ کر میں خاموش ہو گیا، پھر میں نے دل میں خیال کیا، یہ خلیفہ سے بے میری شکایت کیے نہ مانے گا، میں نے خیال کیا کہ اب تلافی کی کوئی صورت نکالنا چاہیے، اس لیے میں نے کہا، "آپ کو شاید

---

[1] کہتے ہیں وہ سلوتری تھا!

یہ گمان ہو کہ خلافت آپ کی طرف منتقل ہو گی، اسی لیے آپ ہمیشہ مجھے اور نیز دیگر خیر خواہانِ دولت کو دھمکاتے رہتے ہیں، لیکن مجھے خدا سے امید ہے کہ خلافت رشید، اور اس کی اولاد ہی کے ہاتھ میں رہے گی، اور اگر خدا نخواستہ کسی طرح آپ خلیفہ بن گئے، تو اس دن سے زندگی میرے لیے حرام ہو جائے گی، اور موت زندگی سے کہیں زیادہ خوش گوار ہو گی، تب آپ کا جو جی چاہے کر لیجیے گا"

جب ہاروں رشید پھر مجلس میں جلوہ فگن ہوا، تو ابراہیم بن مہدی فوراً اٹھا، اور خلیفہ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، کہنے لگا، "یا امیرالمومنین، اسحٰق نے مجھے گالی دی، میری ماں کا بُری طرح ذکر کیا، مجھے شرمندہ اور ذلیل کیا" یہ سُن کر خلیفہ کا چہرہ وفورِ غضب سے تمتما اٹھا، اس نے مجھ سے پوچھا،

"اسحٰق! یہ سچ ہے؟"

"امیرالمومنین، حاضرین سے دریافت فرمایا جائے"

خلیفہ نے اپنے وفادار غلاموں، مسرور، اور حسین سے واقعہ دریافت کیا، دونوں نے بے کم و کاست ساری سرگزشت سُنانا شروع کی، میں دیکھ رہا تھا، خلیفہ کا چہرہ جوشِ غضب سے سُرخ ہوا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ دونوں خلافت کے ذکر تک پہنچے، خوشی سے خلیفہ کا چہرہ دمک اٹھا، امیرالمومنین نے ابراہیم سے کہا، "اسحٰق کی کوئی خطا نہیں ہے، تم نے اسے بُرا بھلا کہا، اس نے تمھیں جتا دیا کہ وہ تمھارے جواب پر قادر نہیں ہے، چلو، اپنی جگہ بیٹھو"

جب مجلس برخاست ہو گئی، اور لوگ اُٹھ اُٹھ کے جانے لگے، امیرالمومنین نے مجھے حکم دیا کہ بیٹھا رہوں، یہاں تک کہ سب لوگ چلے گئے اور میں اکیلا باقی رہ گیا اب میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا

ہونے لگے، امیرالمومنین نے کہا، "اسحٰق! تم سمجھتے ہو میں تمھاری باتوں کی تہ تک نہیں پہنچا؟ خُدا کی قسم تم نے ابراہیم کو گالیاں دیں، اب تم ہی سوچو کہ اگر وہ تمھاری جان لے لے تو کیا میں اس سے تمھارا بدلہ لے سکوں گا؟ نادان، اگر وہ اپنے غلاموں کو حکم دے، اور وہ تجھے قتل کر ڈالیں تو کیا میں تیرے بدلے میں اسے قتل کرسکوں گا؟" میں نے کہا، "یا امیرالمومنین، آپ نے ان باتوں سے مجھے قتل کروا دیا یہ باتیں کہیں ابراہیم سُن لے، تو مجھے ذبح ہی کر ڈالے گا، اور مجھے اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ کسی نہ کسی طرح ابھی یہ باتیں اس تک پہنچ جائیں گی۔ خلیفہ نے یہ سُن کر مسرور کو حکم دیا، ابراہیم کو ابھی لے کر آؤ۔ خلیفہ نے اس سے کہا، "تمھیں کیا حق تھا کہ تم نے میرے خادم، میرے ندیم، میرے رفیق کو میری مجلس میں ذلیل کیا؟ تم نے میرے سامنے سخت کلامی کی، میرے سامنے اسے حقیر کیا، تم کیا جانو گانا کسے کہتے ہیں؟ ذرا کچھ سیکھ لیا، اور اپنے تئیں فاضلِ دوراں سمجھنے لگے؟ کیا یہ بات تمھاری کم سوادی پر دال نہیں ہے؟

خلیفہ نے پھر کہا، "خُدا کی قسم، اس کے رسُول کی قسم اگر کسی نے اسحٰق کو گزند پہنچایا، یا اس پر مکان کی چھت گر پڑی، یا دفعتہً وہ مر گیا، تو یہ یاد رکھو، تمھیں بے قتل کیے نہیں چھوڑوں گا، اتنا میں جتائے دیتا ہوں، آگے تم جانو اور تمھارا کام"

ابراہیم وہاں سے اٹھا، یہ معلوم ہوتا تھا اسے موت گھسیٹے لیے جا رہی ہے۔

ایک روز میں خلیفہ کے حضور میں حاضر تھا، ابراہیم بھی بیٹھا تھا، خلیفہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے پھر مجھے دیکھا، مُسکرایا، پھر ابراہیم سے کہا،

عزیز بیں جانتا ہوں تمھیں اسحٰق سے اُنس ہو، تم اس سے سیکھنا چاہتے
اس کا حق پہچانو، پھر اسحٰق تم سے آنکھیں پھیرے تو خود اپنے حق
نٹے بوئے گا" پھر مجھ سے ارشاد ہوا، "اسحٰق اٹھو، اپنے آقا کے پاس
بنے آقا اور آقا زادے کی پیشانی چومو" اس طرح ہارون نے ہمارے
لح کرادی!

---

(۱۴) راگ کی چوری!

ایک روز خلیفہ ہارون رشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا، ایک طویل
رگیا، اپنے مخصوص مغنّیوں کا گانا ہم سُن رہے ہیں، طبیعت اُکتا گئی،
رگ آپس میں چند گویّوں کو بانٹ لیں، ہر گویّے کے مقابلے میں ایک
عا جائے، پھر دیکھیں کون بازی لے جاتا ہو؟

اس قرارداد کے مطابق ابنِ جامع خلیفہ کے حصّے میں پڑا، اور ابراہیم
جعفر کے پلّے میں، دربار کے سر برآوردہ اصحاب ان دونوں کا امتحان
پر مامور ہوئے، ہارون نے ابنِ جامع کو حکم دیا، اس نے ایک راگ
رایسا سُنایا کہ ساری مجلس پر سنّاٹا چھا گیا، رشید بے انتہا خوش ہوا،
موصلی سے کہا، "اب تم یہی راگ سُنا سکتے ہو؟" ابراہیم بولا،
میرالمومنیں میں یہ راگ نہیں جانتا" رشید نے جعفر سے کہا "یہ پہلی
تمھیں ملی"، پھر اسمٰعیل بن جامع کو حکم دیا: "شروع کر" اب ابنِ
نے دوسرا راگ الاپا، یہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ بہتر و برتر تھا، رشید
ہیم سے کہا، "کہو ابراہیم! اسے گاؤ گے؟" ابراہیم نے پھر معذرت

کی، خلیفہ نے کہا، "جعفر تمھیں دو ہزیمتیں اٹھانا پڑیں"——— ابن جامع! تیسرا راگ شروع کرو!" اب پھر ابن جامع نے شروع کیا، یہ تیسرا راگ پہلے دونوں راگوں سے بھی کہیں زیادہ بڑھا چڑھا تھا، خلیفہ نے ابراہیم سے کہا، "اب کیا کہتے ہو؟" ابراہیم نے پھر معذوری ظاہر کی

جعفر نے ابراہیم سے کہا، "کم بخت تو نے مجھے بہت ذلیل کیا" خلیفہ نے ابنِ جامع کو، بہت سے انعامات و تحائف عطا فرمائے، خلعتِ فاخرہ دیا، ابراہیم سرنگوں بیٹھا یہ سرفرازیاں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ مجلس برخاست ہوگئی

ابراہیم اپنے گھر پہنچا، اور اسی وقت آدمی بھیج کر محمد زف کو بلوایا، یہ بھی بہت اچھا گویّا تھا، اور دوسرے کے راگ تابڑ توڑ نقل کر لینے میں تو اسے کمال حاصل تھا، ایک مرتبہ کوئی راگ کسی کا سُن لے، بس وہ حفظ! رشید کسی بات پر اس سے خفا تھا، اس لیے اس کو اس کے گھر میں نظر بند کر دیا تھا، ابراہیم نے محمد سے کہا، "میں نے تمھیں ایک خاص کام کے لیے منتخب کیا ہے، تمھارے سوا کوئی اسے نہیں کر سکتا، کہو کیا کہتے ہو؟ کروگے؟" "آپ کی محبّت و شفقت مجھ سے ہر کام کرا لے گی" ابراہیم نے اُسے سارا ماجرا سُنایا، اور کہا، "میں چاہتا ہوں تم اس وقت ابنِ جامع کے پاس جاؤ، اور اس پر ظاہر کرو کہ مجھ پر اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر مبارک باد دینے آئے ہو، پھر میری خوب بُرائیاں کرو، جہاں تک ہو سکے گِن گِن کر میرے عیب نکالو، جب وہ ڈھرّے پر آجائے، تو اس کے خاص راگ اس سے سُنو، انھیں بر زبان کر لو، ـ پھر جو کچھ مال و دولت مجھ سے چاہو گے میں دوں گا، خلیفہ کو بھی تم سے راضی کرا دوں گا، یہ میرا ذمّہ ـ"

ابراہیم سے پٹّی پڑھ کر محمد — ابن جامع کے ہاں روانہ ہوا، وہاں پہنچا، سلام کیا، اور کہا، "مجھے آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا، بے حد مسرت ہوئی، مبارک باد دینے حاضر ہوا ہوں، خدا کا شکر ہے اس نے آپ کے ہاتھوں ابراہیم کو ذلیل کیا" ابنِ جامع نے کہا

"تمھیں یہ خبر مل چکی ہے؟"

"سارے شہر میں پھیل چکی ہے"

"ابراہیم تو اب نظروں سے گر گیا ہوگا؟"

"بالکل!"

محمد نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا، "استاد کچھ مجھے بھی سکھائیے، میرے کان بھی آپ کی زبان سے کچھ سُن لیں، تاکہ مجھے یہ شرف حاصل ہو جائے کہ میں نے آپ کو سُنا ہے، آپ سے روایت کرتا ہوں، میرا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے ابن جامع یہ باتیں سُن کر پھول گیا، خوشی کے مارے محمد زف کو کھانا کھلایا، بہترین شراب پلائی، خود بھی پی، پھر ترنگ میں آکر اپنا راگ سُنایا، محمد بھی اسی کی لے میں اپنی لے ملانے لگا، یہاں تک کہ اسے ازبر کرلیا، پھر دوسرے راگ کی فرمائش کی، اسے بھی اس نے یاد کرلیا، اسی طرح تیسرا راگ بھی حفظ کرلیا، جب یہ تینوں راگ وہ یاد کرچکا، تو کہنے لگا،

"استاد میری آرزو پوری ہوئی، اب اجازت ہو تو جاؤں؟"

"اچھا تم جا سکتے ہو!"

محمد زف، ابنِ جامع کے ہاں سے نکل کر، سیدھا ابراہیم کے ہاں پہنچا، اس نے پوچھا، "کہو کیا خبر لائے؟"

"جو آپ چاہتے تھے"

محمد نے ایک ایک کر کے تینوں راگ سُنا دیے، ابراہیم نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا، محمد تو اپنے گھر چلا گیا، دوسرے دن ابراہیم خلیفہ کے دربار میں پہنچا، جب گویوں کی طلبی ہوئی، یہ بھی پہنچ گیا، خلیفہ نے کہا، "اب بھی تم اپنے تئیں اپنی جگہ بیٹھنے کا مستحق سمجھتے ہو، حالاں کہ ابنِ جامع سے ہار چکے ہو؟ تم کو کم سے کم ایک مہینے تک شرم کے مارے گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیے تھا۔

"اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟"

"کہو"

"میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کو کسی بات میں خوش دیکھوں اور پھر اس کے خلاف کروں، میں جان رہا تھا ابنِ جامع آپ کے حصّے میں آیا تھا، پھر میں کیسے برابری کرتا؟ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دُنیا میں کوئی راگ ایسا نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں، یا نہ گا سکتا ہوں"، خلیفہ نے کہا، "یہ باتیں چھوڑو، ابھی کل تو تم اپنی نارسائی کا اقرار کر چکے ہو، اگر وہ غلط تھا، تو اب سہی، سُناتے ہو؟" ابراہیم ابنِ جامع کے راگ کو الاپنے لگا۔ ابنِ جامع بڑی توجّہ سے کان لگائے سُن رہا تھا، اب اس سے ضبط نہ ہو سکا، کہنے لگا، "میں حلف اُٹھاتا ہوں کہ ابراہیم نے نہ یہ راگ خود ایجاد کیے ہیں، نہ کسی سے سُنے ہیں، میرے سوا ان کا کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے" ابراہیم نے کہا، "عجیب بات ہے، یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟" خلیفہ نے ابراہیم سے کہا، میں تمھیں اپنے سر کی قسم دیتا ہوں، سچ کہہ دو، معاملہ کیا ہے؟" ابراہیم نے کہا، "امیرالمومنین سچ تو یہ ہے کہ میں نے ابنِ جامع کو اسی کے داؤں سے زیر کیا ہے، میں نے اس کے پاس محمد کو بھیجا اور اسے اس بات کی ضمانت دی ۔ اگر وہ ابنِ جامع کو چرکہ دے کر اس کے راگ یاد کر لایا، اور مجھے ویسے

ہی کے ویسے سُنا دیے، تو میں امیرالمومنین کو اس سے راضی کر دوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، میں نے اس سے یہ راگ حاصل کر لیے، ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ راگ بہت قدیم زمانے کے ہیں، میں انھیں بالکل نہیں جانتا تھا۔"

رشید نے کہا "ابراہیم تم نے سچ کہا، پھر اس نے محمد زف کو طلب کیا اور اس کی خطا معاف کر دی!

ابراہیم نے کہا، "اگر مجھ پر یہ لازم آتا ہے کہ میں ابنِ جامع کے ہر راگ کو جانوں، تو اس پر بھی یہ لازم آتا ہے کہ میرا ہر راگ جانے، اسی طرح ہر گویے کو ایک دوسرے کے راگوں کا عالم ہونا چاہیے، اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اُترے تو اسے ذلیل کیا جائے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

رشید نے کہا، "ٹھیک کہتے ہو!" پھر مجلس برخاست ہو گئی!

---

(۱۵) یحییٰ برمکی کی فیاّضی!

احمد بن یحییٰ مکی بیان کرتے ہیں کہ فضل بن ربیع نے مجھے، علویہ اور مخارق کو بُلوایا جب ہم لوگ اس کے پاس پہنچے تو اس نے اسحٰق موصلی کو ایک رقعہ بھیجا، جس میں ہم لوگوں کے اجتماع کا ذکر کر کے اسے بھی اپنے پاس بلایا، اسحٰق نے جواب دیا:۔

"دستر خوان پر میرا انتظار نہ کیجیے، میں کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں، ایک گھنٹے کے بعد حاضرِ مجلس ہوتا ہوں۔"

یہ جواب پا کے ہم لوگ اکل و شرب میں مصروف ہوئے، اور عصر کے وقت تک کھاتے پیتے رہے، اتنے میں اسحٰق آیا، اس کے ساتھ اس کا

غلام بھی آیا، جو نبیذ کا ایک قرابہ لیے ہوئے تھا، غلام نے قرابہ ایک گوشے میں رکھ دیا، اسحٰق نے حکم دیا، "ہاں دور چلے" علویہ، فضل بن ربیع کو اس کا مرغوب اور پسندیدہ گانا سُنا رہا تھا، اسحٰق نے کہا، "میاں یہ راگ تم سے کچھ چلا نہیں، میں اس کی اصلاح کر دوں گا" یہ سُنتے ہی علویہ کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، بپھر ہی تو پڑا، اسحٰق نے اس کا یہ رنگ دیکھ کر کہا "دوست میرا مدعا یہ نہیں تھا کہ تمھاری سبکی کروں، میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ تمھاری غلطی کی اصلاح ہو جائے، اس لیے کہ تمھارے متعلق شہرہ ہے تم تال سُر کی غلطی نہیں کرتے، اور اگر میری یہ بات تمھیں بُری لگی تو اچھا بھائی تم خوب گائے" علویہ نے کہا، "جی نہیں، من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را" جو کچھ آپ فرما رہے ہیں، ہرگز آپ کا وہ مقصد نہیں تھا، بلکہ بات کچھ اور ہی ہے، اچھا یہ تو بتائیے، آپ اب تشریف لائے ہیں، حالاں کہ امیر (فضل بن ربیع) نے آپ کو سویرے بُلایا تھا، صبح آنا آپ کی شان کے خلاف تھا، آپ نہیں آئے، آپ اسے بھی بھول گئے، امیر نے آپ پر کیسے کیسے احسانات کیے ہیں،، آپ کے فوراً یہاں نہ آنے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہونی چاہیے تھی سوا اس کے کہ خلیفہ نے آپ کو یاد کیا ہوتا، اور آپ نہ آ سکتے ایک تو آپ اتنی دیر میں تشریف لائے، اور ٹھاٹھ یہ کہ ساتھ ساتھ نبیذ کا قرابہ بھی موجود، یہ بھی گویا ایک شان تھی کہ نہ امیر کے کھانے میں شریک ہوئے، اور نہ اس کی نبیذ چھوئی، بلکہ جس طرح بڑے چھوٹوں سے سلوک کرتے ہیں، آپ نے ایسا برتاؤ کیا، پھر جو راگ امیر کو پسند اور مرغوب تھا، جسے وہ اور حاضرینِ مجلس بڑی توجہ سے سُن رہے تھے، اس میں بھی آپ عیب نکالنے لگے، خدا کی قسم اگر فضل بن یحییٰ یا اس کے بھائی برمکی نے، بلکہ ان کے معمولی متوسلین

نے بھی آپ کو یاد کیا ہوتا، تو آپ فوراً پہنچتے، سویرے تڑکے پہنچتے، ذرا بھی دیر نہ کرتے، اور نہ کسی قسم کی معذرت پیش کرنے کی نوبت آتی۔

علویہ نے اسحٰق سے جس لب ولہجے میں یہ گفتگو کی، فضل بن ربیع نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، چُپ چاپ بیٹھا حیرت واستعجاب سے اس کی باتیں سُنتا رہا، اسحٰق نے کہا، "جہاں تک میرے دیر میں آنے کا تعلق ہے، امیر کو معلوم ہے بغیر کسی اہم توجہ کے میں ایسا نہیں کر سکتا تھا، اگر وہ میری یہ بات باور کرے تو خیر، ورنہ میں اسے تنہائی میں اس کی وجہ بھی بتادوں گا، لیکن تمھیں یا کسی اور کو اس معاملے میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے، رہ گیا، میری "شان" کا معاملہ سو بھلا میں امیر کو اپنی شان جتلاؤں گا، میں اس کا ممنون کرم ہوں، بندۂ احسان ہوں، جب سے یہاں آیا ہوں اسی کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزیں ہوں، یہ جو کچھ تم نے کہا، جلن میں کہا، میں اس کی پروا نہیں کرتا، نبیذ کی جو پوچھو تو صاف بات یہ ہے کہ میں خاص ذائقہ اور خوش لون کی نبیذ استعمال کرتا ہوں، اور بلا اس کے میں اچھی طرح گا نہیں سکتا، میں نے یہی سوچ کر نبیذ کا قرابہ اپنے ساتھ لے لیا، تاکہ عیش و سرور کی اس مجلس میں میں پورا حصّہ لوں بے شک میں نے تمھیں ٹوکا، خُدا جانتا ہے مقصد صرف یہ تھا کہ تمھاری اصلاح ہو جائے، آئندہ تم خواہ کتنی بڑی غلطی کیوں نہ کرو، مجھے کیا پڑی ہے، کبھی نہیں ٹوکوں گا، اب میں وہی تمھارا والا راگ گاتا ہوں، امیر کو بھی معلوم ہو جائے گا، تم بھی جان لوگے، اور حاضرین مجلس بھی باور کرلیں گے کہ تم نے غلطی کی برامکہ کا قصّہ بھی تم نے چھیڑا ہے، اور اُن سے میری وابستگی کا ذکر بھی کیا ہے، ساری دُنیا جانتی ہے کہ میں ان کا پروردہ اور ممنون منّت ہوں جس کا میں انکار نہیں کر سکتا، اور مستحق بلکہ معذور ہوں اگر

ان کے ان احسانات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جو انھوں نے مجھ پر روا رکھے، اگر میں ایسا کروں، تو خدا کی قسم جس کے وہ میری جانب سے مستحق ہیں اس سے یہ بہت ہی کم ہوگا۔"

پھر اسحٰق فضل (ابن ربیع) سے جو برامکہ کی تعریف اسحٰق کی زبان سے سُن کر چیں بر جبیں ہو چکا تھا، مخاطب ہوا، "سُنیے، برامکہ کا ایک احسان جو انھوں نے مجھ پر کیا اور جو ان احسانات میں جو وہ مجھ پر یا غیروں پر کیا کرتے تھے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، میں بیان کرتا ہوں۔ اگر آپ ان کے اس سلوک کی وجہ سے ان کے شکریہ کے لیے مجھے معذور سمجھیں تو خیر ورنہ پھر مجھے ملامت کیجیے، وہ یہ ہو کہ جب میں یہاں شروع شروع میں والد بزرگوار کے ساتھ اپنے غلاموں اور کنیزوں سمیت ٹھہرا، ہمیشہ میرے غلاموں اور ان کے غلاموں، میری کنیزوں اور ان کی کنیزوں میں جیسا کہ اس طبقے کا دستور ہی جھگڑا ہوتا رہتا تھا، ان لوگوں نے اپنے آقا سے شکایت کی، اس کے چہرے پر رکھائی اور بے اعتنائی دکھائی دی، مجبور ہو کر اس کے قریب ہی میں نے ایک دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا، اور اس میں منتقل ہو گیا۔ یہ گھر بہت وسیع اور کشادہ تھا لیکن اس کے لائق ساز و سامان میرے پاس نہیں تھا، میں فکرمند ہوا کہ اب کیا کروں؟ جیسے جیسے فکر بڑھتی گئی، خیالاتِ پریشان گھر کرتے گئے کہ لینے کو تو گھر کرایہ پر لے لیا، لوگ آئیں گے اور یہ بے سروسامانی دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ ان ہی خیالات میں میں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ گدھے پر ہمیار جامہ جمائے، تاکہ صحرا کی طرف نکل جاؤں، سیر و تفریح سے شاید طبیعت کچھ ہلکی ہو، غلام نے تعمیل کی، میں چپل پہن، چادر اوڑھ گدھے پر بیٹھ نکل کھڑا ہوا۔ فکر نے اب بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا، گدھا اپنی چال چل رہا تھا، مجھے

یہ بھی احساس نہیں تھا کہ کس راستے پر جا رہا ہوں ؟ یہاں تک کہ میں یحییٰ بن خالد برمکی کے دروازے پر پہنچ گیا، اس کے غلام میری طرف لپکے ، "کہاں جا رہے ہو ؟"

"وزیر یحییٰ سے ملنا چاہتا ہوں "

غلام نے اطلاع دی ، حاجب آیا ، اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا ، میں اپنے دل میں بہت شرمندہ تھا ، اگر یہ چادر اوڑھے اور چپّل پہنے اس کے حضور میں جاتا ہوں ، تو بے ادبی ہے ، اور اگر یہ کہتا ہوں کہ میں غلطی سے آگیا ، تو یہ اور بُری بات ہے ، اسی سوچ میں میں اس کے پاس پہنچ گیا ، یحییٰ نے مجھے دیکھا مُسکرایا ، اور کہا ،

"ابو محمدؔ[1] یہ کون سی دھج بنا رکھی ہے ؟"

"سُنیے ، سچ سچ کہوں گا "

"ضرور کہو"

میں نے ساری کتھا شروع سے آخر تک سُنا ڈالی ، یحییٰ نے کہا ، "کہتے تو سچ ہو ، اچھا یہ بتاؤ تمھاری فکر اب بھی باقی ہے ؟" میں نے کہا ، "نہ صرف باقی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ ہو گئی ہے " یحییٰ نے مجھے تسکین دی ، پھر غلام کو حکم دیا کہ خلعت لائے ، اسی وقت میں نے اسے زیب تن کیا ، پھر دستر خوان بچھانے کا حکم دیا ، میں نے خوب ڈٹ کر کھایا ، پھر نبیذ لائی گئی ، ہم نے جام پر جام چڑھائے ، یحییٰ بھی پیتا رہا ، پھر میں گانا سُناتا رہا ، اسی دوران میں قلم دوات اور کاغذ لانے کا یحییٰ نے حکم دیا ، چار رقعے لکھے ، میں نے خیال کیا شاید میرے لیے انعام و اکرام کا حکم بھی کسی رقعے پر ہوگا ، پھر اس نے

---

[1] اسحٰق موصلی کی کنیت !

اپنے وکلا (ایجنٹ) کو بُلایا، اور رُقعے ان کے حوالے کر دیے، وکلا چلے گئے، اور میں نے انعام و اکرام کے لالچ میں، اور زیادہ جی توڑ کے گانا شروع کیا، میں گاتا جاتا تھا، اور دل ہی دل میں، انعام و اکرام کی فہرست تیار کرتا جاتا تھا، شام ہوگئی، اور کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی، یحییٰ نے تکیے سے ٹیک لگائی اور سو گیا، میں اب کیا کرتا؟ واپس ہوا، کاندھے ڈالے اور سر جھکائے ہوئے دروازے پر پہنچا، جب گھر کے پاس پہنچا، میرا غلام آگے بڑھا کہنے لگا،

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"گھر اور کہاں؟"

"گھر کیسا؟ وہ تو بیچا جا چکا، مشتری دروازے پر بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے، بکنے کی نوگواہی بھی گزر گئی، ہاں صرف گھر ہی نہیں بکا، ساری گلی کی گلی بک گئی۔"

میں نے خیال کیا کہ شاید یہ سب کچھ سلطان کے لیے خریدا گیا ہوگا، اب میں گو مگو کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا، اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا، دیکھتا کیا ہوں، یحییٰ کا ایجنٹ کھڑا ہے، وہ میرے پاس آیا اور گویا ہوا، "اپنے گھر میں داخل ہو جیے، خُدا آپ کو برکت دے" میں خوش خوش اندر داخل ہوا، تو ایجنٹ نے یحییٰ کا فرمان سُنایا:—

"ابو محمد اسحٰق موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم سے وہ مکان خرید لیا جائے، جس میں وہ کرایہ دے کر رہتا ہے، مکان کے آس پاس جو زمین، جائداد، مکانات ہیں، وہ بھی خرید لیے جائیں اور اسے دے دیے جائیں"

اب ایجنٹ نے دوسرا فرمان سُنایا جو یحییٰ نے اپنے بیٹے فضل کے

نام بھیجا تھا،

"میں نے اسحٰق موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم منظور کیے ہیں، جن سے اس کے لیے مکان خریدا جائے گا، اتنی ہی رقم تم بھی اس کو دو، تاکہ جیسی چاہے اس کی ترمیم و توسیع کر سکے"

تیسرا فرمان، یحییٰ نے اپنے بیٹے جعفر برمکی کے نام لکھا تھا، جو حسب ذیل تھا:۔

"میں نے اسحٰق موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں تاکہ اس کے قیام کے لیے مکان خریدا جائے اور ایک لاکھ درہم تمھارے بھائی فضل سے دلوائے ہیں، تاکہ اپنی مرضی کے مطابق اس کی مرمّت وغیرہ کرا سکے، تم بھی اسے ایک لاکھ درہم دو، تاکہ وہ اپنے نئے مکان کا شایانِ شان ساز و سامان خرید سکے۔"

چوتھا فرمان، یحییٰ نے اپنے چھوٹے بیٹے، محمد کے لیے لکھا تھا جس میں فرمایا تھا:۔

"میں نے اسحٰق موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں اور دو لاکھ تمھارے دونوں بھائیوں نے دیے ہیں تاکہ اس کے لیے مکان فرش و فروش اور ضروری ساز و سامان خرید لیا جائے، ایک لاکھ درہم تم بھی اسے دو جسے وہ اپنے عام مصارف میں لائے گا۔"

ایجنٹ نے مجھ سے کہا، یہ سارا رُپیہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں، ستّر ہزار درہم میں، میں نے یہ مکان اور اس کے ملحقات خریدے ہیں، یہ دستاویزیں موجود ہیں جو میرے نام ہیں، لیکن جن میں یہ تصریح ہے کہ میں نے یہ سب کچھ آپ کے لیے خریدا ہے، خدا آپ کو برکت دے۔" میں نے سب چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں، اب میں اپنے والد سے بھی زیادہ فارغ البالی اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا۔" اب آپ ہی بتائیے برامکہ نے میرے ساتھ جو کچھ

کیا، گو ان کی دیگر بخششوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں ہو لیکن میں اس پر ان کی ممنونیت کا اظہار کروں، تو کیا مجھے ملامت کی جاسکتی ہو؟

فضل بن ربیع یہ باتیں سُن کر دفور تاثر سے رو پڑا، وہی نہیں بلکہ حاضرین مجلس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، سب نے بہ یک آواز کہا، "نہیں خدا کی قسم، تمھیں ملامت نہیں کی جاسکتی" پھر فضل نے قسم دے کر میرا گانا سُنا، گانا سُن کر علویہ کی بھی آنکھیں کھلیں، اُس نے اپنی غلطی محسوس کی، وہ اُٹھا، اسحٰق کی پیشانی چومی، اور کہا،

"آپ ہمارے استاد ابن استاد ہیں، ہم میں سے ہر ایک کی غلطی پر اسے ٹوکنے اور اس کی اصلاح کا آپ کو حق حاصل ہو"

---

(۱۶) ابراہیم موصلی اور ابلیس!

ابراہیم موصلی کا بیان ہو کہ میں نے ایک مرتبہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید سے التجا کی کہ ہفتے میں ایک دن مجھے رخصت کا مرحمت فرمایا جائے، اس دن کوئی شخص بھی میرے پاس نہ بھیجا جائے، نہ مجھے طلب کیا جائے تاکہ ایک دن تو فراغت سے میں اپنے دوستوں اور عزیزوں سے مِل جُل سکوں۔ خلیفہ نے میری یہ درخواست منظور کرلی، سنیچر کا دن میری چھٹی کا مقرر کردیا۔

اب جو سنیچر کا دن آیا، تو میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا، اور اپنے کھانے اور شراب کا بہتر طریقے سے بندوبست کیا، میں نے دربان کو حکم دیا کہ دروازہ بند کردے، ساتھ ہی ساتھ تاکید کردی کہ کسی کو میرے پاس آنے نہ دے پھر میں اپنے کام میں لگ گیا، نوکر اپنا کام کر رہے تھے، اور باندیاں اپنے

کام میں لگی ہوئی تھیں، اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مردِ بزرگ جن کے چہرے سے وقار اور جمال ٹپک رہا تھا، تشریف لا رہے ہیں، حلیہ مبارک بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، دو چھوٹے چھوٹے چرمی موزے پہنے ہوئے صاف کپڑے کی قمیص زیب تن، سر پر ایک چھوٹا سا عمامہ، اور ہاتھ میں ایک چھڑی، جس کی موٹھ پر چاندی مڑھی ہوئی تھی، خوش بو کے تو بھپکے نکل رہے تھے، میرا سارا گھر معطر ہو گیا، ان حضرت کو دیکھ کر میں غصّے کی وجہ سے بے قابو ہو گیا، میں نے ارادہ کر لیا کہ دربان کو الگ کر دوں گا، جس نے میری نافرمانی کی، اور اس بڈّھے کو یہاں آنے دیا۔ اس نے میرے قریب آکر، شائستگی سے سلام کیا، میں نے جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ بیٹھ گیا، پھر اس نے قصص و روایات کا سلسلہ شروع کیا، عربوں کے حرب و پیکار کی تاریخ سنائی، ادبی چٹکلوں اور نظم و شعر کا سلسلہ باندھا، اس کی یہ دلچسپ باتیں سُن کر میرا غصّہ کافور ہو گیا۔ میں نے خیال کیا شاید میری دل بستگی کے لیے، خُدّام نے اسے منتخب کیا ہو گا، میں اب اس کی زیادہ خاطر داری کرنے لگا، میں نے پوچھا، "کھانا حاضر کیا جائے؟"

"نہیں"

"شراب"؟

"جیسی مرضی ہو"

میں نے ایک پیالہ پیا، اور پیر مرد کو بھی ایک پیالہ پلا دیا، پھر اس نے کہا، "اسحٰق اپنا گانا سناؤ گے؟ وہ گانا جس نے خاص و عام سے خراج تحسین حاصل کیا ہے؟" پہلے تو مجھے اس کی یہ فرمائش بڑی معلوم ہوئی، پھر کچھ سوچ کے میں نے عود اٹھایا، تاروں کو ٹھیک کیا، اور گانا

شروع کر دیا، اس نے کہا، "ابراہیم! بہت خوب، واہ کیا کہنا!" میں دل میں غصے ہوا کہ ایک تو یہ بلا اذن میرے گھر میں گھس آیا، پھر اس نے مجھ سے گانے کی فرمایش کی، اور اب بلا کنیت کے میرا نام لے کر داد دے رہا ہے، اس کو خطاب کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ اتنے میں اس نے پھر کہا کہ کچھ اور سناؤ، میں عود اٹھا کر پھر گانے لگا، اب اس نے کہا، "ابو اسحٰق تم خوب گائے۔ اچھا اب ایک راگ اور سنا دو میں تمھارا بدلہ ادا کردوں گا" چوں کہ وہ بدلہ دینے کو کہہ چکا تھا، اس لیے تیسری بار پھر میں جی توڑ کے گایا، ایسا کہ شاید ہی خلیفہ کے سامنے بھی میں نے کبھی ایسا گایا ہو، وہ بہت خوش ہوا، اور جی کھول کے داد دی، پھر کہا، "کیا تم اپنے خادم کو گانے کی اجازت دو گے؟" میں نے دل میں تو برا مانا کہ اس کی عقل ماری گئی ہے، میرا گانا سن چکا پھر بھی میرے سامنے گانے پر تلا ہوا ہے، لیکن رضامندی ظاہر کردی، اس نے عود اٹھایا، اس کے تار درست کیے، پھر گانے لگا، میں دنگ رہ گیا، سچ کہتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار، صرف در و دیوار نہیں، سارا گھر، بلکہ گھر کی ہر چیز جھوم رہی ہے، وجد کر رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ گا رہی ہے، مجھے تن بدن کا ہوش نہیں تھا، بھوت بیٹھا ہوا سن رہا تھا، نہ بات کر سکتا تھا، نہ جواب دے سکتا تھا، نہ حرکت کر سکتا تھا، وہ گا رہا تھا۔

"میرے پاس ایک فگار و مجروح دل ہے، ہے کوئی جو صحیح و سالم دل میرے ہاتھ بیچے؟

نہیں، اس سودے پر کوئی راضی نہیں ہوتا، کون ہے جو کھوٹی چیز، کھری چیز دے کے لے لے؟"

پھر اس نے ایک دوسرا شعر اسی لَے میں پڑھا، قریب تھا کہ فرطِ حیرت سے

میں پاگل ہو جاؤں'!

جب وہ گا چکا تو اُس نے کہا، " ابراہیم اسے غنار " ماخوری" کہتے ہیں اسے سیکھ لو، اور اپنی باندیوں کو بھی سکھا دو، میں نے کہا،" اچھا، زرا دُہرائیے تو سہی "

" اس کی ضرورت نہیں، تم نے سیکھ لیا اور کامل ہو گئے "

پھر دفعتاً وہ پیرِ مرد میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا، میں کچھ جھجک سا گیا، تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا، میان سے نکالا، اور دروازے کی طرف لپکا، لیکن دروازہ بدستور بند!

میں نے اپنی باندیوں سے کہا،" میرے پاس تم نے کوئی اور آواز سُنی تھی؟"

"ہاں کیوں نہیں، ایسی اچھی آواز کہ زندگی بھر نہ سُنی ہوگی"

میں حیران و پریشان باہر پہنچا، اور دربان سے پیرِ مرد کے بارے میں دریافت کیا، اُس نے کہا " کون پیرِ مرد؟" میں واپس آگیا، اور سوچنے لگا یہ ماجرا کیا تھا؟

اسی سوچ میں تھا کہ آواز آئی:- " کوئی ہرج نہیں، ابو اسحٰق! میں ہوں ابلیس، میں ہی آج تمہارا جلیس و ندیم تھا، گھبراتے کیوں ہو؟"

میں فوراً ہارون رشید کے محل پہنچا، اور کہا، " ایسا عجیب و غریب واقعہ کاہے کو کبھی مجھ پر گزرا ہوگا؟ پھر میں نے شروع سے آخر تک سارا قصّہ سُنایا، امیرالمومنین نے کہا "کم بخت زرا فکر تو کر، وہ راگ یاد بھی رہا؟ میں نے عود اُٹھالیا، امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو راسخ ہو چکا ہے، ایسا کہ اب شاید ہی کبھی محو ہو۔

رشید راگ سُن کر بہت خوش ہوا، مجلس جمی، شراب کا دوْر چلا، اور میں انعام سے مالا مال کر دیا گیا۔

---

(۱۷) ایک فریبی

ابو عبیدہ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عاصی نے مدینے میں کچھ لوگوں کو شام کے کھانے کی دعوت دی، لوگ باری باری سے آ رہے تھے، اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ رہے تھے، اتنے میں سعید نے دیکھا کہ دسترخوان پر ایک بدصورت اور کریہہ منظر شخص داستان گویوں کی صف میں بیٹھا ہوا ہے، چند نائک اسے اُٹھانے کے لیے بڑھے لیکن اس نے اُٹھنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر سعید نے نائکوں سے کہا، "اس آدمی کو چھوڑ دو"۔ نائکوں نے چھوڑ دیا۔ پھر اشعار و ادب پر گفتگو چھڑی اور بڑی دیر تک جاری رہی۔

حطیہ[۱] نے کہا، اتنی دیر سے یہ سلسلہ جاری ہے لیکن اب تک تم میں سے کسی نے بھی کوئی اچھا شعر پڑھا، اور نہ کسی اچھے شاعر کا ذکر کیا۔ سعید نے کہا "تمھیں بھی اس فن سے کچھ مس ہے؟"

"کیوں نہیں؟"

"اچھا بتاؤ، عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟"

"وہ جس کا یہ شعر ہے:-

---

[۱] حطیہ لقب ہے، پورا نام جرول بن اوس ہے، اس کا شمار متقدمین کے چوٹی کے شعرا میں ہوتا ہے۔ اسے جملہ اصنافِ شعر میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، مدح، ہجو، فخر اور نسیب کا تو امام تھا ساتھ ہی ساتھ فتنہ خو بھی تھا، مخضرم تھا، یعنی جاہلیت اور اسلام کا دور دیکھ چکا تھا، کنیت ابو ملیکہ تھی،

"مال و زر کی کمی، میری نگاہ میں فقر نہیں ہے، فقر اور غربت تو اس شخص کا مرجانا ہے، جسے تو نے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا" سعید نے پوچھا، "یہ کس کا شعر ہے؟"

"دوا دالا یادی کا"

"اچھا اس کے بعد کس شاعر کا درجہ ہے؟"

"اس کا جس نے کہا ہے:-

"تو جو کچھ چاہے پالے، ممکن ہے کہ مل جائے، لیکن یہ حقیقت ہے کبھی بڑے سے بڑا داناو بینا بھی مبتلائے فریب ہو جاتا ہے"

"یہ کس نے کہا ہے"؟

"عبید بن الابرص نے"

"اس کے بعد"

"اس کے بعد؟ خدا کی قسم یہ خاک سار آپ کو کافی ہے، خواہ آپ ملول ہوں یا شاد کام۔ اتنی دیر میں کہ میں اپنا ایک پانو دوسرے پانو پر رکھوں، قوافی اور مضامین اس طرح میرے پاس آتے ہیں جیسے اونٹنی کے پاس اس کا پیاسا بچہ"

"تم ہو کون؟"

"حطیہ"

سعید نے سرو قد کھڑے ہو کر اسے مرحبا کہا، اور کہا، "آپ نے بڑی زیادتی کی کہ اپنے تئیں ساری رات ہم سے چھپائے رکھا"، پھر اسے خلعت اور انعام سے سرفراز کیا،

پھر حطیہ وہاں سے عتیبہ بن النہاس العجلی کے پاس پہنچا، اور اس سے کچھ روپیہ طلب کیا، اس نے کہا، "میں والی نہیں ہوں اس لیے تمھیں

کچھ نہیں دے سکتا، نہ میرے پاس فالتو روپیہ ہے۔ ہو تو اپنے لوگوں کو دوں، تمھیں کہاں سے دوں ؟" "کوئی مضائقہ نہیں"، یہ کہہ کر حطیئہ وہاں سے چل دیا، اس کے جانے کے بعد بعض حاشیہ نشینوں نے کہا، "آپ خود بھی بڑے پھنسے اور ہمیں بھی پھنسایا"

"یہ کیوں کر ؟"

"آپ سمجھے یہ کون تھا؟ یہ حطیئہ تھا، اگر ہجو پر اُتر آیا تو نہ معلوم کیا کیا بک جائے گا"

اب تو عتیبہ گھبرایا، آدمی دوڑایا کہ حطیئہ کو بلا لائے، جب وہ آگیا، تو عتیبہ نے کہا، "آپ نے اپنے تئیں چھپایا کیوں؟ آیئے بیٹھیے آپ کے ارشاد کی بسرو چشم تعمیل کی جائے گی" حطیئہ بیٹھ گیا، عتیبہ نے پوچھا،

"آپ سب سے بڑا شاعر کسے سمجھتے ہیں ؟"

"اسے جس نے کہا ہے:-

"جو شخص اپنی آبرو کے بچاؤ کے لیے بظاہرہ جود و کرم نہیں کرتا، گویا وہ خود ہی اپنی رسوائی کا سامان بہم پہنچاتا ہے، اور جو شخص گالی سے بچنے کی کوشش نہ کرے گا، اسے گالی دی ہی جائے گی"

عتیبہ نے کہا، "آخر نیش زنی شروع ہی کر دی ؟" پھر اپنے ایجنٹ سے مخاطب ہوا، اور کہا، "انھیں بازار لے جاؤ، جو کچھ یہ پسند کریں خرید دو" اس نے حطیئہ کو بازار لے جا کر ریشم اور حریر کے اچھے اچھے کپڑے دکھلائے مگر اس نے ان کو پسند نہ کیا۔ موٹے سوتی کپڑے لیے۔

جب عتیبہ اپنی مجلس میں بیٹھا تو حطیئہ بھی آیا، عتیبہ نے کہا، "ابو ملیکہ خدا

تمھاری مدح و ذم سے پناہ میں رکھے" حطیئہ نے کہا، "میں نے دو شعر کہے ہیں وہ تو سُن لیجیے :-

"تجھ سے سوال کیا گیا مگر نہ تو نے بخیلی کی اور نہ زیادہ دیا،
اس لیے نہ تو مذمت کا مستحق ہو، نہ تعریف کا سزاوار۔ تو ایک
ایسا شخص ہو جس کی عادت بخشش کی نہیں ہو کہ لوگوں کو
دیتا رہے اور کرم کے لیے صرف دولت مند ہونا ہی کافی نہیں"

یہ اشعار سُنا کر حطیئہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور یہ جا وہ جا!

---

(۱۸) یزید بن عبدالملک کی قدردانی!

ابن کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک سال عمر بن ربیعہ[۱] حج کے ارادے سے چلا، اعلیٰ قسم کے ایک بہترین گھوڑے پر بیٹھا، گھوڑا مہندی سے رنگا ہوا تھا، زین پر ایک زر نگار کپڑا پڑا تھا، عمر کے ساتھ عبید بن سریج بھی تھا، یہ ایک اچھے سے خچّر پر سوار تھا، عمر کا غلام جنّاد، اپنے گھوڑے پر ساتھ ساتھ چل رہا تھا، یہ گھوڑا سیاہ رنگ کا تھا، پیشانی سفید تھی، عمر بن ربیعہ نے اس کا نام کوکب رکھّا تھا، عمر کے ساتھ اس کے خادموں، مصاحبوں، اور حاشیہ نشینوں کی بھی

---

[۱] نام عمر بن عبداللہ بن ابی ربیعہ، مخزومی، کنیّت ابوالخطّاب، آغازِ اسلام میں پیدا ہوئے، عربوں میں خاندانِ قریش ہر اعتبار سے شرفِ تقدم رکھتا تھا، سوا شعر و سخن کے، یہاں تک کہ عمر بن ربیعہ پیدا ہوا، اور قریش کو یہ شرف بھی حاصل ہو گیا۔

عمر بن ربیعہ کا ایک دیوان جو تمام تر غزلیات پر مشتمل ہو، ۱۹۰۱ء میں لپزگ سے شائع ہو چکا ہو!

ایک جماعت تھی، وہ اس وقت ایک قیمتی یمنی حلّہ زیب تن کیے ہوئے تھا،
ابن سریج بھی ہرات کی بنی ہوئی دو قیمتی چادروں میں لپٹا ہوا تھا، یہ لوگ
بڑی آن بان سے اپنے راستے پر جا رہے تھے، جو بھی آیند و روند میں سے
انھیں اس جاہ و جلال کے ساتھ جاتے دیکھتا تھا وہ حیرت سے ٹھٹھک
جاتا اور انھیں دیکھنے لگتا، اس جماعت میں عمر سب سے زیادہ وجیہہ اور
خوب رو تھا، ہر وقت معطّر رہتا تھا، عصر کے بعد یہ لوگ مکّے سے منیٰ
کا ارادہ کر کے چلے۔

عمر نے ابنِ سریج سے کہا، "ابو یحییٰ مجھے فکر ہے کہ شام کو ہم مکّے واپس
کیوں کر ہوں گے، ہجوم کی کثرت، گرد و غبار، حاجیوں کی افراط، مجھے تو
اس خیال سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے، کوئی ایسی تدبیر سوچو کہ ہم سب
سے الگ تھلگ اپنا راستہ طے کریں، ساتھ ہی ساتھ مدینے سے آنے
والے، نیز اہلِ عراق اور اہلِ شام کے قافلوں پر بھی ہماری نظر پڑتی رہے
پھر اپنے اطمینان سے شام کا کھانا کھائیں، مزے سے رات گزاریں، اور
چین سے سوئیں" ابن سریج نے کہا، "ایسا کون سا راستہ ہو سکتا ہے؟"
عمر بن ربیعہ نے جواب دیا، "منیٰ کے درمیان وادی یاجج سے ذرا بلندی
پر کثیب ابی شحوہ جو مقام ہے! وہاں سے ہم آسانی کے ساتھ حاجیوں کا آنا
جانا دیکھ سکیں گے، مگر وہ ہمیں نہیں دیکھ پائیں گے" ابن سریج نے کہا،
"بہت ٹھیک، خوب راستہ آپ نے نکالا" عمر نے اپنے خدّام کو بلایا،
اور حکم دیا کہ مکان سے اکل و شرب کا سامان کثیب پہنچایا جائے، جب
ہم رمئ جمار[1] سے فارغ ہو کر ٹھنڈے ہو لیں گے تو کثیب آئیں گے، اور

---

[1] مناسکِ حج میں سے ایک رسم

وہاں اکل وشرب کا سلسلہ چلے گا، کثیب مدینے کے راستے پر مکّے سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک بلند مقام ہے، یہاں سے ایک راستہ شام کو جاتا ہے، اور ایک عراق کو۔

جب یہ لوگ رمیِ جمار سے فارغ ہو لیے تو کثیب پہنچے اور وہاں کھانے پینے میں مصروف ہو گئے، جب سیر ہو لیے تو ابنِ سریج نے دف اٹھایا، اور اسے بجا بجا کے گانا شروع کر دیا، عمر وغیرہ حاجیوں کا آنا جانا دیکھ رہے تھے، جب شام ہونے لگی تو ابنِ سریج نے اپنی آواز اور بلند کر دی، اور عمر بن ربیعہ کے شعر گانے لگا، ایک قافلے کے لوگوں نے جو یہ آواز سُنی، تو چند چلّا اُٹھے، "او میاں گانے والے، خدا سے ڈرو، لوگوں کو مناسک حج ادا کرنے سے گا گا کر کیوں روک رہے ہو؟" ابن سریج خاموش ہو گیا، اور وہ لوگ آگے بڑھ گئے، جب وہ دوُر نکل گئے تو ابنِ سریج نے پھر گانا شروع کیا، اب دوسرے لوگ جو ادھر سے گزرے وہ بھی ٹھٹھک گئے اور گانا سُننے لگے۔

اب رات ہو گئی، ایک شخص خوب صورت عربی گھوڑے پر ادھر سے گزرا، گانا سُنا، ٹھہر گیا، آواز دی، اے گانے والے میں ابھی جو کچھ سُن چکا ہوں کیا تو اسے دھرائے گا؟"

"ہاں ہاں بسروچشم، آئیے بیٹھیے، تشریف رکھیے"۔

"میں بہت جلدی میں ہوں، احسان ہو گا اگر کچھ سُنا دو" ابنِ سریج نے اپنا گانا دھرایا، سوار نے کہا:۔

"خدا کی قسم، ہو نہ ہو تم ابنِ سریج ہو"

"ہاں تم سچ کہتے ہو"

"اور یہ، عمر بن ربیعہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا"

"یہ بھی سچ، یہ عمر ابن ربیعہ ہیں"

"خُدا تمھیں سلامت رکھے"

"خُدا تمھیں بھی سلامت رکھے، تم نے ہمیں پہچان لیا، اور
ہم بھی تمھیں پہچان گئے"

"یہ ممکن ہی نہیں"

"خُدا کی قسم تم یزید بن عبدالملک ہو"

"ہاں میں یزید بن عبدالملک ہوں"

عمر لپک کر اس کے پاس پہنچا، تعظیم بجا لایا، ابنِ سریج بھی اپنی جگہ سے اٹھا اس کی رکاب کو بوسہ دیا، یزید بن عبدالملک نے اس سے کہا، "اگر میں وداعِ کعبہ کا ارادہ نہ کر چکا ہوتا، میرا ساز و سامان اور میرے غلام و خدام آگے نہ بڑھ چکے ہوتے تو میں تمھارے پاس ضرور کچھ دیر گزارتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے، صبح ہوئی اور لوگوں نے مجھے پہچانا، ایسا ہونا مناسب نہیں، تاہم میرا یہ حلّہ اور انگوٹھی لو، ان دونوں کی قیمت ڈیڑھ ہزار دینار ہے، یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دَم کے دَم میں اپنے خدم و حشم سے جا ملا،

ابن سریج یہ دونوں چیزیں عمر بن ربیعہ کے پاس لایا، اور اسے دے دیں، عمر نے اس کو تین سو دینار دیے۔

صبح کو دونوں جب مسجد میں پہنچے، لوگوں نے پہچان لیا، چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔ "یہ حلّہ دیکھتے ہو؟ ہو بہو یزید بن عبدالملک کا معلوم ہوتا ہے، اور انگوٹھی بھی ویسی ہی ہے" آخر لوگوں نے عمر سے سوال کیا، اس نے بتایا کہ خود یزید بن عبدالملک نے یہ چیزیں ابنِ سریج کو بخشی ہیں!

(۱۹) گویّے کا اخلاق!

اسحٰق روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے خلیفہ منصور کے غلاموں میں سے ایک بوڑھے غلام نے بیان کیا کہ موالی ابنی امیہ کے چند نوجوان ہمارے پاس آئے، یہ لوگ مکّے جا رہے تھے، معبد اور مالک کا گانا سُن کر یہ لوگ ان دونوں کے بڑے گرویدہ ہو گئے، پھر جب یہ مکّے پہنچے تو ابنِ سریج کی کھوج شروع کر دی، معلوم ہوا وہ بیمار ہے، اس کے ایک دوست کے پاس پہنچے اور التجا کی کہ کسی طرح وہ ابنِ سریج کا تھوڑا سا گانا سُنوا دے، اس نے انھیں اپنے ساتھ لیا، اور ابنِ سریج کے مکان پر پہنچا، ان نوجوانوں نے کہا، "ہم قریش کے نوجوان ہیں، آپ کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرنے حاضر ہوئے ہیں، ہماری تمنّا ہے آپ کی زبان سے کچھ سُنیں" ابنِ سریج نے جواب دیا، "تم دیکھتے ہو میں بیمار ہوں،" انھوں نے کہا، "یہ صحیح ہے، لیکن اگر آپ تھوڑا سا بھی سُنا دیں تو ہمارے لیے بہت ہے۔"

ابنِ سریج ایک بلند پایہ ادیب تھا، نہایت خوش خلق، لوگوں کی قدر و منزلت سے بھی واقف تھا، اس اصرار کے آگے اس نے اپنا سر جُھکا دیا، لونڈی کو آواز دی کہ "میرا کرتہ اور دف لاؤ" کرتہ اس نے اپنے منہ پر ڈھانپ لیا، وہ جب گاتا تھا ایسا ہی کرتا تھا تاکہ اس کا بدنما چہرہ بدمزگی نہ پیدا کرے، پھر اس نے عود اُٹھایا، اور گانے لگا۔ جب کچھ گا چکا تو عود الگ ڈال دیا، اور معذرت کرنے لگا، نوجوانانِ قریش نے کہا، "خدا آپ کا عذر قبول کرے، آپ کو شفاءِ عاجلہ مرحمت کرے، آپ نے طبیعت خوش

کردی"

گانا سُن کر یہ لوگ واپس ہوئے، تو راستے میں اسی کا چرچا رہا، واپسی میں جب مدینے پہنچے تو پھر معبد اور مالک کا گانا سُنا، لیکن اب وہ بات نہیں تھی، کچھ زیادہ خوش نہیں ہوئے، اور ان کا گانا ویسا نہیں بھایا جیسا پہلے بھاتا تھا۔

یہ رنگ دیکھ کر مدینے والوں نے کہا، "معلوم ہوتا ہے کہیں سے ابنِ سریج کا گانا سُن لیا ہے؟" انھوں نے کہا، "ہاں سُنا ہے، اور اب پچھلا سُنا ہوا ہیچ نظر آتا ہے۔"

(۲۰) بغاوت کی سزا!

عبداللہ بن قیس الرقیات[۱] کہتے ہیں، عبدالملک بن مروان پر مصعب بن زبیر نے خروج کیا۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا، جب مصعب بن زبیر ایک سکن پر پہنچے تو انھوں نے محسوس کیا کہ دھوکا کیا گیا ہے، انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اپنا سارا مال و اسباب جمع کیا، سارا مال پیٹی میں بھر دیا، اور وہ میری کمر میں باندھ دی، اور کہا، "جہاں چاہو چلے جاؤ، کیوں کہ میں تو بہر حال قتل کیا جاؤں گا" میں نے جواب دیا، "خُدا کی قسم میں تو نہیں جانے کا

[۱] رقیہ ایک مونث نام ہے، اس کی جمع رقیات ہے، اس نام کی اضافت قیس کی طرف اس لیے کی گئی کہ وہ اپنے اشعار میں انھی کی طرف گریز (تشبیب) کیا کرتا تھا، ابنِ قیس نے مصعب بن زبیر کے ساتھ عبدالملک پر خروج کیا، جب مصعب قتل کر دیے گئے اور عبداللہ بن زبیر بھی، تو قیس نے عبداللہ بن جعفر، بن ابی طالب کے پاس پناہ لی، انھوں نے عبدالملک سے سفارش کی، اس نے امن دے دیا۔

جب تک تمھارا اتنی تھمبو نہ ہو جائے"، میں انھی کے ساتھ رہنے لگا، یہاں تک کہ ایک روز وہ قتل کر دیے گئے۔

اس حادثے کے بعد میں کوفے کی طرف روانہ ہوا، سب سے پہلے جس گھر کے پاس سے میں گزرا، وہیں داخل ہو گیا، وہاں ایک عورت رہتی تھی، اس کی دو خوب صورت لڑکیاں بھی تھیں، معلوم ہوتا تھا ہرنیاں ہیں، میں کھٹا کھٹ بالا خانے پر چڑھ گیا، اور وہاں جا کر بیٹھ گیا، خاتون نے میرے لیے کھانے پینے کا فرش کا، اور وضو کے لیے پانی کا انتظام کر دیا۔ سال کا بڑا حصّہ اسی طرح رہتے سہتے گزر گیا، وہ میری ضرورت کی تمام چیزیں مہیّا کرتی تھی، ہر روز صبح سویرے میرے پاس آتی اور پوچھتی، "کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟" اس نے کبھی مجھ سے دریافت نہ کیا کہ میں کون ہوں، نہ میں نے کبھی اس سے سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ با ایں ہمہ میں اپنے دل کی چیخ سنا کرتا تھا، اور اس کا بدلہ ادا کرنے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا، جب وہاں رہتے ہوئے مجھے بہت مدّت گزر گئی، اور دل کی پکار بھی مدّھم پڑ گئی، تو مجھے اپنے گھر جانے کی سوجھی، ایک روز حسبِ معمول، صبح کو وہ میرے پاس آئی، اور پوچھا، "کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟" اس نے محسوس کر لیا میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔ کہنے لگی، "آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو گی انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا" جب رات نے اپنا ڈیرہ جما دیا، وہ میرے پاس آئی، اور کہنے لگی، "چلیے!" میں نیچے اُترا، تو دو کجاوے تیار تھے، اور ایک غلام بھی، خاتون نے غلام کو زادِ راہ دیا، اور کہا، "یہ غلام اور کجاوے آپ ہی کے ہیں"

میں سوار ہوا، رات ہوتے ہوتے ہم ایک حجازی گھر کے پاس پہنچے! صاحب خانہ نے پوچھا، "کون؟"

" عبداللہ بن قیس الرقیات "

گھر کے لوگ رونے لگے، کہنے لگے، " ہم نے تو اب تک تمھاری جستجو نہیں چھوڑی تھی " رات میں نے وہیں گزاری، صبح ہوئی میں اٹھا، اور میرے ساتھ وہ غلام بھی، ہم چل پڑے، مدینے پہنچے، شام کو میں عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے پاس گیا، وہ اپنے احباب کے ساتھ بیٹھے تھے، میں بھی جا کر انھی لوگوں کے پاس بیٹھ گیا، اور گھل مل کر باتیں کرنے لگا، جب دوست احباب رخصت ہو گئے، میں نے اپنا چہرہ کھولا، انھوں نے حیرت سے کہا،

" ابن قیس "؟

" ہاں "

پھر میں نے بتایا کہ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں، انھوں نے فرمایا، " تمھیں کتنا کتنا میں نے تلاش کیا، خیر، میں اب تمھارے بارے میں ولید بن عبدالملک کی بی بی، اور عبدالعزیز بن مروان کی لڑکی، امِ بنین کو لکھتا ہوں، اسے عبدالملک بہت مانتا ہے، انھوں نے امِ بنین کو ایک خط لکھا جس میں تاکید کی کہ وہ عبدالملک اپنے چچا سے میرے لیے امن حاصل کرے، نیز ایک خط عبدالعزیز بن مروان کو لکھا کہ وہ بھی میری سفارش کے لیے امِ بنین کو لکھیں۔

خط پہنچ گیا، عبدالملک امِ بنین کے پاس آیا، اور حسبِ معمول پوچھا

" کوئی خاص آرزو "؟

" جی ہاں، ایک آرزو ہے "

" ابنِ قیس الرقیات کے علاوہ جو بات کہو گی مانی جائے گی "

" بغیر پابندی کے اذن مرحمت ہو "

عبدالملک نے اس کے ایک تھپڑ لگایا، وہ گال پر ہاتھ رکھ کے رونے لگی۔

عبدالملک سے بھتیجی کی یہ حالت دیکھی نہ گئی، اس نے کہا، "بیٹی کہو کیا کہتی ہو؟" ابنِ قیس کی بھی اگر سفارش کروگی تو منظور کرلوں گا" اس نے کہا، "میں تو یہی چاہتی ہوں، کہ آپ ابن قیس الرقیات کو امان دے دیں، والد نے بھی مجھے خط لکھا ہے، اور تاکید کی ہے کہ میں آپ سے سفارش کروں"

"اچھا، اسے امن دیا گیا، اسے حکم دو کہ شام کو میری مجلس میں حاضر ہو"

جب شام کو عبدالملک کی مجلس گرم ہوئی، تو اور لوگوں نے بھی اور ابنِ قیس نے بھی اذنِ باریابی طلب کیا، اور لوگ تو فوراً بُلا لیے گئے۔ مگر ابنِ قیس کو بعد میں بُلایا گیا، جب ابن قیس اندر پہنچا تو عبدالملک نے کہا، "اے اہلِ شام! اس شخص کو جانتے ہو؟"

"ہم تو نہیں جانتے" آواز بلند ہوئی

"یہ عبیداللہ بن قیس الرقیات ہے، یہی ہے جس نے کہا ہے:-

"میں کیوں کر بستر پر آرام کی نیند سو سکتا ہوں جب کہ میں نے ابھی شام پر غارت گری نہیں کی ہے، ایسی غارت گری جو پیرانِ کہن سال کو ان کی اولاد سے غافل کردے اور شرمیلی دوشیزائیں اپنے پازیب چھوڑ کر باہر بھاگنے لگیں"

حاضرین مجلس نے کہا، "اس منافق کا خون ہمیں بخش دیجیے" "نہیں میں اسے امن دے چکا، وہ میرے گھر میں، میرے فرش پر بیٹھا ہے، میں نے اسے اذنِ باریابی دیر میں اسی لیے دیا کہ شاید تم اسے پہچان لو، اور قتل کردو، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا، اب وقت گزر چکا"

پھر ابن قیس الرقیات نے قصیدۂ مدحیہ پڑھنے کی اجازت طلب کی،

جو مل گئی :۔

پڑھتے پڑھتے جب وہ اِن اشعار پر پہنچا ،

"بے شک وہ روشن کارناموں والا انسان ہے، جس کا باپ ابوالعاصی ہے، اس کے چہرے پر وقار اور شاہی نقاب ہے، اس کے سر پر تاج موزوں ہے، وہ تاج ایسی پیشانی پر ہے جو سونے کی طرح چمک رہی ہے"

عبدالملک نے کہا، "کیوں ابنِ قیس میری مدح تاج کا ذکر کرکے کرتا ہے، گویا میں عجمی ہوں ؟ اور مصعب کی شان میں کہتا ہے :۔

" بلا شبہہ مصعب نورِ الٰہی کا ایک ٹکڑا ہے، جس سے تاریکی روشن ہو جاتی ہے"

" اس کی شہریاری عزّت اور سربلندی کی شہریاری ہے، جس میں نہ جبروت ہے، نہ کبریائی "

خیر امان تو تجھے مل چکی، لیکن مسلمانوں کو جو وظیفے بیت المال سے ملتے ہیں، ان میں تیرا حصّہ کبھی نہیں ہوگا"

ابنِ قیس الرقیّات نے عبداللہ بن جعفر سے کہا ،

" ایسی امان سے کیا فائدہ ؟"

"تمھاری عمر کیا ہے ؟"

" ساٹھ سال "

" تم اپنی عمر کا کیا اندازہ لگاتے ہو، کب تک جیو گے ؟"

" بیس برس اور سمجھیے گویا اسّی سال "

" تمھیں وظیفہ کیا ملتا تھا ؟"

"دو ہزار درہم سالانہ"
عبداللہ بن جعفر نے حکم دیا کہ چالیس ہزار درہم ابنِ قیس کو دے دیے جائیں، فرمایا "یہ رقم تمھاری وفات تک کافی ہوگی!"
اس صلے سے متاثر ہو کر ابنِ قیس نے ان کی مدح میں ایک زوردار قصیدہ کہا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

"میرا اونٹ ابنِ جعفر کی طرف رواں دواں جا رہا ہے، اس کے نزدیک رات دن (وفورِ شوق میں) ایک ہیں، تو ایسے شخص کی زیارت کرنے جا رہا ہے، جسے خُدا خوب جانتا ہے کہ لکھ لٹ ہے، ہم تیری ان چیزوں کی تعریف کرتے ہوئے آئے جن کا تو اہل ہے، جیسے باغ کے آس پاس کی (کلیاں اور بوٹیاں، سبزہ اور خود رو پتے) اس کی تعریف کرتی ہیں، اگر مجھے ابنِ جعفر کی زیارت کی خواہش نہ ہوتی تو میں دمشق میں بہت کم ٹھہرتا، جب تو مر جائے گا، تو دوستوں کے ساتھ ہمدردی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا، اور نہ احسان و سخاوت کی وہ شاہراہیں باقی رہ جائیں گی جن کے لیے تو مینار کا کام دیتا ہے، جب دریائے فرات میں طغیانی آتی ہے تو میں تجھ کو یاد کرتا ہوں، اور اس وقت بھی یاد کرتا ہوں جب رقمتین کے بالائی حصّے کی نہریں جوش مارتی ہیں، میرے پاس خُدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، جو کچھ ہے تیری ہی بخشش ہے"

یہ قصیدہ سب کی زبان پر چڑھ گیا۔

---

(۲۱) دربار کی سازش!

ابوسکیں روایت کرتے ہیں کہ حارث بن ماریہ غسانی، زہیر بن جناب الکلبی کا بہت اعزاز و احترام کرتا تھا، انھیں اپنی مجلس میں بٹھاتا، اور ان کی باتوں سے لطف اندوز ہوا کرتا۔ قبیلۂ بنی نہد بن زید کے دو افراد، حزن اور سہل بادشاہ (حارث بن ماریہ) کے پاس آئے، یہ دونوں رزاح کے بیٹے تھے، عربوں کے حکایات و قصص کے ماہر تھے، بادشاہ کے لطفِ خاص سے یہ سرفراز کیے گئے۔ ایک بہترین مکان میں ٹھہرائے گئے، زہیر کو حسد پیدا ہوا، ایک روز اس نے باتوں باتوں میں حارث سے کہا۔ ''منذر نے انھیں جاسوس بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے''

''ایسا نہیں ہو سکتا'' بادشاہ نے کہا۔ لیکن زہیر کب باز آنے والا تھا، آخر یہ روز روز کی سازش رنگ لائی۔ بادشاہ ان دونوں سے کھٹکنے لگا، اس کا معمول تھا کہ وہ جب کبھی باہر نکلتا دو اونٹ سواری کے لیے بھیج کر انھیں بھی اپنے جلو میں لے جاتا، ایک مرتبہ اس نے ایک ہی اونٹ بھیجا دونوں سمجھ گئے کچھ دال میں کالا ہے، کچھ دیر سوچ کر ان میں سے ایک نے کہا:۔

''اگر تم اس کے اوپر سواری نہیں کرو گے تو لوگ تمھیں اس کے اوپر چڑھا دیں گے، جس کی پیٹھ پر تم سوار ہو، اس سے کیوں کر بچ سکتے ہو''

پھر ایک ہی اونٹ پر بیٹھ کر دونوں روانہ ہوئے اور بادشاہ کے حکم کے مطابق

قتل کر دیے گئے،

ان دونوں کے قتل کے بعد بادشاہ نے معاملے کی تحقیق کی، تو ثابت ہوا کہ ان کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ تمام تر غلط تھے، بادشاہ نے زہیر کو بہت ڈانٹا اور اپنے ہاں سے نکال دیا۔

یہاں سے نکل کر زہیر اپنے قبیلے پہنچا۔ بادشاہ کے پاس مقتولین کا باپ رزاح آیا، یہ ایک پیر مردِ دانا تھا، زمانے کی اونچ نیچ سے واقف، بادشاہ نے اس کا اعزاز و اکرام کیا، اور اس کے مقتول بیٹوں کی دیت بھی دے دی۔

اُڑتے اُڑتے یہ خبر زہیر کو بھی پہنچی، اس نے اپنے بیٹے عامر کو بلایا، جو نوجوانانِ عرب میں زبان و بیان کے اعتبار سے ایک خاص پایہ رکھتا تھا۔ زہیر نے اس سے کہا، "رزاح بادشاہ کے پاس پہنچ چکا ہے، تم کسی طرح وہاں پہنچو، اور اس کا صفایا کراؤ، تم بادشاہ کے حضور میں میری خوب بُرائیاں کرنا" زہیر نے عامر کو خوب سکھا پڑھا کر روانہ کیا، وہ شام پہنچا، اور گھس بیٹھ کر بادشاہ تک بھی پہنچ ہی گیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"میں ہوں عامر بن زہیر بن جناب"

"خدا، تجھے اور تیرے مکار، جھوٹے، اور فریبی باپ کو غارت کرے"

"بے شک میری بھی دعا ہے، خدا اسے غارت کرے، یہ دیکھیے، جہاں پناہ، اس کے ظلم و ستم نے میری پیٹھ کا کیا حال کر دیا ہے؟"

یہ کہہ کے اس نے چوٹ کے نشانات دکھائے، بادشاہ کو ترس آگیا، اس نے عامر کو اپنے ندیموں میں شامل کر لیا۔

ایک روز عامر بیٹھا ہوا، بادشاہ سے باتیں کر رہا تھا، اس نے کہا، "بیشک

جہاں پناہ! میرا باپ بہت بُرا آدمی ہے لیکن میں حق کو چھپا نہیں سکتا۔ دراصل اُس نے آپ کی خیر خواہی کی تھی، مگر اس کی خیر خواہی رائگاں گئی"۔

یہ کہہ کر عامر خاموش ہو گیا، اور بات آئی گئی ہو گئی۔

کچھ عرصے کے بعد عامر نے کہا، "جہاں پناہ، آپ کا ایسے سانپ کے بارے میں کیا ارشاد ہے، جس کی دُم تو کاٹی جا چکی ہو، لیکن سر باقی ہو؟" بادشاہ نے کہا، "یہ تو تیرا باپ ہی ہو سکتا ہے، جس نے دو بے گناہوں کی خواہ مخواہ جان لی ؟"

"آپ حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہیں، خُدا کی قسم رزاح اپنے بیٹوں کا خون بہا لینے نہیں آیا ہے، انتقام لینے آیا ہے"

"اس کا ثبوت ؟"

"اسے شراب پلائیے، پھر اس پر ایک جاسوس متعین کر دیجیے، وہ حقیقت سے باخبر کر دے گا"

بادشاہ نے ایسا ہی کیا، جب رزاح نشے میں مست ہو گیا، تو اسے اس کے خیمے میں بھیج دیا، اور پیچھے پیچھے ایک جاسوس بھی۔ رزاح جب اپنے خیمے میں داخل ہوا، تو اس کی بیٹی آگے بڑھی، اس کا سہارا لیتا ہوا وہ اندر داخل ہوا، اس کے منہ سے یہ اشعار نکل رہے تھے:۔

"تو مجھے ملامت نہ کر، حزن اور سہل کے بعد نیند کہاں ؟
تُو اپنے دونوں شیروں کے بارے میں کیوں نہیں پوچھتی کہ
انھیں کیا مصیبت پہنچی ؟ اگر میں کسی شخص سے حزن اور سہل
کا بدلہ لوں، تو تجھ پر ظاہر ہو جائے گا، میں کیا چاہتا ہوں ؟"

جاسوس نے آکر یہ حکایت حرف بہ حرف بیان کر دی، بادشاہ نے

رزاح کو بھی قتل کرادیا، اور زہیر اپنے منصب پر پھر بحال کردیا گیا۔

---

(۲۲) نازک مزاج ولی عہد!

مدائنی بیان کرتے ہیں کہ ولید بن یزید طریح[1] کی بہت عزت و توقیر کرتا تھا، مجلس میں قریب ہی اسے نشست ملتی تھی، جب دربار جمتا تو سب سے پہلے طریح داخل ہوتا تھا، اور سب سے آخر میں باہر جاتا تھا، ولید کوئی فیصلہ بھی کرے، طریح کی رائے اس میں ضرور شامل ہوتی تھی، وہ ولید کی مدح بھی خوب کرتا تھا، اس کے مدحیہ اشعار بچے بچے کی زبان پر تھے۔

خاندان ولید کے بعض لوگوں کو، طریح کے اس تقرب سے حسد پیدا ہوا، اسی اثنا میں شام جاتے ہوئے، حماد الراویہ کا ادھر سے گزر ہوا، لوگوں نے طریح کے تقرب کا حال اس سے بھی بیان کیا، کہنے لگے، "طریح بے طرح امیر پر چھایا ہوا ہے، دن ہو یا رات اس کی وجہ سے ہمیں حضوری کا موقع ہی نہیں ملتا۔ حماد نے کہا، "کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جسے میں دو اشعار یاد کرا دوں، کسی وقت موقع پاکر وہ یہ اشعار امیر کو سُنا دے، امیر اگر پوچھے یہ کس کے شعر ہیں؟ کہہ دے "طریح کے"! بس چٹکی بجاتے میں یہ سارا دور دورہ ختم ہو جائے گا" خاندان ولید کے لوگوں نے ایک خواجہ سرا کو دس ہزار درہم دے کر اس کارِ اہم پر مامور کیا، جب خواجہ سرا راضی ہوگیا، تو اسے حماد کے وہ

---

[1] طریح بن اسمٰعیل الثقفی، کنیت ابو الصلت، یہ کنیت اس لیے پڑ گئی کہ اس کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام صلت تھا، عہد بنو امیہ میں طریح پروان چڑھا، ولید بن یزید کا درباری شاعر ہوا، بنو عباس کا زمانہ بھی اس نے دیکھا، خلیفہ مہدی کے زمانے میں وفات پائی۔

دونوں اشعار یاد کرا دیے گئے۔

ایک روز حسبِ معمول طریح ولید کے دربار میں حاضر ہوا، بڑی دیر تک دربار جما رہا، جب دربار برخاست ہو گیا، تب بھی طریح بیٹھا رہا، پھر امیر ولید (ولی عہد) نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا، دونوں نے ساتھ ساتھ کچھ کھایا پیا، اس کے بعد وہ اپنے گھر روانہ ہو گیا، مجلس میں ولید بالکل تنہا رہ گیا، خواجہ سرا کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، گنگنانے لگا۔

"میرے ناقے اُدھر چل، تجھے سُکھ ملے گا، اب تک تو وہیں ٹھہری رہی، جو ذلت کی جگہ تھی، میرے ناقے، اُدھر چل، جہاں نرم خو سردار ہے، جو موٹے بازو والا ہے، (سخی ہے) شریف ہے"

اب تو ولید کے کان کھڑے ہوئے، وہ توجّہ سے سُنتا رہا، اور خواجہ سرا بار بار یہی اشعار دھراتا رہا، ولید نے کہا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے، یہ کس کا کلام ہے؟"

"حضور، طریح کا"

ولید کو بہت غصّہ آیا، کہنے لگا، "اس کم بخت کی یہ مجال؟ میں اسے سب سے پہلے بُلاتا تھا، اور سب سے آخر میں رخصت کرتا تھا، اس کا یہ صلہ؟ سمجھتا ہے کہ ہشام مدح کا مستحق ہے، اور میں نہیں؟" پھر اس نے خواجہ سرا کو حکم دیا کہ "دربان حاضر کیا جائے" دربان سے اس نے کہا، "اب میں طریح کو نہ دیکھنے پاؤں، خبردار جو وہ یہاں آیا، اگر اصرار کرے تو گردن اُڑا دو"

عصر کے بعد حسبِ معمول طریح پھر آیا، اس وقت اسے آنے کی عام اجازت تھی، اندر جانے کے لیے دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ حاجب سامنے آ گیا، اس نے کہا۔

"پیچھے ہٹ جائیے واپس جائیے۔"

"تمھیں کیا ہوگیا ہو؟ کیا میرے بعد ولی عہد کے پاس کوئی اور شخص گیا تھا؟"

"نہیں، لیکن جب آپ دربار سے واپس گئے، امیر نے مجھے حکم دیا کہ آپ کو اندر نہ داخل ہونے دوں، اور اگر آپ اصرار کریں تو آپ کی گردن اُڑا دوں!"

"میں تمھیں دس ہزار درہم دوں گا، مجھے اندر جانے دو"

"خُدا کی قسم اگر آپ مجھے عراق کا خراج دے دیں تو بھی یہ نہیں ہو سکتا، یہ بھی بتا دوں، اندر جانا آپ کے لیے بہتر نہیں ہو، خیریت اسی میں ہو کہ اُلٹے پانو واپس جائیے"

"اچھا یہی بتا دے یہ گُل کس نے کھلایا ہو؟"

"میں نہیں جانتا، جب میری طلبی ہوئی، تو ولی عہد کے پاس کوئی نہیں تھا"

طریح لوٹ آیا، اور دروازے کے پاس ہی ڈیرا ڈال دیا۔ ایک برس کی مدت گزر گئی، وہ وہاں سے ہلا بھی نہیں، نہ اندر جانے کا موقع ملا، نہ طلبی ہوئی، آخر تنگ آکر اس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے وطن اپنے قبیلے میں واپس جائے، پھر سوچا یہ تو عجیب بے تکی بات ہوگی کہ میں ولی عہد سے بے ملے چلا جاؤں، اور یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ آخر بات کیا ہو؟ طریح یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو لوگ اس سے جلتے اور خار کھاتے تھے، وہ اب بہت ہشاش بشاش ہیں، وہ لوگ دھڑلّے سے ولید کے پاس جاتے تھے، شریکِ مجلس ہوتے تھے، امورِ مہمّہ کے تصفیے کے لیے مشورے میں بُلائے جاتے تھے، اس عرصے

میں طریح دربان سے برابر اظہارِ نیاز مندی کرتا رہا، آخر اسے ترس آگیا۔ ایک دن اس نے کہا، "تمھیں اتنے دن ہوگئے، تمھارا یہ حال دیکھ دیکھ کر میں کڑھتا ہوں، ولی عہد صاحب فلاں دن حمام میں داخل ہوتے ہیں پھر وہیں تخت پر متمکن ہوتے ہیں اور دربارِ عام منعقد کرتے ہیں۔ اس روز کوئی دربان موجود نہیں ہوتا، ہر شخص بے روک ٹوک جا سکتا ہے، اب جب وہ دن آئے گا، میں تمھیں بتا دوں گا۔ اس دن پہنچ جانا، اس دن جاؤ گے تو مجھ پر بھی کوئی آنچ نہیں آئے گی "

جب وہ دن آیا، ولید حسبِ معمول حمام گیا، فارغ ہوکر وہیں شاہی کرسی منگائی، اور جلوس فرما ہوا، دربارِ عام شروع ہوگیا۔ لوگ اپنی حاجتیں لے لے کر اس کے پاس جاتے، اور وہ مہربانی سے سب کی سنتا۔ دربان نے طریح کو اطلاع دے دی، یہ بھی جھٹ سے پہنچ گیا، ولید نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا آدابِ مجلس کے لحاظ سے یہ اسے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ طریح کو اُلٹے پانو واپس جانے کا حکم دے دے۔ وہ قریب پہنچا، سلام کیا، امیر نے سلام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ طریح نے کہا:۔

"سونے والے سو گئے، میں نے اس طرح رات تیر کی کہ غم سے سینہ شق ہوا جا رہا تھا، میں جاگ رہا تھا، محوِ خرام نہیں تھا، ان لذتوں سے نا آشنا تھا جن سے جاگنے والے لطف اندوز ہورہے تھے، میں تہمت سے نکلنے کے وہ راستے تلاش کر رہا ہوں، جو بند ہوگئے ہیں، ولید کی برہمی نے مجھے اتنا ہیبت زدہ کر دیا تھا کہ حوادث کا خطرہ جاتا رہا تھا، اے خلیفہ کے بیٹے جس انسان کا تو جائے پناہ تھا اس پر تیرا قہر، ایک بلائے عظیم ہے، جو چیزیں

تجھے نامرغوب ہیں میں ان سے الگ رہوں گا، بشرطیکہ تو بھی یہ چاہے۔
میرا باپ تجھ پر قربان۔ تو مجھ پر اپنی وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے
یہ تو تیرا ہمیشہ شعار رہا ہے، جو مصیبت مجھے پہنچ چکی ہے کیا تجھے وہ
بس نہیں کرتی؟ تیری قہرمانیت کا ثبوت یہ میرا اُڑا ہوا رنگ اور
پژمُردہ جسم ہے"

امیر نے یہ اشعار سُنے، اس کی باچھیں کِھل گئیں۔ طریح کو اپنے قریب بٹھایا، ہنسا، اور جو واقعہ گزرا تھا سُنایا، اب پھر طریح طریح ہو گیا۔

---

(۲۳) شاعر کی دِل لگی!

عبدالحکم بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان الجمی نے ایک کلب قائم کیا۔ جس میں شطرنج اور نرد کھیلنے، عود اور طنبور بجانے کا پورا پورا انتظام تھا، نیز ایک لائبریری بھی تھی جس میں ہر علم و فن کی کتابیں موجود تھیں، دیواریں کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں جو شخص آتا تھا اپنے کپڑے کھونٹی پر ٹانگ دیتا تھا۔ کوئی پڑھنے لکھنے میں لگ جاتا تھا، کوئی کھیلنے بیٹھ جاتا تھا۔ کبھی کبھی عبدالحکم بھی کھیل میں شریک ہو جاتا تھا۔

ایک بار عبدالحکم مسجد حرام میں تھا کہ ناگہاں ایک نوجوان باب حناطین سے جو باب بنی جمح کے نام سے منسوب تھا، آیا، وہ رنگین اور خوش بودار لباس سے آراستہ تھا، اس کے کان میں کلیوں کا حلقہ پڑا ہوا تھا، اس کے جسم سے خوش بو کی لپٹیں آ رہی تھیں، وہ لوگوں کو چیرتا پھاڑتا آگے بڑھا۔ اور عبدالحکم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ دیکھنے والوں میں کسی نے کہا، "اسے کیا ہو گیا ہے؟ یہ کون ہے؟"

"کیا یہ کسی اور کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا؟" کسی نے کہا، "یہ عبدالحکم سے کیا کہہ رہا ہے؟" "عبدالحکم کے پاس کوئی آ بیٹھے تو وہ بد خلقی سے پیش نہیں آتا" کچھ دیر تک وہ شخص عبدالحکم سے باتیں کرتا رہا، پھر وہ جھکا، اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوا اور مجمع کو چیرتا ہوا اس کے ساتھ باب الحناطین سے نکل گیا۔

عبدالحکم کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں اس سے کہا، "اللہ نے تیری صورت میں مجھ پر کیا بلا مسلط کر دی ہے؟ آدھے آدمیوں نے تیرے ساتھ مجھے مسجدِ حرام میں دیکھا، آدھے آدمی دیکھ رہے ہیں کہ میں باب الحناطین پر تیرے ساتھ موجود ہوں، اب کلب آگیا، وہ شخص عبدالحکم کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اندر آتے ہی اس نے اپنی چادر کھونٹی پر لٹکا دی، لباس بھی ذرا ڈھیلا کر لیا، پھر شطرنج کھیلنے بیٹھ گیا، کہنے لگا، "آئے کون کھیلتا ہے؟" اسی اثنا میں مشہور گویّا ابجر آگیا، اس نے آتے ہی اس شخص سے کہا، "اے زندیق، یہاں تجھے کون لے آیا؟" یہ کہہ کے اس نے اسے برا بھلا کہنا اور ہنسی مذاق کرنا شروع کیا۔ عبدالحکم نے ابجر سے کہا، "تم اس آدمی کو میرے گھر میں گالیاں دے رہے ہو؟" ابجر نے کہا، "آپ اسے پہچانتے بھی ہیں؟ یہ احوص ہے، احوص[1]!"

---

[1] احوص، انصاری، نام عبداللہ بن محمد، کنیت ابو محمد، اس کا رنگ سرخ تھا، محمد بن سلام نے اسے، محمد بن قیس کو نصیب اور جمیل کو، شعرائے اسلام کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے، اس کا درجہ ابن قیس اور نصیب کے بعد رکھا ہے، احوص اگر دنی الاخلاق اور پست کردار کا نہ ہوتا تو اہلِ حجاز میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی۔ وہ بہت ملائم طبیعت کا آدمی تھا، کلام بہت سادہ اور معنی خیز ہوتا تھا، اس کے اشعار پاکیزہ ہوتے تھے، صاف اور واضح ہوتے تھے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۸۹ پر)

احوص کو عبدالحکم نے گلے سے لگایا، گرم جوشی کا اظہار کیا، اور کہا "اگر تم احوص ہو تو تم نے جو کچھ کیا سب مجھے گوارا ہے"

---

(۲۴) ایک لاکھ درہم کی چادر

عبداللہ بن عیسیٰ الماہانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز اسحٰق موصلی سے ملنے گیا، وہ سیاہ ریشم کی ایک زرنگار چادر اوڑھے بیٹھا تھا، ہم لوگ باتیں کرنے لگے، سلسلۂ سخن میں اس چادر کا ذکر چھیڑا، اسحٰق نے کہا:

"کسی زمانے میں تم بھی تو دولت مند تھے، اس چادر کے متعلق کیا کہتے ہو؟"

"سچ تو یہ ہے میں نے ایسی چادر نہیں دیکھی"

"اس کی قیمت جانتے ہو؟ ایک لاکھ درہم، عجیب قصّہ ہے!"

"میں تو اسے سَو دینار سے زیادہ نہیں آنک سکتا"

"اچھا، تو سُنو!

ایک روز ہم بیٹھے شراب پی رہے تھے، کہ رات بیت گئی، میں نشے میں دُھت ہو رہا تھا، اتنے میں امینؔ[۱] کا قاصد میرے پاس آیا، کہنے لگا، "امیرالمومنین

(صفحہ ۸۸ کا بقیہ نوٹ)

شیریں اور لطیف ہوتے تھے، اس باب میں کوئی اس کا حریف نہ تھا، جب ہجو پر اُتر آتا تھا تو احسان فراموش ہو جاتا تھا، سلیمان یا ولید بن عبدالملک نے اس جُرم میں اسے کوڑے بھی لگائے، اور جلاوطن کر کے دہک میں نظربند کر دیا۔

[۱] امین، خلیفہ ہاروں رشید کا بیٹا۔

نے فوراً آپ کو یاد فرمایا ہے"، میں جانتا تھا کھلانے پلانے کے معاملے میں کنجوس ہے، میں نے پہلے کھانے سے فراغت کر لی۔ پھر اُٹھا، لباس پہنا، قاصد چونکہ جلدی کر رہا تھا، اس لیے جلدی سے روانہ ہوا، امین کے پاس پہنچا، ابراہیم بن مہدی اس کے داہنے طرف بیٹھا تھا، وہ بیچادر اوڑھے اور خاکی رنگ کا ایک جبہ پہنے بیٹھا تھا، اس نے مجھ سے کہا،،

"تم نے ناشتہ کر لیا؟"

"جی ہاں"

"بے وقوف یہ کون سا ناشتے کا وقت تھا؟"

"امیرالمومنین صبح جب اٹھا تو خمار سے چور چور ہو رہا تھا"

(حاضرینِ مجلس سے)" آج ہم نے کتنی شراب پی؟"

(حضارِ مجلس)" تین رطل"

"اسحٰق کو بھی اتنی ہی پلاؤ"

میرے پاس دو رطل شراب لائی گئی، میں پیتا جاتا تھا، اور دل میں ڈرتا جاتا تھا کہیں میں بھی اس کے ساتھ بہہ نہ جاؤں؟ پھر تیسرا رطل مجھے دیا گیا، اسے بھی میں پی گیا، پیتے ہی گویا آنکھیں کھل گئیں، امین نے کہا:۔

"گا تا سناؤ، یہ شعر گاؤ!

کلیب لعمری کان اکثر ناصراً   وایسر جرماً منک ضرج بالدم

میں نے ارشاد کی تعمیل کی، امین نے کہا:۔

"شاباش، خوب گایا تم نے"

بڑی دیر تک وہ لطف لیتا رہا، پھر دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں نے اپنے غلام کو بلایا، اور اسے حکم دیا کہ فوراً واپس جاؤ

گھر سے کباب اور کوفتہ وغیرہ لے آؤ سامان رومال میں لپیٹ لینا، جلدی سے گھوڑے پر جاؤ اور فوراً واپس آؤ "غلام فوراً واپس چلا گیا، اور تھوڑی دیر میں واپس آگیا، گھوڑے سے جب وہ اترا، تو گھوڑا گرا، اور گرتے ہی مرگیا، وہ اتنا تھک گیا تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا، طبیعت ذرا بحال ہوئی، کھا پی کے میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

ابراہیم بن مہدی نے مجھ سے کہا: "میری تم سے ایک درخواست ہے"
میں نے کہا، "میں آپ کا غلام ابنِ غلام، ارشاد فرمائیے، تعمیل میرا فرض ہے"
اس نے کہا، "ایک مرتبہ یہی گانا پھر سنا دو، پھر یہ چادر تمھاری ہو جائے گی"
میں نے کہا، "چادر کی کیا ضرورت ہے؟ میں آپ کے درِ دولت پر حاضر ہو جاؤں گا، وہاں آپ کی کنیزوں کو بھی یہ گانا سکھا دوں گا اور آپ کہیں گے تو خود بھی دوبارہ سنا دوں گا" ابراہیم بن مہدی نے کہا، "میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اسی وقت تم سناؤ، یہ چادر تم پر بہت زیب دے گی، بڑی قیمتی چیز ہے"
میں نے دوبارہ گانا سنایا، اور اس نے دل ہی دل میں ازبر کر لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد امین کے پانو کی چاپ سنائی دی، ہم سب کھڑے ہو گئے، وہ آیا، اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، ہم لوگ بھی بیٹھ گئے۔ امین نے شراب منگوائی، اور پینے لگا ہم لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے، اتنے میں ابراہیم بن مہدی نے وہی گانا شروع کر دیا، جو مجھ سے گوا کر سنا تھا، خدا کی قسم اتنا اچھا گانا میں نے نہیں سنا تھا، امین بھی ابراہیم کا گانا سن کر بہت خوش ہوا، کہنے لگا:۔
"چچا جان[1] آپ تو خوب گاتے ہیں" پھر اپنے غلام کو حکم دیا، "چچا جان کو دس تھیلیاں، درہموں کی لاکر ابھی دے" فوراً وہ دس تھیلیاں لایا، اور ابراہیم کے

---

[1] ابراہیم خلیفہ مہدی کا بیٹا، اور ہارون کا چھوٹا بھائی تھا۔

پاس رکھ دیں۔

ابراہیم نے کہا، "امیرالمومنین اس میں کوئی اور بھی شریک ہے"

"وہ کون؟"

"اسحٰق"

"کیوں کر؟"

"جب آپ تشریف لے گئے، اس اثنا میں میں نے اس سے یہ گانا سیکھ لیا"

"تو امیرالمومنین کے پاس دولت کی کیا کمی ہے، جو وہ آپ کو دیے ہوئے عطیے میں کسی کو شریک کریں؟" میں نے کہا، "میرا جہاں تک تعلق ہے، میں تو تمھیں شریک کروں گا، اور اس سے امیرالمومنین بھی واقف ہیں"

بات ختم ہو گئی۔

جب دربار برخاست ہوا، اور ہم لوگ جانے لگے تو ابراہیم نے مجھے تیس ہزار درہم دیے، اور یہ چادر بھی عطا کی۔ یہ چادر ابراہیم نے ایک لاکھ میں لی تھی، اور یہی اس کی اصل قیمت ہے۔

---

(۲۵) عورت کا فریب!

اقیشر[۱] اگر کسی سے طلب کرتا تو بس پانچ درہم، دو درہم خچر کے کرائے

---

[۱] پورا نام مغیرہ بن عبداللہ، بن عمیر بن الاسد، اقیشر لقب تھا اس لیے کہ اس کا چہرہ خونِ کبوتر کی طرح سُرخ تھا، کنیت ابو معرض، ہمیشہ شراب کے نشے میں (بقیہ نوٹ صفحہ ۹۳ پہ)

کے لیے جس پر وہ حیرہ[۱] تک جاتا تھا، دو درہم شراب ناب کے لیے، اور ایک درہم کھانے کے لیے، اس کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کی کنیت ابوالمغنا تھی، یہ خچر کرایے پر چلانے کا پیشہ کرتا تھا، اقیشر کو جب ضرورت ہوتی، دو درہم دے کر اس سے خچر کرایے پر لے لیتا، اور حیرہ چلا جاتا، وہاں شراب کی ایک دکان تھی، گھوڑے کو لگام سے کہیں اٹکا دیتا، اور خود مے فروش کے ہاں پہنچ جاتا، خوب سیر ہو واپس آجاتا۔

حسبِ معمول وہ ایک مرتبہ حیرہ پہنچا، دیکھا مے فروش اپنی جگہ نہیں ہے، بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا، اسی اثنا میں ایک عورت داخل ہوئی، اقیشر نے پوچھا، "مے فروش کہاں گیا؟" "ایک کام سے گیا ہے، میں اس کی بیوی ہوں، کہو کیا ہے؟"

"مجھے نبیذ چاہیے"

"کتنے کی؟"

"دو درہم کی"

"لاؤ درہم، یہیں میرا انتظار کرو"

"یہ تو نہیں ہو سکتا"

"نہ سہی"

یہ کہ کر وہ چلتی ہوئی، اقیشر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا، جب ایک گھر کے پاس پہنچی، تو اقیشر نے اسے درہم دے دیے، اس گھر کے دو دروازے

(صفحہ ۹۲ کا بقیہ نوٹ)

مست رہتا تھا، عہدِ بنو امیہ میں بہ زمانۂ حجاج اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔

[۱] ایک مقام کا نام۔

تھے ، خود تو ایک دروازے سے نکل چلی گئی ، اور یہ دوسرے پر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا ؛ بڑی دیر کے بعد کچھ لوگ گھر سے برآمد ہوئے ، پوچھا :-

"کس کے انتظار میں بیٹھے ہو ؟"

اقیشر نے ساری داستان سُنا دی ، لوگوں نے کہا ، "وہ تو بڑی جعل ساز ہے ، ہو نہ ہو ام حنین ہوگی " اب اقیشر سمجھا کہ اسے دھوکا دیا گیا ، اس نے کہا :-

"ام حنین کے سوا ہم نے کسی سے دھوکا نہیں کھایا ، اس نے دو درہم لے لیے . شراب کا وعدہ کیا . لیکن چلتی بنی ، وہ ان دونوں درہموں سے گویا نکر گئی ، لوگو دیکھو ! یہ میرے دو درہم کیسے ضائع گئے ؟"

یہ اشعار می فروش تک بھی پہنچے . اس نے آکر اقیشر سے کہا :-

"کیوں بھائی میری ماں کی کیوں ہجو کی ؟"

"اس نے مجھ سے دو درہم لے لیے اور شراب نہیں دی "

"خدا کی قسم میری ماں تو تمھیں پہچانتی بھی نہیں ، اس نے کبھی تُم سے کچھ نہیں لیا ، میری ماں کو دیکھ کر اگر تم کہہ دو کہ اس نے تُم سے درہم لیے تھے تو میں اپنے پاس سے تمھارے درہم واپس کردوں گا ۔"

"بھائی میں تو ام حنین کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا ، اس نے مجھ سے یہی کہا ؛ میں ام حنین اور اس کے بیٹے کے سوا کسی کی ہجو بھی نہیں کرتا ، اگر تمھاری ماں وہی ام حنین ہے تو بے شک وہی مراد ہے ، اور اگر وہ کوئی اور ام حنین ہے تو میری مراد اسی سے ہے "

"لیکن لوگ تو دونوں میں فرق نہیں کریں گے"
"پھر میں کیا کروں، اپنے درہم یونہی ضائع جانے دوں، اور دل کی بھڑاس بھی نہ نکالوں؟"
"خدا تجھے غارت کرے، پھر اپنے ساتھ لاکر اسے شراب پلادی اور رخصت کیا"

(۲۶) کھری کھری باتیں!

حفصی کا بیان ہے کہ مجھے ایک روز عبداللہ بن موسیٰ نے طلب کیا، اور اسی دن عبداللہ کے سگے بھائی اسمٰعیل نے بھی یاد کیا۔ میں نے اسمٰعیل کے بلاوے کو ترجیح دی، اس لیے کہ عبداللہ شریر النفس اور بدطینت آدمی تھا۔ بے سان وگمان عصر کے قریب عبداللہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ ہم نے دیکھا وہ نشے میں بدمست ہو رہا تھا، گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی، ہم لوگوں نے اسے اس حال میں دیکھا تو ادھر ادھر پناہ کی جگہ ڈھونڈھنے لگے۔

عبداللہ اپنی سواری سے اترا، اور بیٹھ گیا۔ اسمٰعیل اس کے اعزاز و اکرام کے پیش نظر مؤدب کھڑا رہا، اس نے عبداللہ سے کہا، "میرے سردار! میرے پاس تشریف لا کر قدم رنجہ فرما کر آپ نے مجھے بے حد مسرور کیا"

عبداللہ نے کہا، "ان باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ تمھارے پاس کون کون ہے؟"

اسمٰعیل نے جو جو لوگ تھے، ان کے نام بتائے، عبداللہ نے کہا، "انھیں میرے پاس لاؤ"

ہم سب اس کے پاس اس حالت میں آئے کہ دہشت کے مارے مرے جا رہے تھے، وہ میری طرف مخاطب ہُوا، اس نے کہا، "ای حفصی، میں نے تین روز تک برابر تجھے بلایا، تو نے میری تو پروا نہ کی، اور اسمٰعیل کے پاس پہنچ گیا؟" یہ کہہ کے اس نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ مارا، اسمٰعیل میرے اور اس کے مابین آکر کھڑا ہو گیا، اس نے کہا، "ہاں، یہ میرے پاس آگیا، اس نے آپ کے بلاوے کی پروا نہ کی، اس لیے کہ آپ کے پاس سے جب یہ واپس جاتا ہے تو ظلم و ستم کا شکار رہ کر ناکام و نامراد ہو کر اور برعکس اس کے میرے پاس سے جب یہ لوٹتا ہے تو اسے خلعت ملتا ہے، اور جو وعدہ کیا جاتا ہے پورا کیا جاتا ہے، کیا اسی بات پر آپ اسے ملامت کر رہے ہیں؟"

عبداللہ اپنے ارادے سے باز آگیا، حالاں کہ وہ بڑا تیکھا آدمی تھا، وہ اُٹھا اور چپ چاپ چلا گیا۔

---

(۲۷) بے مثال بردباری!

دل شاد، عبداللہ بن موسیٰ کا غلام، بیان کرتا ہے کہ ہم اور ثقیف[۱] عبداللہ بن موسیٰ کے سامنے عود بجا رہے تھے، مجلس میں جو لوگ بیٹھے تھے سب نبیذ پیے ہوئے تھے، اتنے میں عبداللہ اور ثقیف ایک راگ گانے لگے، دونوں میں اختلاف پیدا ہُوا، اور آپس میں جھگڑنے لگے، عبداللہ نے کہا "میں نے اسی طرح منصور زلزل سے سیکھا ہے" ثقیف نے کہا، "میں جس طرح گا رہا ہوں، میں نے بھی منصور زلزل سے اسی طرح سیکھا ہے" دونوں کے

---

[۱] ثقیف، فضل بن ربیع کا غلام۔

جھگڑے نے اچھی خاصی طوالت اختیار کرلی، ثقیف بڑا شریر النفس تھا، ذرا سی بھی پی لیتا تھا تو ہوش وحواس کھو بیٹھتا تھا، خود عبداللہ کا بھی یہی حال تھا۔

ثقیف کو غصہ جو آیا تو اسی نشے کی حالت میں اس نے وہی عود اٹھایا، اور عبداللہ کے سر پر دے مارا، عود طوق کی طرح عبداللہ کے گلے میں لٹک گیا، خدام یہ منظر دیکھتے ہی دوڑ پڑے کہ اسے قتل کردیں، عبداللہ بن موسیٰ نے اپنے خدام سے کہا :۔

"اسے مت چھوؤ، میری گردن سے عود نکالو" خدام نے ایسا ہی کیا، اگرچہ عبداللہ خود بھی بڑے تیکھے مزاج کے تھے، لیکن اس دن انھوں نے ایسی بردباری کا ثبوت دیا، جس کی مثال نہیں ملتی، انھوں نے اپنے خدام سے کہا :۔

> "میں نے اگر اسے قتل بھی کردیا، تو لوگ یہی کہیں گے، ایک کتے کو مار ڈالا، اب تم اسے خلعت دو، اور کچھ مال بھی دو، لیکن آئندہ یہ یہاں قدم نہ رکھنے پائے"

---

(۲۸) ماموں رشید دمشق میں!

محمد بن احمد المکی روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، "میں علویہ کی عیادت کے لیے گیا، وہ کچھ بیمار تھا، باتوں باتوں میں ماموں الرشید کا ذکر چھڑ گیا، علویہ نے کہا، "اگر خدا نے خیر نہ کی ہوتی، تو ایک دفعہ تو میں ایسا پھنسا تھا کہ جان ہی گئی ہوتی" میں نے پوچھا، "یہ کیوں کر؟" اس نے کہا سنو! :۔

"ماموں ایک دفعہ شام گیا، میں اس کے ساتھ تھا، ہم لوگ دمشق پہنچے سارے شہر کی سیر کی، پھر ہم بنو امیہ کے آثار و نقوش دیکھنے لگے، ماموں ان کے ٹوٹے ہوئے محلات، مٹے ہوئے قصور اور راندہ و درماندہ بنیادوں کو دیکھتا پھرتا تھا، پھرتے پھرتے ایک صحن میں پہنچا، سارا کا سارا صحن سنگِ رخام کا بنا ہوا تھا، اس میں ایک تالاب بھی تھا، جس میں ایک چشمے سے پانی آتا جاتا تھا، تالاب میں رنگ برنگ کی مچھلیاں بھی تھیں، سامنے ایک باغ تھا جس کے چاروں گوشوں پر ایک ایک سروٗ کا درخت لگا ہوا تھا، معلوم ہوتا تھا کسی نے انھیں قینچی سے کاٹ کر ایک خاص دھج میں کر دیا ہے، میں نے زندگی میں کہیں بھی قد، اور قدر کے اعتبار سے اتنے خوب صورت سروٗ کے درخت نہیں دیکھے تھے، ماموں نے اس منظر کو پسند کیا، بیٹھ گیا، خدّام کو حکم دیا، "کوئی ہلکی سی غذا لاؤ"، فوراً حکم بجالایا گیا، جب وہ کھا چکا، تو نبیذ طلب کی، مجھ سے ارشاد ہوا، "گاؤ، اور مجھے خوش کرو" اتفاق دیکھیے، معلوم ہوتا تھا، جیسے مجھے جو کچھ آتا تھا، سب بھول گیا، یاد آیا تو کیا؟ یہ:-

لو کان حولی بنو امیۃ لم نتنطق رجال اراہم نطقوا

یعنی اگر بنو امیہ برسرِ حکومت ہوتے تو جن لوگوں کو میں چرب زبانی کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، ان کی زبان گنگ ہوتی۔

یہ سن کر ماموں آگ بھبھوکا ہی تو ہو گیا، میری طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھا، اور کہا، "تجھ پر اور بنو امیہ پر خدا کی پھٹکار، میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ مجھے اذیت دے، یا یہ کہا تھا کہ خوش کر؟ تو انھیں کبھی اور نہیں یاد کر سکتا تھا؟ اپنی غلطی میں نے محسوس تو کر لی، لیکن بات بنانی بھی ضرور تھی، میں نے کہا: "میں نے بنو امیہ کا ذکر کیا اس پر آپ مجھے ملامت فرماتے ہیں، یہ آپ کا

غلام زریاب جب ان کے پاس تھا تو دو سو غلاموں کے جلو میں چلتا تھا جو اس غلام کے زر خرید تھے، اور تین لاکھ دینار اس کے پاس نقد تھے جو بنوامیہ سے اسے ملے تھے، اس کے علاوہ ان لوگوں نے اسے گھوڑے، خچّر، جاگیر، غلام بھی بہت بڑی تعداد میں عطا کر رکھے تھے، اب بھوکا مر رہا ہوں''

مامون نے کہا، ''اس کے علاوہ تو کسی اور طرح مجھے متوجہ نہیں کر سکتا تھا؟'' میں نے کہا، ''اسی چیز نے مجھے ان کی یاد دلائی'' اس نے کہا، ''اچھا اب یہ ذکر چھوڑ دو'' میرا مطلب اس نے تاڑ ہی لیا تھا، میں پھر گانے بیٹھا، اور پھر ہر وہ راگ اور گیت خود بخود بھول گیا جس سے وہ لطف اندوز ہوتا، زبان پر بے ساختہ یہ شعر آ گیا:-

"وقت مجھے دمشق کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہے، حالاں کہ میں
اب اسے سزاوارِ اقامت نہیں سمجھتا"

اب تو مامون نے جامِ شراب میرے اوپر کھینچ مارا۔ اگر میں خالی نہ دوں تو نہ جانے کیا حشر ہو، وہ زمین پر گرا، اور ٹوٹ گیا، مامون نے کہا، ''خُدا کی تجھ پر پھٹکار، جا بھاگ یہاں سے'' یہ کہا، اٹھا، اور سوار ہو کر چل دیا، اور پھر مجھے کبھی نہ یاد کیا۔

پھر علویہ نے مجھ سے کہا، ''تم جانتے ہو مجھے ہزاروں راگ اور گیت یاد ہیں، لیکن جب مامون کو سُنانے بیٹھا تو سب بھول گیا، اور یاد کیا آیا؟ وہی جو اسے ناپسند تھا، میں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر میری ہزار روحیں ہوں گی تو ان میں سے ایک بھی نہیں بچے گی، لیکن مامون جہاں غصہ ور تھا، وہاں حلیم اور بردبار بھی تھا،

———

(۲۹) سازندوں کا جھگڑا

علویہ الاعسر بیان کرتے ہیں کہ واثق باللہ کے دربار میں بعض گویّے آپس میں جھگڑ پڑے، انھوں نے سازندوں اور ان کے کمالِ فن کا ذکر کیا، اسحٰق نے زلزل کو ملاحظ سے بہتر قرار دیا، ملاحظ اس فن میں جگت استاد مانا جاتا تھا۔ واثق نے کہا، "اسحٰق تم زیادتی کر رہے ہو" اسحٰق نے کہا، "امیرالمومنین دونوں کو بلا کر امتحان نہ فرمالیجیے، خود ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا" امیرالمومنین نے فوراً پروانۂ طلبی بھیجا، دونوں افتاں وخیزاں دربار میں پہنچے، اسحٰق نے کہا، "سازندوں کے چند خاص راگ ہیں جو سب کو معلوم ہیں کیا میں ان دونوں کا امتحان انھی میں لوں؟" امیرالمومنین نے ارشاد فرمایا "ہاں" اسحٰق نے تین راگوں کا نام لیا، جن میں سے پہلا "علق قلبی" تھا، دونوں نے ساز پر اسے بجایا، زلزل نے تو ٹھیک بجایا، مگر ملاحظ بہک گیا، واثق کو تعجب ہوا، ملاحظ نے کہا، "یا امیرالمومنین یہ خود نہیں بجاتا دوسروں کو کیوں مقابلے میں لاتا ہے؟

اسحٰق نے کہا، "یا امیرالمومنین میرے زمانے میں تو کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ ساز بجانے کا ماہر ہو، اور بہت سے طریقے میں ایسے جانتا ہوں جو اس طبقے کا کوئی فرد نہیں جانتا" پھر وہ ملاحظ سے مخاطب ہوا "اپنے عود کے تار اِدھر اُدھر کر کے گڑبڑ کردو، اور میرے پاس لاؤ" ملاحظ نے ایسا ہی کیا، اسحٰق نے کہا، "یا امیرالمومنین ملاحظ نے اس عود کے تار تو اِدھر اُدھر کردیے ہیں لیکن وہ نہیں جانتا کہ اپنی کی ہوئی خرابی کس طرح دور کرے"

پھر اس نے عود اٹھایا، تاروں کو انگلیوں سے چھیڑا اور اسی اثنا میں ہر ہر تار کی اصلی جگہ بھانپ لی، پھر ملاحظ سے کہا، "کوئی سا راگ گاؤ تو" ملاحظ نے گانا شروع کیا، اور اسحٰق نے اسی بگڑے ہوئے خراب وخستہ عود کو ملاحظ کے راگ پر بجانا شروع کیا، کہیں بھی وہ ملاحظ کے راگ سے باہر نہیں گیا اور کمال یہ کہ ایک ہی ٹھونکے سے وہ راگ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

واثق اسحٰق کا یہ کمال دیکھ کر دنگ رہ گیا، اس نے کہا، "خدا کی قسم میں نے تمھارا سا صاحبِ کمال نہ دیکھا نہ سنا، میری کنیزوں کو بھی یہ سکھا دو" اسحٰق نے کہا، "یہ وہ چیز نہیں ہے جو کنیزوں کو بھی سکھائی جا سکے، وہ اسے سیکھ بھی نہیں سکیں گی۔ بس ایک واقعہ سناتا ہوں، فہلیذ، کسریٰ کے دربار کا مشہور سازندہ تھا، ماہرینِ فن میں سے ایک صاحب کو اس سے حسد پیدا ہوا، وہ گھات میں رہے، ایک وقت فہلیذ کو غیر حاضر پاکر، اس کا عود اٹھایا، اور تار اِدھر اُدھر کر دیے۔ جب فہلیذ واپس آیا، اپنا عود بجانے لگا، اسے کیا معلوم کیا ہو چکا ہے؟ وہ بجاتا رہا، اور کہیں بھی نہیں بہکا، جب بجا چکا تو بادشاہ سے کہا کہ یہ کارروائی کی گئی تھی۔ بادشاہ نے عود کا امتحان لیا تو بیان صحیح پایا، اسے بہت تعجّب ہوا، فہلیذ کو اس نے اس کمالِ فن پر مالا مال کر دیا۔ جب یہ روایت مجھ تک پہنچی، میں نے طے کر لیا کہ میں فہلیذ سے زیادہ کمال بہم پہنچاؤں گا، دس برس سے زیادہ مدت گزر گئی، اب میں نے اتنی مہارت بہم پہنچائی ہے کہ اس پردۂ دُنیا پر کوئی نغمہ، اور کوئی راگ ایسا نہیں ہے جس کے مقام اور کیفیت کا مجھے پورا پورا علم نہ ہو، یہ وہ چیز نہیں ہے جس پر کنیزیں عبور حاصل کر سکیں"

واثق نے کہا، "سچ کہتے ہو لیکن مر دگے تو اپنے ساتھ یہ فن بھی لیتے

جاؤ گے"! پھر واثق نے اسحٰق کو تیس ہزار درہم عطا کیے!

---

(۳۰) ایک شعر کی قیمت!

حماد الراویہ[1] بیان کرتے ہیں کہ میں یزید بن عبدالملک کے سوا اور کسی کے دربار میں نہیں جاتا تھا، اس وجہ سے ہشام بن عبدالملک مجھ سے ناراض رہتا تھا۔ جب یزید کا انتقال ہوگیا، اور مسندِ خلافت پر ہشام متمکن ہوا، تو میں ڈرا کہیں یہ میری جان کا لاگو نہ ہو جائے، آخر میں خانہ نشین ہوگیا، اور ایک سال تک خانہ نشین رہا، جن لوگوں پر مجھے اعتماد تھا کبھی کبھی ان کے ساتھ موقع محل دیکھ کر چوری چھپے باہر نکلتا تھا۔ جب پورا سال بیت گیا، اور کسی سے میں نے اپنا چرچا نہیں سُنا، تو میں اطمینان سے باہر نکلا، مسجد میں جاکر نمازِ جمعہ باجماعت ادا کی، نماز سے فارغ ہوکر بابِ فیل کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

ابھی مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دو پولیس کے سپاہی میرے قریب آکر ٹھہر گئے، اور کہنے لگے:۔

"آپ کو امیر یوسف بن عمر نے یاد کیا ہے"!

"کیا تم مجھے تھوڑی مہلت دوگے تاکہ میں اپنے گھر جاکر لوگوں سے اس طرح رخصت ہولوں کہ اب مجھے کبھی نہیں واپس آنا ہے؟"

---

[1] حماد بن میسرہ، لغت، نسب، شعر اور عربوں کی تاریخ حرب و اختلاف اور ان کے گزرے ہوئے واقعات کا بہت بڑا ماہر تھا، ملوکِ بنی امیہ اس کی بڑی قدر کرتے تھے، یہ اکثر ان کی مصاحبت میں رہتا تھا، وہ لوگ اس سے عربوں کی تاریخ، اور ان کے علوم سے متعلق معلومات حاصل کیا کرتے تھے، اور خوب انعام دیتے تھے۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا "

میں نے اپنے تئیں ان کے حوالے کر دیا، اور یوسف بن عمر کے پاس پہنچا۔ وہ ایوانِ احمر میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے سلام کیا، اس نے متانت سے جواب دیا، اور میری طرف ایک خط بڑھا دیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خدا کے غلام ہشام امیر المومنین کی طرف سے یوسف بن عمر کو معلوم ہو کہ جس وقت تم یہ میرا خط پڑھو فوراً حماد الراویہ کو بلواؤ، اسے کسی طرح مرعوب یا پریشان نہ کیا جائے، اسے پانچ سو دینار اور ایک اونٹ دو، اور اس سے کہو کہ دمشق میں مجھ سے ملے۔"

میں نے پانچ سو دینار لے لیے، اونٹ بھی تیار کھڑا تھا، میں نے رکاب میں پانو ڈالا، اور کجاوے میں بیٹھ روانہ ہو گیا۔ بارہ راتیں سفر میں گزریں، آخر میں ہشام کے درِ دولت پر پہنچ گیا۔ میں نے اذنِ باریابی طلب کیا جو فوراً مل گیا، میں اس سے ایک وسیع اور کشادہ محل میں ملا، جہاں سنگِ رخام کا فرش تھا، ہر دو پتھروں کے بعد سونے کی پتیاں لگی ہوئی تھیں، یہی حال دیواروں کا بھی تھا، ہشام ایک سُرخ رنگ کی مسند پر بیٹھا ہوا تھا، بدن پر سرخ ریشم کی چادر پڑی ہوئی تھی، مشک اور عنبر کی خوش بو اس کے روئیں روئیں سے پھوٹ رہی تھی، ایک سونے کی کٹوری میں اس کے سامنے نافۂ مشک رکھا ہوا تھا، اسے ہاتھ میں لے کر اُلٹنے پلٹنے لگتا، جس کی خوش بو سے سارا دربار مہک جاتا۔

میں نے سلام کیا، اس نے مہربانی سے جواب دیا، اور اپنے قریب بٹھا لیا، میں نے اس کے پانو کو بوسہ دیا،

اتنے میں شعلۂ جوالہ کی طرح دو کنیزیں برآمد ہوئیں، ایسا حُسن و جمال میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، ہر ایک کے کانوں میں سونے کے حلقے پڑے ہوئے تھے، حلقوں میں آب دار موتی جگ مگ، جگ مگ کر رہے تھے۔

"ہشام نے مجھ سے کہا، کیسے ہو حمّاد؟"

"دُعا دیتا ہوں حضور کو"

"جانتے ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟"

"مجھے کیا معلوم۔ امیرالمومنین؟"

"مجھے ایک شعر یاد آیا، نہ معلوم کس کا ہے؟"

"کون سا شعر امیرالمومنین؟"

"انھوں نے صبوحی مانگی، ایک خوش جمال کنیز جام بدست حاضر ہوئی"!

"یہ تو عدی بن زید کے ایک قصیدے کا شعر ہے"

"اس میں سے کچھ اشعار سُناؤ"

میں نے چند اشعار سُنائے، ہشام بہت خوش ہوا، کہا، "حمّاد، بہت خوب بہت خوب" پھر کنیز کو حکم دیا، "اسے پلاؤ" اس نے اپنے دستِ نازک سے مجھے پلائی، اور میری ایک تہائی عقل رُخصت ہوگئی، اس نے مجھ سے کہا:۔ "پھر سے تو کہنا"، میں نے پھر وہ اشعار سُنائے، بہت لطف اندوز ہوا، دوسری کنیز سے کہا، "اسے شراب پلاؤ" اس نے بھی شراب پلائی، پھر میری ایک تہائی عقل رفو چکر ہوگئی، میں نے کہا، "اب اگر تیسری بار مجھے شراب پلائی، تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا؟" ہشام اس وقت ترنگ میں تھا، کہا:۔

"مانگ کیا مانگتا ہے؟"

"جو مانگوں وہ پاؤں؟"

"ہاں، جو مانگے گا پائے گا"

"ان دونوں کنیزوں میں سے ایک مجھے بخش دیجیے"

"یہ دونوں تیری ہوگئیں، جو کچھ یہ پہنے ہوئے ہیں وہ، اور جو کچھ ان کا دھن دولت ہے وہ بھی سب ان کے ساتھ تیرا"

پھر اس نے پہلی کنیز کو حکم دیا، "حماد کو اور پلاؤ" وہ جام لے کر میری طرف بڑھی، میں غٹ غٹ چڑھا گیا، اب میں اتنا مدہوش ہو گیا کہ مجھے تن من دھن کسی کی خبر نہیں رہی۔

صبح جب میں اٹھا تو دونوں کنیزیں میرے سرہانے کھڑی تھیں، اور خُدّام کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود تھی، ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک تھیلی، ان میں سے ایک نے کہا:۔

"امیر المومنین نے آپ کو سلام کہا ہے، اور یہ رُپیہ دیا ہے"

رُپیہ میں نے اپنے قبضے میں کیا، اور کنیزوں کو لے کر گھر کی طرف کوچ کیا۔

---

(۳۱) احسان کا بدلہ!

عبد اللہ بن ابراہیم الجمحی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن ہرمہ[1] سے پوچھا،

---

[1] ابراہیم بن ہرمہ، نبیذ کا بڑا رسیا تھا، ہر وقت نشے میں بدمست رہتا تھا، کنیت ابواسحٰق تھی، قد ٹھنگنا تھا، اصمعی کا قول ہے، ابن ہرمہ، حکم الحضرمی، ابن میادہ، طفیل الکنانی اور دکین العرضی خاتم الشعرا کہے جا سکتے ہیں، (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۶ پر)

"عبدالواحد بن سلیمان کی مدح میں تم نے جو کچھ کہا ہے، ایسی مدح تو تم نے کبھی کسی کی نہیں کی!"

اس نے کہا "سنو! مدینے میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، میری بنتِ عم نے مجھے آمادہ کیا کہ میں قسمت آزمائی کے لیے کہیں باہر نکلوں، میں نے کہا "بہن کیسی باتیں کرتی ہو؟ چلا تو جاؤں، لیکن زادِ راہ؟" اس نے کہا "جو کچھ دال دلیا ہے میں ساتھ کیے دیتی ہوں" میں چل کھڑا ہوا۔ میری شہرت میرے ساتھ تھی، جس منزل پر میں پہنچتا، لوگ کہتے "یہ ابنِ ہرمہ ہے"

آخر میں دمشق پہنچا، ایک مسجد میں پناہ گزیں ہوا، فجر کے قریب دروازہ کھلا، ایک شخص نمودار ہوا، معلوم ہوا چاند نکل آیا، قریب آیا، اذان دی، پھر دو رکعت نماز پڑھی، اب جو میں نے غور کر کے دیکھا تو عبدالواحد!

میں اٹھا، اس کے پاس گیا، سلام کیا، اس نے کہا، "ابواسحٰق! اہلاً وسہلاً آؤ آؤ" میں نے کہا، "لبیک، حاضر ہوں، میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا تا دیر آپ کو سلامت رکھے، اور اپنی خوش نودی کی نعمت سے مالا مال کرے" اس نے کہا، "تم بہت دنوں کے بعد دکھائی دیے، یہاں تو اشتیاقِ دید کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ کہو سب خیریت تو ہے؟" میں نے کہا، "یہ نہ پوچھیے زمانے نے مجھے ہلاک کر دیا، برباد کر دیا، آپ ہی کے پاس دادرسی کے لیے آیا ہوں" اس نے کہا، "گھبراؤ مت، جو کچھ چاہو گے، انشاءاللہ ہو جائے گا" میں اس سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں تین نوجوان آئے، تینوں آپس میں اس طرح تھے، جیسے ایک مضبوط رسّی کی تین گرہیں، انھوں آتے ہی عبدالواحد

(صفحہ ۱۰۵ کا بقیہ نوٹ) سنہ ۹۰ھ میں ابنِ ہرمہ کی ولادت ہوئی، سنہ ۱۴۰ھ میں ابن جعفر المنصور کا درباری شاعر بنا، اس کے بعد بھی بڑی مدت تک زندہ رہا۔

کو سلام کیا، ان میں جو سب سے بڑا تھا، عبدالواحد نے اسے اپنے پاس بلایا، اور کان میں کچھ چپکے سے کہا، اس طرح کہ نہ میں کچھ سُن سکا، نہ اس کے دونوں بھائی۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ عبدالواحد کے پاس بیٹھا، اس سے کچھ چپکے سے کہا اور پھر چل دیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ایک غلام کے ساتھ آیا، جس کے سر پر قیمتی کپڑوں کی ایک گٹھری رکھی ہوئی تھی، وہ گٹھری اس نے میرے سامنے کر دی۔

پھر دوسری مرتبہ اس سے عبدالواحد نے کچھ کہا، وہ اٹھ کر چلا گیا، اور قیمتی کپڑوں کا ایک اور گٹھا لے کر واپس آیا، عبدالواحد نے مجھ سے کہا، "ابو اسحٰق، قریب آؤ! میں جانتا ہوں، جب تک پریشاں روزگاری تمہیں نہیں ستائے گی کاہے کو ہمارے پاس آؤ گے؟ یہ مال لو اور اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤ" پھر اس نے مجھے ایک ہزار دینار دیے اور کہا، "بس اب جاؤ"! میں اٹھا، دروازے پر جو پہنچا، اونٹنی دیکھ کر دل کو کوفت ہوئی۔ عبدالواحد نے پھر مجھے بلایا، اور کہا، "یہ اونٹنی تمھارے قابل نہیں ہے"۔ پھر غلام سے کہا، "ان کی خدمت میں خاص میرا اونٹ پیش کر دو"۔ اونٹ اتنا عمدہ تھا کہ اسے پا کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے جو کچھ مال و متاع مجھے دیا تھا اس سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی اس ایک اونٹ سے۔

یہ داستان سُنا کر ابنِ ہرمہ نے کہا، "اب کیا کہتے ہو؟"

---

(۳۲) ایک دعوت!

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کہتے ہیں کہ میرے والد کہتے تھے، خارجہ بن یزید

سے میں نے سُنا، وہ کہتا تھا، "آل بنیط کے ہاں ایک دعوت میں ہم بُلائے گئے۔ میں وہاں پہنچا، دیکھتا کیا ہوں، حضرت حسّان بن ثابتؓ بھی تشریف رکھتے ہیں، ہم سب ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے۔ اب حضرت حسّان اتنے کہن سال ہو چکے تھے کہ آنکھیں تقریباً جاتی رہی تھیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بھی تھے۔ کھانا چُنا گیا، انھوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا، "ثرید ہے یا بُھنا ہوا گوشت؟" اس لیے کہ وہ گوشت بہت چبا چبا کے کھاتے تھے، کہا گیا، "بُھنا ہوا گوشت ہے" انھوں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

لوگ جب کھانے سے فارغ ہو گئے، تو دو کنیزیں نمودار ہوئیں، پہلی کا نام رائقہ، اور دوسری کا عزہ تھا۔ آئیں اپنی جگہ بیٹھ گئیں، عود اٹھایا، اور اسے بجا بجا کے حضرت حسّان کا یہ شعر گانا شروع کیا۔

"بابِ دمشق میں کھڑے ہو کر اے میرے دوست دیکھ! کیا تو
بلقا کے ادھر کسی کو دیکھتا ہے؟"

میں نے سُنا حضرت حسّان، فرما رہے تھے، "ہاں دمشق مجھے دکھاؤ" یہ کہتے جاتے تھے، اور آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے، جب کنیزیں خاموش ہو گئیں تو حضرت کے آنسو تھمے۔ میں نے دیکھا، عبدالرحمٰن کنیزوں کے خاموش ہونے کے بعد اشارے سے انھیں گانے کی ہدایت کر رہے تھے۔ میں نے اپنے

لہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ، صحابی و شاعرِ رسولؐ قبیلۂ بنی نجار سے تھے، ابو ولید کنیت تھی، بہت بلند پایہ شعرا میں شمار ہوتے تھے، بڑی لمبی عمر پائی، ساٹھ برس تک جاہلیت کے عہد میں جیے، اور ساٹھ برس تک اسلام کا کلمہ پڑھتے رہے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی، آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، اور سماعت بھی بہت کمزور ہو گئی تھی،

دل میں کہا، انھیں کیا ہوا ہے کہ اپنے باپ کو رُلانا چاہتے ہیں؟

جب حضرت حسّان دعوت سے فارغ ہو کر اپنے مکان تشریف لے گئے، تو ایک فرش پر لیٹ گئے، ایک پانو دوسرے پر رکھ دیا، کہنے لگے، "رائقہ اور اس کی سہیلی کے گانے نے مجھے وہ بات یاد دلائی جو میرے کانوں نے جاہلیت کے زمانے میں جبلہ بن ایہم غسانیؓ کے ساتھ سنی تھی، پھر متبسّم ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا، "میں نے جبلہ کے ہاں دس کنیزیں دیکھیں، پانچ تو رومیہ تھیں جو بربط ہاتھ میں لیے، رومی گانا گا رہی تھیں، اور پانچ اہلِ حیرہ کا گانا گا رہی تھیں، یہ کنیزیں ایاس بن قبیصہ نے جبلہ کو تحفے میں بھیجی تھیں، جبلہ جب شراب پینے بیٹھتا تھا تو اس کے نیچے گلاب، چنبیلی، اور طرح طرح کے خوش بودار پھول بچھائے جاتے تھے، سونے اور چاندی کی کٹوریوں میں مشک اور عنبر رکھا جاتا تھا، عود بھی سلگایا جاتا تھا، یہ عود پہلے گلاب کے پانی میں رکھ کر سکھا لیا جاتا تھا۔ یہ تو ہوتا تھا موسمِ سرما میں، لیکن گرمی میں برف اور اولے سے ٹھنڈک کا انتظام کیا جاتا تھا۔

لہ جبلہ بن ایہم، غسان کا بادشاہ، مسلمان ہو گیا تھا، حرم کعبہ میں اس نے ایک بدوؔ کے چانٹا مارا، اس نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ سے شکایت کی، انھوں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ بھی جبلہ کے ایک تھپّڑ مارے۔ جبلہ نے کہا، میں ایک بادشاہ، اور یہ ایک عامی، یہ مجھے مارے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہی ہوگا، تمھیں اس کی مار کھانا پڑے گی، اسلام میں کوئی اعلیٰ اور ادنیٰ نہیں ہے، سب برابر ہیں، جزا اور سزا میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا، جبلہ اس وقت تو خاموش ہو گیا، مگر جب واپس گیا تو مرتد ہو کر قیصر کے پاس بھاگ گیا۔

خُدا کی قسم جب بھی میں جبلہ کے پاس بیٹھتا تھا تو اس دن جو قیمتی سے قیمتی لباس وہ پہنے ہوتا تھا، بطور خلعت مجھے دے دیتا تھا، میرے علاوہ دوسرے حاضرینِ دربار کو بھی اسی طرح وہ نوازتا رہتا تھا، یہ تھا اس کے حلم، جود اور خوش مذاقی کا عالم، اگرچہ اس کا تعلق جاہلیت سے تھا، یعنی اسلام کے نور سے وہ منوّر نہیں ہوا تھا، لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ فواحش نے اس کے ہاں جگہ پائی ہو، یا ظلم و زیادتی کو اس نے اپنا شعار بنایا ہو۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہم مشرک تھے، صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے۔

پھر اسلام آیا، اور اس نے کفر و شرک کو نیست و نابود کر دیا، ہم نے شراب و کباب سے بھی رشتہ توڑ لیا، اور ان تمام باتوں سے پرہیز کرنے لگے جو اسلام کے نزدیک غیر پسندیدہ تھیں۔ تم مسلمان ہو کر نبیذ پیتے ہو، جو شراب سے بھی بدتر چیز ہے، تین گھونٹ بھی نہیں پی پاتے ہو کہ عقل اور مذہب تم سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

---

(۳۴) "گاہے بہ دشنامے خلعت دہند!"

حجاج بن یوسف نے، خالد بن عتاب کو، رے کا گورنر مقرر کیا، خالد کی ماں امِ ولد تھی، ایک مرتبہ کسی بات پر حجاج بگڑا، اسے ایک سخت خط لکھا، جس میں اس کی ماں کا بُرے الفاظ میں ذکر کیا، آخر میں لکھا، "تو ہی وہ شخص ہے، جو اپنے باپ کو میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا"۔ خالد نے قسم کھا رکھی تھی کہ جو اس کی ماں کو گالی دے گا اس کا جواب وہ ضرور دے گا خواہ کسے باشد۔

اس لیے اس نے جواب دیا، "تم نے مجھے خط لکھا، میری ماں کو خوب گالیاں دیں، تمھیں یہ غلط فہمی ہے کہ میں اپنے باپ کو تنِ تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا، اور وہ قتل کر دیا گیا، حالانکہ خدا شاہد ہے، واقعہ یہ ہے جب وہ قتل کر دیا گیا، تب میں فرار ہوا، میں نے جان لیا اب مقابلہ کرنا سود مند نہیں ہے، لیکن ذرا ای ہیم اپنے گریبان میں بھی تو منہ ڈال کے دیکھ، جب تیرا باپ اور تو ایک سست رو اونٹ پر جنگِ حرہ[1] میں بھاگ نکلے تھے"

حجاج نے یہ خط پڑھا اور کہا "خالد نے سچ کہا"

انا الذی فررت یوم الحرہ ثم ثنیت کرۃ بفرہ

والشیخ لا یفر الا مرہ

یعنی، "ہاں میں وہ ہوں، جو حرہ کی جنگ میں بھاگ نکلا تھا، لیکن فرار کے بعد میں نے موقع دیکھ کر حملہ کیا، داؤں پیچ جاننے والا پیچھے ہٹتا بھی ہے تو مصلحت سے" پھر حجاج نے خالد کو واپس بلایا، وہ کہاں ہاتھ آتا تھا، بھاگ کر شام پہنچا، بیت المال کا پورا چارج دے گیا، اس میں سے ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ ادھر حجاج نے عبدالملک کو شکایت نامہ بھیج دیا۔

خالد جب شام پہنچا تو سب سے پہلے اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ عبدالملک کے مقربینِ بارگاہ کون کون لوگ ہیں؟ معلوم ہوا روح بن زنباع کو خلیفہ کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل ہے، پوچھتے ہی خالد، روح کے پاس پہنچا، اور کہا:۔

---

[1] حرہ مدینے کے پاس ایک جگہ ہے، جنگِ حرہ سے مراد وہ جنگ ہے جب یزید بن معاویہ نے اپنے عہدِ حکومت میں شامی لشکر کو مدینے میں قتل و غارت کا بازار گرم کرنے بھیجا تھا۔

"میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں"
"میں تمھیں پناہ دیتا ہوں، بشرطیکہ تم خالد نہ ہو"
"میں خالد ہی ہوں"
"بھاگو! فوراً بھاگو! ورنہ میں خلیفہ کا معتوب ہو جاؤں گا"
"اچھا شام تک تو پناہ دے دیجیے"

بڑی مشکل سے روح اس پر راضی ہوا، یہاں تک کہ شام ہوئی، اور خالد وہاں سے بھاگا، بھاگ کر ایک دوسرے مقربِ بارگاہ زفر بن حارث کلابی کے پاس پہنچا۔

"میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں"
"میں تمھیں پناہ دیتا ہوں"
"لیکن میں خالد بن عتاب ہوں"
"کوئی ہرج نہیں"

جب صبح ہوئی تو زفر نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا، بوڑھا تو تھا ہی، ان دونوں کا سہارا لے کر عبدالملک کے پاس پہنچا، خلیفہ نے زفر کو دیکھا تو اس کے لیے کرسی منگوائی، زفر بیٹھا، پھر گویا ہوا۔

"امیرالمومنین آپ کی شفقت کے بھروسے پر میں نے ایک آدمی کو پناہ دی ہے"
"بشرطیکہ وہ خالد نہ ہو"
"وہ خالد ہی ہے"
"نہیں یہ نہیں ہو سکتا"

زفر نے اپنے بیٹوں سے کہا، مجھے اُٹھاؤ لے چلو، جب چلنے لگا تو کہا۔

"ای عبد الملک اگر تجھے معلوم ہوتا کہ میں کس بل رکھتا ہوں تو بے شک تو اسے پناہ دینے پر مجبور ہوتا، جسے میں نے پناہ دی ہے" عبد الملک اس بات پر بے ساختہ ہنس پڑا، اس نے کہا، "بڑے میاں، اچھا، میں اسے پناہ دیتا ہوں، لیکن میری نظر کے سامنے نہ آئے"

تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ نے خالد کو دو ہزار درہم بھیجے، خالد نے قبول کر لیے، اور پھر اپنی گرہ سے قاصد کو جو یہ درہم لے کر آیا تھا، چار ہزار درہم انعام کے دے دیئے۔

---

(۳۴) ڈاکو کی بخشش!

قبیلۂ بنی بنہان کے ایک بزرگ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ قبیلۂ بنی شیبان سخت قحط سے دوچار ہوا، میں مع اپنے اہل و عیال کے حیرہ پہنچا، میں نے اپنے متعلقین سے کہا، تم بادشاہ کے پڑوس میں ٹھہرو، ممکن ہے کہ اس سے کچھ تم کو ملتا رہے، اور میں یا تو جھولی بھر کر آؤں گا، یا پھر مر ہی جاؤں گا، میں راتوں رات چل پڑا، کچھ دور جانے کے بعد کیا دیکھتا ہوں، ایک گھوڑے کا بچہ ایک خیمے کے سامنے رسّی سے بندھا پڑا ہوا ہے، میں نے دل میں کہا، بھئی اچھی ہوئی، میں اس کے پاس آیا، رسّی کھولی، اور اس پر چڑھ کر روانہ ہوا ہی تھا کہ آواز آئی، "خبردار، گھوڑا چھوڑ دو، غنیمت جانو کہ تم بچے جاتے ہو" میں نے بچھیرے کو وہیں چھوڑا، اور آگے بڑھ گیا، چھ دن تک لگاتار اسی طرح چلتا رہا، یہاں تک کہ اونٹوں کے ایک طویلے کے پاس پہنچا، اب شام ہو چلی تھی، سامنے ایک بہت بڑا خیمہ نصب تھا،

میں نے دل میں کہا، جب یہ خیمہ ہے تو اس میں کچھ رہنے والے بھی ہوں گے، یہ قبّہ ہے تو اس کا کوئی مالک بھی ہوگا، یہ طویلہ دکھائی دیتا ہے، لامحالہ یہاں اونٹ بھی ہوں گے، خیمے میں جھانک کر دیکھا تو ایک پیرمرد بیٹھا ہوا تھا، جیسے گدھ بیٹھا ہو!

میں اس کے پیچھے بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد ایک شہسوار آیا، ایسا وجیہہ اور کڑیل جوان میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، دو غلام بھی تھے جو داہنے بائیں اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، اس کے ساتھ سنو اونٹنیاں بھی تھیں، جو سب کی سب طویلے میں بھیج دی گئیں، شہسوار گھوڑے سے اترا اُترتے ہی اس نے غلام سے کہا، "اس اونٹنی کا دودھ دوہو اور بڑے میاں کو پلاؤ" اس نے ایک بڑے پیالے میں دوھنا شروع کیا، جب لبا لب بھر گیا، پیرمرد کے سامنے رکھ دیا، اور خود الگ ہٹ گیا، پیرمرد نے چند گھونٹ پیے اور پیالہ الگ رکھ دیا۔ اسے میں الٹ کر گیا، اتنے میں غلام واپس آیا، اس نے کہا، "آقا آپ نے نوچشم بد دور، سب پی لیا" پیرمرد بہت خوش ہوا، کہا، "اب اس اونٹنی کا دودھ دوہو" غلام نے دودھ دوہا، پیالہ بھرا، اور لاکر سامنے رکھ دیا، اب کی اس نے ایک ہی گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا، میں نے پیالہ اٹھایا۔ آدھا پیا، باقی رکھ دیا اس اندیشے سے کہ کہیں یہ پیرمرد تیسری مرتبہ نہ دوہوائے، پھر مجھ پر شک کیا جائے، غلام پھر آیا، پیالہ اس نے اٹھالیا، اور اپنے نوجوان آقا سے کہا، "بڑے میاں نے خوب پی لیا، اور سیر ہو گئے" نوجوان نے کہا، "اچھا انھیں چھوڑو، دیکھو یہ بکری ہے نا؟ اسے ذبح کر ڈالو" فوراً بکری ذبح کی گئی، اس کے پارچے بھونے گئے۔ بڑے میاں نے شہسوار نے، دونوں غلاموں

نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

میں موقع کی تاک میں تھا، جیسے ہی یہ لوگ سوئے، اور میرے کان میں ان کے خرّاٹوں کی آواز آئی، میں اٹھا، ایک بہترین اونٹ چھانٹا، اسے کھولا، سوار ہوا اور چل کھڑا ہوا، میں حدی خوانی کرتا جاتا تھا، اور اونٹ میری دُھن پر چلتا جاتا تھا، یہاں تک کہ رات ختم ہوئی، اور سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔

میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، کوئی بھی میرے تعاقب میں نہیں آ رہا تھا، میں اب آہستہ آہستہ اونٹ کو چلانے لگا، یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔ اب پھر میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، پرندے کی طرح دور کوئی چیز آتی ہوئی دکھائی دی، لمحہ بہ لمحہ وہ قریب تر ہوتی جاتی تھی، میں نے پہچان لیا یہ وہی شہسوار تھا، گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آ رہا تھا، میں نے اونٹ کو تو باندھ دیا، اور خود تیر کمان سنبھال کر تیار ہو بیٹھا۔ میں اونٹ کی آڑ لے کر بیٹھا تھا نوجوان نے کہا، "اونٹ کو کھول دو"!

"ہرگز نہیں، میں اپنی عورتوں کو حیرہ میں چھوڑ آیا ہوں اور ان سے قسم کھا کر کہہ کر آیا ہوں کہ یا تو ان کے لیے کوئی اچھا انتظام کر کے لوٹوں گا، ورنہ مر جاؤں گا"

"بس تو تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اونٹ کھولتے ہو یا نہیں ؟"

"نہیں کھولوں گا، جو کہہ چکا وہ کہہ چکا"

"تم دھوکے میں ہو، اس اونٹ کی نکیل میں پانچ گرہیں لگاؤ"

میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا

"کس جگہ اپنا تیر، ترازو کردوں"

میں نے اشارے سے جگہ بتائی۔ پھر وہ تیر چلانے لگا، اور پانچوں گرہوں پر اس نے ایک ایک تیر ترازو کردیا۔ یہ رنگ دیکھ کر میں نے اپنے تیر پھینک دیے، کمان توڑ دی اور اپنے تئیں اس کے حوالے کر دیا۔ شہسوار میرے قریب آیا، اور کہا، "آؤ میرے پیچھے اونٹ پر بیٹھ جاؤ" اب اس نے یہ بھی تاڑ لیا تھا میں ہی وہ شخص ہوں جس نے اس کے ہاں دودھ بھی پیا تھا۔ راستے میں اس نے مجھ سے پوچھا۔

"تمھارا میرے متعلق کیا خیال ہے؟"

"بہت اچھا"

"یہ کیوں کر؟"

"اس لیے کہ ساری رات تم نے تکلیف اٹھائی، آخر خُدا نے تمھیں مجھ پر غالب کیا"

اس نے کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں تم کو سناؤں گا جب کہ کل تم مہلہل کے پاس بیٹھ چکے ہو؟

"میں نے کہا۔ تو آپ زید الخیل[1] ہیں؟"

---

[1] زید بن مہلہل، زید الخیل، اس کا نام اس لیے پڑ گیا کہ اس کے پاس گھوڑے بہت زیادہ تھے، ان میں سے ایک گھوڑی اتنی عمدہ تھی کہ اس کی تعریف میں اس نے قصیدہ بھی کہا، یہ شخص نہایت دلیر، بہادر اور بارعب تھا، اس نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اسلام کا زمانہ آیا، تو مسلمان ہو گیا، نہایت بلند مرتبہ شاعر تھا، شجاعت اور شاعری جن بہت کم لوگوں میں جمع ہوئی، ان میں سے ایک یہ بھی تھا، ڈاکہ زنی بھی کرتا تھا، اپنے چھاپے مارنے، لوٹنے اور قتل و غارت کرنے کے پُر فخر تذکرے اپنے اشعار میں کرتا رہتا۔

"ہاں میں زید الخیل ہوں"

"میری دعا ہے کہ تم اچھے پکڑنے والے بنو"

"تم پروا نہ کرو"

پھر وہ اس مقام پر گیا جہاں خیمہ زن تھا۔ اس نے مجھ سے کہا، "اگر یہ اونٹ میرا ہوتا تو میں ضرور تمھیں دے دیتا، لیکن بنتِ مہلہل کا ہے۔ تم میرے پاس ٹھہرو، میں عنقریب باہر چھاپہ مارنے جانے والا ہوں"

میں چند روز تک اس کے پاس ٹھہرا۔ پھر اس نے قبیلۂ بنی نمیر پر چھاپہ مارا، اور سنو اونٹ پکڑ لایا، اس نے مجھ سے پوچھا، "یہ بنتِ مہلہل والا اونٹ تمھیں پسند ہے، یا یہ سنو اونٹ؟" میں نے کہا، "یہ سنو اونٹ" اس نے کہا، "جاؤ لے جاؤ"

پھر اس نے حفاظت کے ساتھ مجھے حیرہ پہنچانے کا انتظام کر دیا!

---

(۳۵) حاتم طائی[1]

حاتم شعرائے عرب میں ایک ممتاز شاعر تھا۔ شاعری سے زیادہ سخاوت میں مشہور، بات کا دھنی، جو کہتا وہی کرتا، جہاں بھی جاتا، اپنی سخاوت سے پہچان لیا جاتا، جب کسی جنگ و جدل کی نوبت آتی، غالب آتا۔ جب مالِ غنیمت حاصل ہوتا، بانٹ دیتا۔ جب اس سے کوئی درخواست کی جاتی،

---

[1] حاتم، بن عبداللہ، بن سعد، بن الحشرج ... .. بن ثعل ...... بن طی، اس کی کنیت ابوسفانہ تھی اور ابوعدی بھی، بڑی لڑکی کا نام سفانہ اور لڑکے کا نام عدی تھا جب اسلام طلوع ہوا، حاتم مر چکا تھا، سفانہ اور عدی مسلمان ہو گئے۔

فوراً منظور کر لیتا کوئی گرفتار ہو کر اس کے پاس آتا یہ رہا کر دیتا اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ ایسے جوان کو کبھی قتل نہیں کروں گا جو اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہو۔ ماہ رجب کا، قبیلۂ مضر کے ہاں بڑا احترام ہوتا تھا۔ یہ اس مہینے میں ہر دن دس اونٹ ذبح کرتا تھا، مفت خوروں کا اس کے ہاں ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا رہتا تھا۔ جو شعرا اس کے ہاں آتے ان میں حطیئہ اور بشر بن ابی خازم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

کہتے ہیں کہ حاتم کی ماں جب حاملہ ہوئی، تو اس نے خواب میں دیکھا کوئی کہتا ہے، "ایک لکھ لُٹ لڑکا جس کا نام حاتم ہو گا، تو پسند کرتی ہے یا اُن آدمیوں کے سے دس لڑکے جو بہادر ہوتے ہیں شیروں کی طرح جن کا دبدبہ چھایا ہوتا ہے۔ جو نہ بزدل ہوں گے نہ بھگوڑے۔ بول؟" وہ بولی، "میں تو پسند کرتی ہوں کہ میرا لڑکا حاتم ہو"، جب زچگی ہوئی۔ تو حاتم ہی پیدا ہوا بچے کے پانو پالنے میں پہچانے جاتے ہیں، بچپن ہی سے حاتم کی دریا دلی ظاہر ہو رہی تھی، جب ذرا بڑا ہوا، کھانے پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا جب تک کوئی دوسرا بھی شریک نہ ہو۔ اگر اتفاق سے کوئی اس کے ساتھ کھانے والا نہ ہو، تو وہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا تھا۔ بلکہ اسے پھینک دیتا تھا۔ باپ نے یہ دیکھ کر اسے اونٹ چرانے کی خدمت سپرد کر دی۔

حاتم اونٹ چرانے لگا، سڑک پر اس نے چند مسافروں کو دیکھا کہ اس کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں انھوں نے کہا

"ای نوجوان۔ کیا ہمیں کوئی مہمان بنائے گا؟"

"یہ اونٹ جو سامنے کھڑے ہیں"

پھر حاتم نے ان لوگوں کے لیے جن کے نام، عبید بن الابرص، بشر

بن ابی خازم، اور نابغہ[51] ذبیانی تھے، اور جو نعمان[52] کی خدمت میں جا رہے تھے،
—— اپنے تین اونٹ ذبح کیے۔ عبید نے کہا، "ہم تو دودھ چاہتے
تھے، وہی کافی ہوتا، آپ نے خواہ مخواہ تکلّف کیا"۔ حاتم نے کہا، "آپ
سچ کہتے ہیں بات یہ ہے، میں نے دیکھا آپ کے قافلے میں مختلف رنگ
روپ کے اصحاب ہیں، میں نے خیال کیا، یہ سب ایک ہی جگہ کے رہنے
والے نہیں ہیں، لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ آپ میں کا ہر شخص جب اپنے
گھر واپس جائے تو وہ یاد کرے کہ اس نے کیا دیکھا تھا؟

حاتم کی اس سخاوت سے اور دریا دلی سے یہ مسافر بہت متاثر ہوئے
انھوں نے برجستہ اس کی مدح میں اشعار کہے۔ حاتم نے کہا، "آپ نے میری
بڑی عزّت افزائی کی، میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنے یہ اونٹ آپ کی نذر کر
دوں، اگر آپ نہ قبول کریں گے تو میں ان سب اونٹوں کو مار ڈالوں گا، اس
لیے آپ ان کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، ایک ایک آدمی
کے حصّے میں ۹۹ اونٹ آئے، وہ لوگ اونٹ لے کر آگے بڑھ گئے۔

اُڑتے اُڑتے حاتم کی اس سخاوت کی خبر اس کے والد کو بھی ہو گئی۔
وہ فوراً آ پہنچا۔ اس نے کہا:۔

"اونٹ کہاں ہیں؟"

"والد محترم! آپ کے اونٹ تو گئے، لیکن ان کے بدلے آپ
کو زندگیٔ جاوید حاصل ہو گئی، لوگ ان اشعار کو ساری دُنیا
میں پڑھا کریں گے، جن میں ہماری تعریف و توصیف کی گئی ہے"

---

۵۱ مشہور شعرائے عرب

۵۲ منذر ثالث، بادشاہ، حیرہ

"تو یہ سخاوت میرے اونٹوں پر کی گئی ہے؟"

"جی ہاں ہوا تو ایسا ہی ہے"

"خُدا کی قسم تجھے میں اپنے پاس ہرگز نہیں رکھوں گا"

باپ نے حاتم کو یکہ و تنہا، بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اب حاتم کے پاس کیا تھا؟ ایک لونڈی، ایک گھوڑی، ایک اس کا بچہ !!

اپنے باپ کے اس سلوک کا ذکر، حاتم اپنے ان اشعار میں کرتا ہے:-

"بلاشبہہ میں زمانۂ فقر میں عفیف رہتا ہوں۔ مال داری کے زمانے میں سب میرے شریک رہتے ہیں، میں ہر ایسی صورت سے قطع تعلق کر لیتا ہوں جو مجھ سے موافق نہ ہو۔ میں مال کو، آبرو کی ڈھال بنا کر رکھتا ہوں، میں دوسروں کے مال سے مستغنی ہوں، سعد (پدرِ حاتم) مع اپنے قبیلے کے چلا گیا، مجھے بے گھر بے در کر گیا، لیکن مجھے اس سے کوئی نقصان نہیں بزرگی حاصل کرنے کے لیے، اے سعد! میں ہر اس مال کو جو تم سے ضایع ہو گیا اپنے سر اوڑھتا ہوں، باوجود سخاوت کے میں بہادر بھی ہوں، کب؟ جب لڑائی کا میدان گرم ہو۔"

---

(۳۶) ایک خارجی شاعر!

حجاج سے تنگ آ کر عمران بن حطّان[۱] بھاگ کھڑا ہوا، حجاج نے اس کی

[۱] عمران بن حطّان السدوسی، کنیت ابو سماک فصیح و بلیغ شاعر تھا، ایک نیا فرقہ نکلا تھا، جس کے پیرو "شراۃ" (خوارج) کہلاتے تھے، یہ ان کا سرگرم مبلّغ اور داعی تھا، جب

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲۱ پر)

طلب میں خود بھی اپنے آدمی دوڑائے، اپنے عمّال کو بھی لکھا کہ اس کی تلاش کریں، اور خلیفہ عبدالملک کو بھی صورتِ حال سے مطلع کر دیا۔ عمران جو بھاگا تو کسی ایک جگہ اپنے پانو نہیں جمائے، کبھی اس قبیلے میں پہنچ گیا اور چند دن رہ پڑا۔ کبھی دوسرے قبیلے میں چلا گیا، اور کچھ روز وہاں بسر کیے۔ پھر کسی اور قبیلے کا مہمان بن گیا، اس طرح وہ گھومتا پھرتا شام پہنچا، اور روح بن زنباع کے ہاں مقیم ہوا، روح نے پوچھا۔ تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟" کہا،

"قبیلہ ازد سے!"

روح خلیفہ کا درباری اور ہم نشین تھا، ایک رات اس نے خلیفہ سے کہا:۔

"یا امیرالمومنین، آج کل میرے ہاں ایک مہمان ٹھہرا ہوا ہے، عجیب آدمی ہے، میں نے کوئی روایت آپ سے ایسی نہیں سنی ہے جس کو کچھ اضافے کے ساتھ وہ نہ سناتا ہو"، خلیفہ نے پوچھا، "وہ کس قبیلے کا آدمی ہے؟" "اپنے تئیں ازدی بتلاتا ہے"

"یہ صفات تو تم عمران بن حطان کے بتا رہے ہو، اس لیے کہ تم نے جو کچھ اس کی زبان دانی، پابندیٔ مذہب، زہد و تقویٰ کثرتِ روایت اور

(صفحہ ۱۲۰ کا بقیہ نوٹ)

بہت عمر رسیدہ ہو گیا تو بیٹھ رہا، اور اِدھر اُدھر کے دورے بند کر دیے، لڑائیوں کی شرکت سے بھی پرہیز کرنے لگا، پھر یہ بیٹھے بیٹھے دعوت و تبلیغ کے فرائض صرف زبان سے ادا کیا کرتا تھا، بصرے کا رہنے والا تھا، جب اس کا چرچا ہوا کہ یہ خارجی ہے تو حجاج نے اسے طلب کیا، یہ بھاگ کھڑا ہوا، پھر شام پہنچا، عبدالملک نے طلب کیا، اس کے ہاتھ بھی نہیں لگا، وہاں سے بھاگ کر عمان پہنچا، اسی طرح گھومتے پھرتے ایک روز مر گیا!

پختگیٔ حافظہ کی تعریف کی ہے، یہ سب اسی کے صفات ہیں"

"لیکن امیرالمومنین مجھ سے اور عمران سے تو شناسائی بھی نہیں ہے"

پھر خلیفہ نے حجاج کا مکتوب نکلوایا، اس میں لکھا تھا:۔

"اما بعد ایک شخص جو افتراق پسند اور منافق ہے جس نے اہلِ عراق میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور ان میں "شرایت" (خارجیت) کی رُوح پھونکی۔ میں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، وہ سمجھ گیا کہ اب اس کی جان کی خیر نہیں، وہ بھاگ کر شام پہنچا، اب وہ شام کے شہروں میں گھومتا پھرتا ہے، دُبلا، پتلا اور لمبا آدمی ہے۔ چہرہ کشادہ رنگ زرد"

روح نے کہا" خُدا کی قسم یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے، جو میرے پاس آکر مقیم ہوا ہے" پھر عبدالملک نے عمران بن حطّان کے دو شعر پڑھے، جو اس نے عبدالرحمٰن ملجم کی مدح میں کہے تھے، یہ وہی عبدالرحمٰن ملجم ہے، جس نے حضرت علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے تھے، کہتا ہے:۔

"اس شریف آدمی کی ضرب کتنی بہتر تھی، جس سے اس کا مقصد بجز خوشنودیٔ رب کے اور کچھ نہیں تھا۔ بے شک میں سوچتا ہوں، پھر خیال کرتا ہوں کہ اس کا پلّہ مخلوقات میں سب سے گراں ہے"

شعر پڑھ کر عبدالملک نے حاضرین دربار سے کہا، "تم میں سے کوئی جانتا ہے، یہ شعر کس کے ہیں؟" حاضرین دربار خاموش رہے۔ پھر خلیفہ روح سے مخاطب ہوا، اور کہا، "ذرا اپنے مہمان سے تو پوچھنا"

"ضرور پوچھوں گا، بھلا اسے بھی نہ معلوم ہوگا؟ میں نے جو کچھ بھی اس سے پوچھا، تڑ سے اس نے جواب دیا"

روح اپنے مہمان کے پاس گیا، اور کہا، "امیرالمومنین کے ہاں آج ہماری بڑی بھد ہوگئی"

"کیوں؟"

"انھوں نے پوچھا، "یاضربۃ الخ" یہ شعر کس کے ہیں؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ بتا سکا"

"یہ تو عمران کے شعر ہیں جو اس نے عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل علیؑ ابن ابی طالب کی مدح میں کہے ہیں، روح نے کہا، "کیا اس میں اور بھی اشعار ہیں؟"

"کیوں نہیں، سُنو!

"شاباش ہو اس آدمی پر جس نے بدترین انسان کا خون بہا کر لوگوں کو آرام دیا"

(لعنۃ اللہ علیہ و علیٰ ابن ملجم و رضی اللہ عنہ امیرالمومنین)

روح پھر دوبارہ واپس گیا، اور سارا ماجرا خلیفہ کو کہہ سُنایا، خلیفہ نے کہا، "یہ تمھیں کس نے بتایا؟"

"میرے مہمان نے"

"وہ یقیناً عبدالرحمٰن بن حطّان ہے، تم جاؤ اسے لے کر آؤ"

روح پھر اپنے گھر واپس آیا، اور اپنے مہمان سے گویا ہوا۔

"میں نے آپ کا خلیفہ سے ذکر کیا، انھوں نے یاد فرمایا ہے، چلیے"

"میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو رکھتا تھا، مگر اس تمنّا کو ظاہر کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا، آپ تشریف لے چلیے، میں تیار ہوکر ابھی آیا"

روح پھر خلیفہ کے پاس پہنچا، خلیفہ نے پوچھا:-

"تمھارا مہمان کہاں ہے؟"

"اس نے کہا،"تم چلو، میں ابھی آیا"

آچکا۔ تم واپس جاؤگے تو اس کو پاؤگے بھی نہیں"

روح پھر اُلٹے پاؤں گھر واپس پہنچا، دیکھتا ہے تو عمران غائب۔ فرش پر ایک رقعہ پڑا ہوا تھا:-

"اے روح، کتنے گھر والے ہیں جن کے پاس میں اُترا، انھوں نے میرے ساتھ وہی گمان کیا جو تو نے کیا تھا۔ جب مجھے خوف پیدا ہوا، میں نے اپنی پناہ گاہ چھوڑ دی، کب؟ جب کہا گیا کہ یہ عمران بن حطّان ہے، میں تیرا، ایک سال تک مہمان رہا، مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی، یہاں تک کہ تو نے مجھ پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کیا۔ ابن مروان کے خوف سے جب ساری دُنیا لرز رہی ہے، تو میں بھی کیوں نہ خائف ہوتا؟ پس تو اپنے بھائی کو اے ابن زنباع معذور سمجھ اس لیے کہ مصائب میں وہ مختلف صورتیں اختیار کرتا رہا ہے، جب میں کسی یمنی سے ملتا ہوں، تو اپنے تئیں یمنی بتاتا ہوں، اور اگر کسی معدی سے ملتا ہوں تو عدنانی بن جاتا ہوں۔ اگر میں کسی ظالم سے طلبِ عفو کر سکتا تو آج ظاہر و باطن ہر اعتبار سے بیں ذی وجاہت ہوتا، لیکن سورۂ طٰہٰ

اور عمران کی پاکیزہ آیتوں کی تلاوت نے اس سے مجھے روک رکھا ہے"

---

(۳۷) دو بہادروں کی لڑائی!

محمد بن یزید راوی ہیں کہ جب ہارون رشید نے کشور کشائی پر کمر باندھی تو عالم یہ ہوا کہ جس شہر کی طرف پہنچتا اسے فتح کر لیتا۔ جس قلعے کو تاکتا اسے سر کر لیتا۔ یہاں تک کہ اس نے قلعۂ ہرقلہ پر چڑھائی کی، یہ بہت مضبوط قلعہ تھا۔ ہر پہلو سے اسے استوار کیا گیا تھا، کسی طرف سے داخلے کا امکان نہیں تھا، اہلِ قلعہ، قلعہ بند ہو گئے، قلعے کا ایک پھاٹک ایک وادی کی طرف تھا، سامنے خندق تھی، جو پانی سے بھری ہوئی تھی۔

ایک بوڑھے شخص، علی بن عبداللہ نے، جو سرحد کا نگہبان تھا، مجھ سے کہا، جب رشید نے قلعے کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا، اور قلعے والوں پر زندگی تنگ ہو گئی، اور قلعے کی چار دیواری پر منجنیق سے آگ اور پتھر کی بارش شروع ہوئی، تیروں کا مینھ برسنے لگا، تو قلعے کا دروازہ کھلا، ایک اچھے تن و توش کا آدمی باہر نکلا، اسلحہ سے آراستہ، آتے ہی اس نے للکارا "تم لوگ بہت بڑھ رہے ہو، ہر کوئی جو میرے مقابلے میں آئے؟ میں اکیلا دو کا مقابلہ کروں گا، آئیں دو پہلوان آئیں" وہ اسی طرح اپنے مقابلے کے لیے ہر للکار میں ایک ایک آدمی کا اضافہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ بہ یک وقت بیس آدمیوں کو دعوت مبارزت دینے لگا، لیکن رشید کے لشکر سے کسی نے جواب نہیں دیا، کچھ دیر وہ انتظار کرتا رہا، پھر دروازہ بند کر کے

قلعے میں داخل ہو گیا۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، رشید سو رہا تھا۔ جب وہ جاگا تو اسے سارا حال معلوم ہوا، بہت برہم ہوا، اپنے غلاموں اور خادموں کو بہت لعنت ملامت کی کہ انھوں نے دعوتِ مقابلہ نہیں قبول کی۔ اس پر افسوس کیا کہ اتنا بہتر موقعہ ہاتھ سے نکل گیا، لوگوں نے رشید سے کہا، آج جو ہمارے لشکر سے کوئی اس کے مقابلے میں نہیں گیا، تو اس سے اس کی ہمت بڑھے گی وہ اور زیادہ دون کی لے گا، کل پھر وہ ضرور باہر نکلے گا، پھر دعوتِ مقابلہ دے گا۔ کل کے انتظار میں رشید کے لیے رات کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو پھر دروازہ کھلا، وہی پہلوان دعوتِ مقابلہ دیتا ہوا باہر آیا۔ کہنے لگا، میں اکیلا تمھارے بیس آدمیوں کا مقابلہ کروں گا، جس کا جی چاہے آئے۔

رشید نے کہا، "کون اس کے مقابلے میں جائے گا؟" یہ سنتے ہی اس کے چند سپہ سالار، اور بہادر سامنے آ گئے، مثلاً ہرثمہ بن یزید، عبداللہ بن مالک، خزیمہ بن خازم مع اپنے بھائی کے، اور داؤد بن یزید مع اپنے بھائی کے۔ رشید نے ارادہ کیا انھی میں سے کسی کو مقابلے کے لیے بھیجے۔ اتنے میں سپاہیوں میں کچھ کانا پھوسی ہونے لگی، رشید متوجہ ہوا۔ تو انھوں نے کہا، "ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں،" رشید نے کہا، "کہو کیا کہتے ہو؟" ایک آدمی نے کہا، "یا امیر المومنین آپ کے یہ آزمودہ کار لوگ شجاعت میں، بلند آہنگی میں، بہادری میں، حرب و پیکار میں، مشہورِ زمانہ ہیں ان میں سے کسی کو آپ نے اس پہلوان کے مقابلے میں بھیجا، اور اس نے اسے قتل کر دیا، تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہو گی، اور اگر خدا نہ خواستہ پہلوان نے

آپ کے آدمی کو قتل کر دیا تو یہ بڑی سبکی کی بات ہوگی، لشکر پر اس کی ہیبت چھا جائے گی، ہم معمولی سپاہی ہیں، کوئی بڑا پایہ نہیں رکھتے، اگر ہمیں امیرالمومنین اجازت دیں تو ہم اپنے میں سے ایک آدمی منتخب کرکے اس کے مقابلے میں بھیجیں، اگر ہمارا آدمی غالب آیا تو قلعے کے لوگ سمجھیں گے امیرالمومنین کے ایک معمولی سپاہی نے اتنے بڑے حریف کو چت کر دیا، اور اگر ہمارا آدمی کام آگیا تو وہ شرفِ شہادت حاصل کر لے گا، اور قلعے کے پہلوان کی ہیبت بھی ہمارے لشکر پر نہیں بیٹھے گی، سب یہی سمجھیں گے معمولی آدمی تھا کام آگیا۔

یہ سُن کر رشید نے کہا "بات تو معقول ہے" پھر ان سپاہیوں نے اپنے میں سے ایک آدمی چُنا جس کا نام جزری تھا۔ رشید نے اس سے پوچھا، "تم مقابلہ کرو گے؟"

"جی ہاں خُدا میری مدد کرے" رشید نے حکم دیا کہ ابن جزری کو گھوڑا، نیزہ، تلوار، اور ڈھال دی جائے۔ اس نے کہا، "امیرالمومنین! میرے پاس جو گھوڑا ہے کافی ہے، نیزہ میں ہر وقت ہاتھ میں رکھتا ہوں، ہاں تلوار اور سپر مرحمت ہو" یہ کہہ کر اس نے سلاحِ جنگ زیبِ تن کیے۔ رشید نے اسے اپنے پاس بلایا، اور دُعائے خیر دے کے رخصت کر دیا۔

ابن جزری بیس سپاہیوں کے ساتھ پہلوان کے مقابلے میں پہنچا۔ پہلوان نے ایک ایک کرکے سب آدمیوں کو گِنا، پھر مُسکرا کر کہا، "شرط تو بیس کی تھی، تم ہو اکیس، خیر کوئی مضائقہ نہیں" ان لوگوں نے کہا، "جناب گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہم سب بہ یک وقت آپ کا مقابلہ نہیں کریں گے، ہم میں سے ایک ایک آدمی الگ الگ آپ سے لڑے گا"

جزری اپنی صف سے نکل کر، رومی پہلوان کے مقابلے میں آیا۔ پہلوان نے اسے گھور کر دیکھا، قلعے کی دیواروں پر سے اہلِ قلعہ بھی بڑی تعداد میں اپنے نادرِ روزگار پہلوان اور اس کے مدِ مقابل کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

دونوں نے ہاتھ ملائے، اور لڑائی شروع ہوگئی، پہلے نیزہ بازی ہوئی، اور دیر تک ہوتی رہی، اتنے زوروں سے کہ معلوم ہوتا تھا گھوڑے بے کار ہوجائیں گے، پھر دونوں نے نیزے پھینک دیے، اور تلواریں سونت لیں۔ اس گرما گرمی میں گھوڑے تھکن سے چور چور ہو گئے، اتنے میں ابنِ جزری نے تلوار کا ایک ایسا جچا تلا ہاتھ مارا، اور کوئی ہوتا وہیں ڈھیر ہوجاتا مگر حریف نے اپنی فولادی ڈھال پر وار روکا، تلوار کی جھنکار دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ اب رومی پہلوان نے وار کیا، اور سمجھا کہ ابن جزری اس حملے سے ختم ہوگیا۔ جب دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے کرتے تھک گئے، بظاہر سمجھ لیا گیا فتح کسی کی نہیں ہوگی۔ دفعتہً ابنِ جزری شکست کھا گیا، سلمان مغموم اور رومی خوشی سے بے خود ہوئے جا رہے تھے۔

درحقیقت ابنِ جزری کی یہ شکست ایک حیلۂ جنگ تھا۔ ابنِ جزری بھاگا رومی پہلوان نے اس کا پیچھا کیا، موقع دیکھ کے ابنِ جزری نے تاک کے ایک مضبوط رسّی کا پھندا پھینک مارا، پھندا اس کے گلے میں پڑا، پہلوان گڑبڑا کے اپنا توازن کھو بیٹھا، اور گھوڑے سے گرنے لگا۔ ابھی گرنے نہ پایا تھا کہ ابنِ جزری نے اس کی گردن دھڑ سے الگ کردی، اب مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کردیے، رومیوں میں بھگدڑ پڑ گئی، انھوں نے جلدی سے قلعے کا پھاٹک بند کردیا۔

یہ خبر رشید کو پہنچی، اس نے شاہی دستے کے لوگوں سے کہا، منجنیقوں

میں آگ بھرو، اور قلعے پر آتش باری شروع کرو، کیوں کہ یہ لوگ مدافعت کی طاقت نہیں رکھتے، لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اب قلعے پر منجنیق اور گوپھن سے پتھر اور آگ کی بارش شروع ہوگئی، آخر قلعے والوں کے لیے مقابلہ کرنا ناممکن ہوگیا انھوں نے دروازہ کھول دیا، اور امن طلب کرتے ہوئے باہر آگئے۔

---

(۳۸) مردِ بیمار!

مصعب بن عبداللہ، مصعب بن عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمر نے اشعب[1] سے ملاقات کی، اور کہا، "اشعب آج ہمارے ہاں ہریسہ[2] تیار ہوا ہے کھاؤ گے؟" اشعب نے کہا، "ضرور کھاؤں گا، میرے ماں باپ آپ پر قربان"۔ "تو آنا میرے ہاں" اشعب "اچھا" کہہ کر اپنے گھر چلا گیا۔ وہاں اس کی بی بی نے کہا، تمھارے پاس عبداللہ بن عمر آئے تھے، دعوت دے گئے ہیں"۔ اشعب نے کہا، "کم بخت، سالم بن عبداللہ نے میری ہریسہ کی دعوت کی ہے، اور تو عبداللہ بن عمرو کی دعوت کا حال سنا رہی ہے؟ سالم کے ہاں میرا جانا ضروری ہے"۔ بی بی نے کہا، "اگر وہاں گئے اور وہاں نہ گئے تو عبداللہ بن عمر و خفا ہو جائیں گے"۔ اشعب نے کہا، "پہلے تو میں سالم کے ہاں جاؤں گا، وہاں کی دعوت سے فارغ ہو کر پھر عبداللہ

---

[1] اصل نام شعیب، کنیت ابوالعلا، لوگ اشعب کہنے لگے، پھر یہی نام پڑ گیا، بڑا حریص اور بڑا لالچی تھا، عربوں میں مثل ہی پڑ گئی، "اطمع من اشعب" یعنی فلاں شخص اشعب سے بھی زیادہ لالچی ہے۔

[2] ایک قسم کا کھانا۔

کے ہاں جاؤں گا"

اشعب وقتِ مقرّرہ پر سالم کے ہاں پہنچا، اور وہاں بہت تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کیا، سالم نے کہا، "اچھی طرح کھاؤ، اور جو بچ رہے اسے گھر بھیج دو"

"یہی میں بھی ارادہ کر رہا تھا"

سالم نے اپنے غلام کے ہاتھ باقی کھانا اشعب کے ہاں بھیج دیا۔ اشعب کھانے کا خوان غلام کے سر پر رکھوا کر گھر پہنچا۔ بی بی نے کہا، "عبداللہ آئے تھے تم سے خفا ہو کر گئے ہیں اور قسم کھائی ہے کہ تم سے ایک مہینے تک بات نہیں کریں گے۔" "دیکھا جائے گا، تم تھوڑا سا زعفران تو لاؤ"

زعفران لایا گیا، اشعب حمّام گیا، منہ اور ہاتھ پر خوب زعفران ملا، تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا، پھر حمّام سے عصا ٹیکتا ہوا نکلا، کانپتے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ساتھ عبداللہ بن عمرو کے ہاں پہنچا، دربان نے کہا، "یہ کیا ہوا؟ کیا کچھ بیمار ہو؟"

جب اشعب عبداللہ بن عمرو کے پاس پہنچا تو اتفاق سے وہاں سالم بھی آ گئے تھے، سالم نے کہا۔

"یہ تمھیں کیا ہوا؟ ابھی تو تم میرے ہاں ہریسہ اُڑا رہے تھے"

"میں؟ کب"

"ارے واہ، میں نے تمھیں نہیں بُلایا تھا؟ اور تم نہیں آئے تھے؟"

"نہیں صاحب، شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی"

"کیا مطلب؟"

"جناب مجھے تو ایک مہینہ ہو گیا میں گھر سے باہر بھی نہیں نکلا"

اب عبداللہ بن عمرو سے نہ رہا گیا۔ اس نے سالم سے کہا۔
"آپ کو کیا ہو گیا ہے، آپ کیوں ان پر تہمت لگاتے ہیں؟"
"بخدا میں سچ کہہ رہا ہوں"
عبداللہ نے اشعب سے کہا، "تمھیں میں اپنے سر کی قسم دیتا ہوں، سچ سچ کہہ دو میں ذرا بھی بُرا نہیں مانوں گا"، اشعب نے کہا، "سالم نے بات تو سچی کہی" پھر اسے سارا قصّہ سُنایا، سب ہنستے ہنستے لوٹ ہو گئے۔

---

(۳۹) حاسد شہزادہ!

عزیز بن طلحہ قریش کے متعدد بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالملک مروان کی اولاد میں، ولید بن عبدالملک سے زیادہ حاسد اور بد دماغ کوئی نہیں تھا، ایک روز اس نے اپنا دربار منعقد کیا، لوگ جوق جوق اس کے پاس پہنچے، شعرا کو بھی عام اجازت تھی، وہ بھی اپنے اپنے قصیدے لے لے کر آئے۔ سب سے پہلے ولید سے جس شاعر نے قصیدہ پڑھنے کی اجازت طلب کی وہ عویف[1] القوانی الفزاری تھا، ولید نے کہا، "تم طلحہ ابن عوف زہری کی مدح میں جو کچھ کہہ چکے ہو اب اس کے بعد باقی کیا رہا ہے جو میرے لیے کہو گے؟" عویف نے جواب دیا، "میں نے ان کے لیے جو کچھ عرض کیا ہے وہی آپ کے لیے بھی کہا ہے" اب ولید ذرا برہم ہوا، اس نے کہا، "کیا تم نے ہی

---

[1] عویف بن معاویہ الفزاری، لقب عویف القوانی، دولتِ امویہ کے سرآمد شعرا میں شمار کیا جاتا تھا، کوفے کا رہنے والا تھا، عربوں کے شاندار اور خوش نما مکانات میں سے ایک مکان اس کا بھی تھا۔

ا؎ کی مدح میں نہیں کہا ہے:-

یا طلح انت اخوالندی وحلیفہ ان الندی من بعد طلحۃ ماتا

یعنی اے طلحہ تو سرچشمی کا ساتھی اور سخاوت کا حلیف ہے، طلحہ کے بعد دُنیا سے سخاوت فوت ہو جائے گی۔

کیا تو ہی وہ نہیں ہے؟ جس نے کہا ہے:-

اذا ما جاء یومک یا ابن عوف فلا مطرت علی ارض السماء

ولا سار البشیر بغنم جیش ولا حملت علی الطہر النساء

تساقی الناس بعدک یا ابن عوف ذریع الموت لیس لہٗ شفاء

یعنی "اے ابن عوف جس دن تو اس جہان میں نہیں رہے گا، تو زمین پر آسمان سے بارش کبھی نہیں ہوگی نہ عورتیں بچہ جنیں گی، نہ افواج وعساکر کو فتح وغنیمت حاصل ہوگی۔ اے ابن عوف! تیرے بعد لوگ موت کا جامِ تلخ پئیں گے، اور کبھی شفایاب نہ ہوں گے" ——— نہیں خدا کی قسم میں تیری زبان سے کچھ نہیں سُنوں گا، نہ تجھے انعام و اکرام سے نوازوں گا۔ ——— لے جاؤ اسے یہاں سے"

جب عوف دربار سے نکال دیا گیا، تو اس سے قریشیوں اور شامیوں نے پوچھا، "تمھیں طلحہ نے کیا بخش دیا تھا، جو تم نے اتنی زبردست مدح کر ڈالی؟" عویف نے جواب دیا، "مجھے دوسروں نے بھی نوازا ہے، لیکن طلحہ سے زیادہ خوش گوار اور باموقع عطیہ کسی کا نہیں رہا۔ جب تک زندہ ہوں اسے یاد رکھوں گا۔ اور اس کا ذکر شکر کے ساتھ کروں گا" لوگوں نے پوچھا، "ذرا بتاؤ تو معاملہ کیا تھا؟" کہا، "میں مدینے پہنچا، آشفتہ حال، اور پریشان

؎ طلحہ بن عبید اللہ بن عوف الزہری۔

روزگار، میری پونجی کیا تھی؟ صرف دس دینار! میں نے سوچا زکوٰۃ میں جو جانور وصول ہوتے ہیں وہ بیچ ڈالے جاتے ہیں، انھی میں سے کوئی اونٹ خرید لوں میں نے دیکھا کہ بازار کے بیچوں بیچ قالین پر ایک شخص بیٹھا ہے، لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں، اونٹ پاس ہی کھڑے ہیں۔ میں نے خیال کیا یہ بازار کا عامل ہے، میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے ملائمت سے جواب دیا۔ میں نے کہا، "خدا آپ پر رحم کرے، ان جانوروں میں سے کوئی اچھا سا جانور مجھے چُن دیجیے، میں خریدنا چاہتا ہوں" اس نے کہا، "آؤ آؤ، قیمت لائے ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا، میں نے دس دینار حوالے کیے اس نے قالین کا ایک گوشہ اٹھایا اور رقم ڈال دی، اور پھر اپنے کام میں لگ گیا، جب زیادہ دیر ہوگئی، تو میں نے کہا، "خدا آپ پر رحم کرے، ذرا میری طرف بھی تو توجہ کیجیے" اس نے کہا، "میں تو بھول ہی گیا تھا، تم رسّی لائے ہو؟" میں نے کہا، "لایا تو ہوں" اس نے اپنے آدمیوں سے کہا، "اونٹ کھولو، اور ادھر لاؤ" اونٹ سامنے لائے گئے، پھر اس نے مجھ سے کہا، "ان ان اونٹوں کو باندھ لو"

وہ کہتا گیا میں باندھتا گیا، یہاں تک کہ تیس اونٹ ہو گئے، ان اونٹوں میں جو سب سے چھوٹا اونٹ تھا وہ بھی میری پونجی سے کہیں زیادہ کا تھا، پھر اس نے اپنا قالین اٹھایا، میری رقم مجھے واپس کردی، اور کہا، "اس سے اپنا کام چلاؤ" میں نے کہا، "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟" پھر اس نے میرے ساتھ ایک آدمی کر دیا، جو مجھے راس ثنیہ تک پہنچا آیا، خدا کی قسم جب تک زندہ ہوں، اس احسان کو نہیں بھولوں گا۔

(۴۰) چوری اور سینہ زوری!

حمادؔ[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں محمد الزف، فنِ غنا کا بہت بڑا ماہر تھا۔ جو راگ کسی سے ایک مرتبہ سُن لیتا ازبر کر لیتا۔ جب وہ آنکلتا، ہم لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے تھے، کوئی شخص ہمارا راگ حاصل کرنا چاہتا تو محمد الزف سے التجا کرتا۔ یہ حضرت ایک دفعہ کسی طرح سُن لیتے تو راگ ان کا ہو جاتا، اور اسے سکھا دیتے۔ میرے والد کا تو یہ حال تھا انھیں جو انعام یا تحفہ ملتا اس میں وہ محمد کا حصّہ ضرور رکھتے تھے۔ اس حسنِ سلوک کے پیشِ نظر ان کے راگ کو وہ ایک مضبوط قلعہ تصوّر کرتا تھا جس کے قریب بھی وہ نہیں پھٹکتا تھا، لیکن ابنِ جامع کی تاک میں وہ ہمیشہ رہتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے راگ کے معاملے میں بے حد بخیل تھا۔

ایک روز ابنِ جامع نے ہارون الرشید کو اپنا ایک خاص راگ اس شعر پر سُنایا۔

"وہ ہجر کا معاملہ ہو تو بہادر، وصل کا موقع ہو تو بزدل، اس کا وعدۂ فردا کبھی پورا نہیں ہوتا"

یہ راگ وہ خوب گایا۔ میں نے محمد کو اشارہ کیا، "یہ راگ جانے نہ پائے"

تھوڑی دیر کے بعد میں نماز کے لیے اٹھا، محمد الزف کو بھی اشارے سے میں نے بُلا لیا، وہ آگیا، پھر میں نے مخارق، علویہ، اور عقید کو بھی

---

[1] حمّاد بن اسحٰق موصلی

بُلایا، یہ بھی آ گئے ۔میں نے محمد سے کہا، "ابن جامع کا راگ نو سُنا دُو" اس نے اس کا چربہ اُتارا، ایسا گویا خود ابن جامع گا رہا ہو، وہ برابر گاتا رہا یہاں تک کہ ہماری پوری ٹکڑی نے اسے سیکھ لیا، اس کے بعد میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

جب میرے گانے کی باری آئی، میں نے سب سے پہلے وہی ابنِ جامع والی دُھن چھیڑی اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا، پھر خلیفہ مجھ سے مخاطب ہوا، "کیا تم یہ راگ گا سکتے ہو؟" میں نے کہا، "کیوں نہیں، امیرالمومنین" ابنِ جامع نے کہا، "بالکل جھوٹ، اس نے ابھی ابھی میرے ہی راگ کا چربہ اُتارا ہو" میں نے کہا، "اچھا، یہ بات ہو؟" پھر میرے اشارے کے مطابق علویہ، عقید، اور مخارق نے بھی وہی راگ گایا، اب ابنِ جامع سے نہ رہا گیا، وہ اُچھل پڑا، خلیفہ کے سامنے پہنچا، کہنے لگا "میں اپنی زندگی کی قسم کھاتا ہوں اگر میں غلط کہتا ہوں تو میری بیوی پر طلاق، یہ راگ صرف تین دن ہوئے میں نے ایجاد کیا ہو، اس وقت کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی"

خلیفہ میری طرف مخاطب ہوا، "اچھا اب سچ سچ بتا دو" میں نے سارا قصّہ کہہ سُنایا، خلیفہ بے تحاشا ہنسنے لگا، تالیاں بجاتا، اور کہتا، "ہر شخص کسی نہ کسی بلا میں گرفتار رہتا ہو، ابنِ جامع کی بلا، محمد الزف ہو"!

---

(۴۱) ہجو کا انعام!

ربیعہ رقی[1] نے عباس بن محمد کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، ایسا

---

[1] عہدِ عباسیہ کا ایک مشہور شاعر

بہتر قصیدہ اس نے زندگی بھر شاید ہی کسی کے لیے کہا ہو۔ اس نے کہا:۔
واذ الملوک تسایروا فی بلدۃ کانوکواکبھا وکنت ھلالہا

یعنی "دُنیا کے شاہ و شہریار جب کسی شہر میں مجتمع ہوں، تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ گویا ستارے ہیں، اور تو ان کے درمیان اس طرح جگمگاتا ہے جیسے چاند"۔

ربیعہ توقع کرتا تھا کہ اسے کم از کم دو ہزار دینار انعام ملیں گے، مگر عباس بن محمد نے اس قصیدے کا صلہ کیا بھیجا؟ صرف دو دینار۔ جب ربیعہ کی نظران دو دیناروں پر پڑی تو مارے غصّے کے وہ آگ بھبھوکا ہو گیا۔ اس نے قاصد سے کہا، "یہ دینار میں تمھیں دیتا ہوں، تم لے لو! اور دیکھو اس رقعے کی پشت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کسی طرح عباس تک پہنچا دینا۔ ربیعہ نے رقعہ میں لکھا تھا:۔

"میں نے تیری مدح کی، جیسے مرصّع تلوار ہوتی ہے تاکہ وہ بھی وہی مقام حاصل کرے جو میرا ہے لیکن تو ایسا آدمی ہے جو وفا سے ناآشنا ہے۔ میں نے تیری جو مدح کی وہ غلط، جو تحسین کی وہ افترا تھا، تیری مدح کر کے میں نے اپنے کمال کو بٹّہ لگایا، تیری مدح میں نے کی، گویا زنا کا جُرم کیا"۔

عباس کی اس رقعے پر نظر پڑی، اٹھایا، پڑھا، غصّے سے بے قابو ہو گیا۔ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا، اور ہارون رشید کے پاس پہنچا۔ ہارون اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، اس کا ارادہ تھا کہ اسی کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرے، اُس نے جو اسے برافروختہ مزاج دیکھا تو پوچھا:۔

"کیا بات ہے؟"

"ربیعہ نے میری ہجو کی ہے"

فوراً ربیعہ بابِ خلافت پر طلب کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا، "کیوں نمک حرام، تو نے عباس کی ہجو کی؟ جسے میں بہت محبّت اور عزّت کی نظر سے دیکھتا ہوں!" ربیعہ نے کہا، "خُدا کی قسم، یا امیرالمومنین میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا، ایسا قصیدہ کہ کسی شاعر نے خلیفہ کی مدح میں بھی نہیں کہا ہوگا، میں نے ان کی تعریف میں پورے مبالغے سے کام لیا اور ان کے اوصاف کھول کھول کر بیان کیے، اگر امیرالمومنین کو یقین نہ ہو میرا قصیدہ منگوالیں اور ملاحظہ فرمائیں۔" خلیفہ نے عباس کو حکم دیا کہ ربیعہ کا رقعہ منگایا جائے، اس لیے کہ اب اسے بھی قصیدہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا تھا۔ عباس نے آنا کانی شروع کی۔ رشید نے کہا، "میں تمھیں قسم دیتا ہوں رقعہ فوراً منگواؤ" عباس نے محسوس کیا اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ رقعہ منگوایا گیا، رشید نے اسے دیکھا تو وہی کچھ پایا جو ربیعہ نے کہا تھا۔ اس نے قصیدے کی بہت تعریف کی، اور کہا، "خُدا کی قسم کسی شاعر نے کسی خلیفہ کی بھی اتنی پُرزور مدح نہیں کی ہوگی، ربیعہ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا" پھر وہ عباس سے مخاطب ہوا "تم نے اس کا کیا صلہ دیا؟ ربیعہ نے دخل دیا، کہا، "امیرالمومنین اس قصیدے کے صلے میں انھوں نے مجھے دو دینار بھیجے، اس سے میں برافروختہ ہوا"، خلیفہ کو یقین نہیں آیا، اس نے کہا، "ربیعہ میں تمھیں اپنی قسم دیتا ہوں سچ سچ بتاؤ" ربیعہ نے کہا، "امیرالمومنین کی مبارک زندگی کی قسم ان کے دو دیناروں نے مجھے برافروختہ کیا؟" اب رشید کو بہت غصہ آیا، اس نے گھور کر عباس کو دیکھا اور کہا، "کیوں تم نے اسے خفا کیا

مال کی کمی سے ؟ تو تمھیں میں نے بہت کچھ دے رکھا ہے، یہ تمھارے چھچھورے پن کا نتیجہ ہے جس کے تم خود ذمے دار ہو۔ تم نے اپنے آبا و اجداد کو ذلیل، مجھے خفیف اور اپنے تئیں رسوا کیا۔

پھر خلیفہ اپنے غلام سے مخاطب ہوا، اسے حکم دیا کہ ربیعہ کو تیس ہزار درہم فوراً دیے جائیں، بیش بہا خلعت بھی دیا جائے۔ پھر رشید نے مجھ سے کہا، "اب اس واقعہ کا تعریض یا تصریح کسی طرح کا ذکر نہ کرنا"۔ میں یوں نوازا گیا، اور عباس کو یہ سزا ملی کہ ان کی نسبت خلیفہ کی صاحب زادی سے ٹوٹ گئی۔ وہ خلیفہ کی نظروں سے گر گئے

---

(۴۲) دلِ دردمند!

محمد[1] بن امیہ روایت کرتے ہیں کہ میں ابراہیم بن مہدی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ابوالعتاہیہ آیا، وہ دنیا سے خفا تھا۔ درویشی اختیار کر چکا تھا، شعر گوئی ترک کر رکھی تھی۔ اگر کہتا بھی تھا تو "چند پند"! ابراہیم نے اس کا قرار واقعی احترام کیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔

ابوالعتاہیہ نے اس سے کہا، "یا امیر میں نے سنا ہے آپ کے غلاموں میں کوئی ابنِ امیہ ہے، جسے آپ نے اپنا ندیم و رفیق بنا رکھا ہے؟ میں نے اس کے کچھ اشعار سنے ہیں، مجھے تو بہت پسند آئے، وہ کہاں ہے

---

[1] محمد بن امیہ بن ابی امیہ، کاتب، شاعر، انشاپرداز، بذلہ سنج سب ہی کچھ تھا، خط بہت پاکیزہ اور بیان بہت شیریں، مہدی کا معتمد بھی رہ چکا تھا، شاہی مہر اس کے پاس رہتی تھی، اور اس کے خزانے کا اہتمام بھی اس کے سپرد تھا، ابراہیم اس کا بڑا قدر دان تھا،

کیا کرتا ہے؟

ابراہیم ابوالعتاہیہ کی یہ باتیں سُن کر ہنسا، کہا، "ابنِ امیہ تو اس مجلس کے تمام لوگوں میں تم سے قریب تر بیٹھا ہوا ہے" پھر وہ میری طرف مخاطب ہوا، "تم ہو ابنِ امیہ؟" میں لحاظ سے کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ میں نے کہا، "میں محمد بن امیہ ہوں، کبھی دو چار شعر جی بہلانے کو کہہ لیتا ہوں نوجوان جو ٹھہرا" "یہی تو شعر و شاعری کے لیے بہترین زمانہ ہے" اس طرح وہ حوصلہ افزائی کی باتیں کرتا رہا، یہاں تک کہ میں رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہو گیا، پھر وہ ابراہیم بن مہدی سے گویا ہوا:۔

"ان سے کہیے کچھ سُنائیں" ابراہیم نے مجھ سے اصرار کیا، میں نے چند اشعار سُنائے:۔

"بہت سے وعدے تو نے مجھ سے کیے، جنھیں میں نہیں بھول سکتا۔ تیرے وعدوں کا شکر مجھ پر واجب ہے، اگرچہ وہ پورے نہ کیے گئے ہوں۔ میں حُسنِ ظن برتتے ہوئے اپنی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوں، اور اس طرح اس مصیبت سے بے پروا رہتا ہوں، جو ٹلنے والی نہیں ہے۔ جب میں کسی اچھے دن کی توقع کرتا ہوں، تو میری تمناؤں کے راستے میں کوئی سنگِ گراں حائل ہو جاتا ہے، میں زمانے کو دیکھ رہا ہوں، وہ میری ان آرزوؤں کو جو تجھ سے وابستہ ہیں، قریب تو نہیں کرتا۔ ہاں میری موت کے وقت کو قریب تر کرتا جاتا ہے ——"

یہ اشعار سُن کر ابوالعتاہیہ پر گریہ طاری ہوا، آنسو بہہ بہہ کے اس

کی داڑھی پر گرنے لگے، آخری شعر وہ بار بار دہراتا تھا۔ اسی حالت میں وہ اٹھا، اور باہر چلا گیا۔

---

(۴۳) قید و بند!

ابن کلبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ قبیسہ ابنِ کلثوم السکونی۔ اس نے حج کا ارادہ کیا، جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اہلِ عرب جب حج کے ارادے سے نکلتے تو ایک دوسرے سے مطلق تعرض نہیں کرتے تھے۔ قیسبہ، قبیلۂ بنو عامر بن عقیل کے پاس سے گزرا، قبیلے والوں نے حملہ کرکے اسے گرفتار کرلیا، جو کچھ مال و دولت تھا سب چھین لیا، اور اسے قید کرلیا۔

اسی طرح قید و بند میں قیسبہ کو تین سال کی مدت گزر گئی، یمن میں یہ مشہور ہو گیا کہ اسے کوئی جن اُڑا لے گیا۔ جاڑے کا موسم تھا، کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، قیسبہ ایک بڑھیا کے مکان میں قید تھا۔ اس نے کہا، "کیا تم مجھے اجازت دو گی کہ میں سامنے کے ٹیکرے پر بیٹھ کر دھوپ کھالوں؟ سردی کے مارے بُرا حال ہوا جاتا ہے" بڑھیا نے کہا، "ہاں چلے جاؤ" وہ ایک منقش یمنی جبّہ پہنے ہوئے تھا، اس کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا، وہ اپنی بیڑیوں اور زنجیروں کو کھڑکاتا ہوا اُوپر چڑھ گیا، وہاں بیٹھ کر اس نے یمن کی طرف نظر دوڑائی، اس کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں، وہ رونے لگا، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے کہا، "اے آسمان کو سکون دینے والے خُدا، جس مصیبت میں میں گرفتار ہوں اس سے نجات دے" اتنے

میں کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے ایک سوار جا رہا ہے قیبسہ نے اشارہ کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، جب وہ سامنے آ کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا۔

"کیوں بھائی کیا بات ہے؟"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"یمن کا ارادہ ہے!"

"تم کون ہو؟"

"ابو الطمحان القینی[۵]"

قیبسہ کی آنکھیں پھر اشک آلود ہو گئیں، وہ رونے لگا، ابو الطمحان نے اس سے پوچھا، "اے شخص تو کون ہے؟ میں تجھ میں اچھائی کی نشانیاں دیکھتا ہوں۔ تیرا لباس بھی بادشاہوں کا سا ہے، لیکن تو ایسے گھر میں ہے جس سے بادشاہوں کو کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا"

"میں قیبسہ بن کلثوم السکونی ہوں، فلاں سال حج کے ارادے سے میں نکلا، اس قبیلے نے مجھ پر حملہ کیا، اور جو کچھ میرے ساتھ کیا تم دیکھ رہے ہو"

یہ کہہ کے قیبسہ نے اپنے پاؤں کی بیڑیاں اور زنجیریں بھی دکھائیں۔ یہ منظر دیکھ کر ابو الطمحان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے قیبسہ سے کہا۔

"کیا تم سُرخ رنگ کی سَو اونٹنیاں چاہتے ہو؟"

"خدا کی قسم مجھ سے زیادہ کوئی بھی ان کا محتاج نہیں ہے"

---

[۵] ابو الطمحان، نام حنظلہ بن الشرقی، اچھا شاعر تھا، نڈر اور بہادر تھا، اس نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا، اور اسلام کا بھی، لیکن ہر دور میں کسی دین پر بھی صداقت سے قائم نہ رہا جاہلیت کے زمانے میں یہ زبیر بن عبد المطلب کا ندیم اور مصاحب تھا۔

"اچھا اپنا اونٹ بٹھاؤ"

اس نے اپنا اونٹ بٹھالیا، پھر قیسبہ نے اس سے پوچھا،

"کیا تمھارے پاس چھُری ہر؟"

"ہاں ہر"

"کجاوے پر جو کچھ ہر اسے ہٹادو"

اس نے کجاوے پر سے جو کچھ تھا ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ کجاوے کے آخری سرے کی لکڑی قیسبہ کو دکھائی دینے لگی۔ اس نے چھُری سے کجاوے کے آخری سرے پر خطِ مسند[۱] میں کچھ اشعار لکھے۔ یہ خط یمنیوں کے سوا کسی کو نہیں آتا تھا:۔

"کندہ کے سب بادشاہوں کو میرا یہ پیام، اے قاصد، پہنچا دے

جہاں شرفا کو اونٹ لے کر چلتے ہیں

کہ وہ لشکر و عسکر کے ساتھ مقامِ عین پر آئیں، بہت جلد، پھر

وہاں سے اس طرح لوٹیں کہ مالِ غنیمت سے بوجھل ہو رہے

ہوں۔

میری پڑوسن مجھ پر تمسخر کرتی ہر، اور عجیب باتیں کرتی ہر،

جب وہ میری گردن کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتی ہر۔

اگر تو مجھے دُبلا پتلا قیدی دیکھتی ہر، تو بات یہ ہر کہ اس قید

نے مجھ میں ضعف اور کمزوری پیدا کردی ہر۔

میں ایسا لشکر لاؤں گا، جو تلواروں سے مسلح ہوگا، خود میں

بھی ہتھیار بند اور زرہ پوش ہوں گا"

ان اشعار کے نیچے اس نے اپنے بھائی کو لکھا کہ ابوالطمحان کو سنو اونٹنیاں

---

[۱] یہ ایک رسمِ خط تھا، جسے بنو حمیر استعمال کرتے تھے۔

دے دی جائیں۔ پھر اس نے ابوالطمحان سے کہا، "اگر میری قوم نے یہ پڑھ لیا، تو تمھیں سَو سُرخ اونٹنیاں مل جائیں گی"

ابوالطمحان روانہ ہوا، یہاں تک کہ وہ حضرموت پہنچا، یہاں اپنے کاروبار میں کچھ ایسا اُلجھا کہ قیبسہ کی بات بالکل بھول گیا، کچھ عرصے بعد وہ اپنے کاموں سے نپٹ گیا، ایک روز اس نے یمن کی بعض بوڑھی عورتوں کو سُنا کہ وہ قیبسہ کو یاد کر کر کے رو رہی ہیں، اب اسے وہ بات یاد آئی، وہ قیبسہ کے بھائی، جون بن کلثوم کے پاس پہنچا، اس نے کہا، "میں تمھیں قیبسہ کا پتا بتاتا ہوں، اس نے مجھے ایک سو اونٹ دینے کو کہا ہے" جون نے کہا، "اونٹ ضرور تمھیں ملیں گے"

اب ابوالطمحان نے اپنا کجاوہ دکھایا۔ جون نے جب اسے پڑھا، تو فوراً ابوالطمحان کو سَو اونٹ دینے کا حکم صادر کر دیا۔ پھر وہ قیس بن معدی کرب الکندی ابوالاشعث بن قیس کے پاس آیا، اور کہا، "سُنتے ہو، میرا بھائی بنی عقیل کے ہاں قید ہے، اپنا قبیلہ لے کر میرے ساتھ چلو"

اس نے کہا، "کیا تم اس پر راضی ہو کہ میرے پرچم کے نیچے چلو؟ میں تمھارا بدلہ لے لوں گا، اور تمھیں کامیاب کروں گا، اگر راضی نہیں تو اپنی راہ لو"

جون نے کہا، "آسمان کو چھو لینا آسان ہے، لیکن تو جو فرمایش کرتا ہے اس کا پورا کرنا میرے لیے مشکل ہے" ان دونوں کی ان باتوں پر سکونیوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں، وہ لوگ جون کے پاس آئے، اور اس سے کہا، تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ قیس تمھارا ابنِ عم ہے، تمھارے ہی لیے بدلہ لینے کو کہتا ہے، اور تم ٹیڑھی میڑھی باتیں کرتے ہو، جو وہ کہتا ہے مان کیوں نہیں

لیتے ؟"

جون اٹھ کھڑا ہوا، قیس بھی چل پڑا، دونوں ایک پرچم کے نیچے چلے، کندہ اور سکون کے قبائل بھی ساتھ تھے، یہ پہلا دن تھا کہ سکون اور کندہ یہ دو قبائل ایک جگہ قیس کے سبب جمع ہوئے، یہ قیس کے لیے بڑی بزرگی کی بات مانی جاتی ہے۔

یہ گروہ روانہ ہوا، قبیلۂ بنو عقیل پر حملہ آور ہوا، بڑے معرکے کا رن پڑا، آخران لوگوں نے قیسبہ کو رہا کرا لیا۔ اس موقع پر سلامہ بن صبیح الکندی نے کہا:۔

"(اے اہل کندہ) تم ہمیں بُرا بھلا نہ کہو، جب کہ ہم تمھارے لیے میدانِ جنگ میں دو ہزار گھوڑے کھینچ لائے۔

ہمارے گھوڑوں نے (اے بنی عقیل) تمھاری زمین پر پیشاب کیا، یہاں تک کہ ہم نے تم سے قیسبہ کا بدلہ لیا ہے۔

ہمارے اور حریف کے مابین قبیلۂ مذحج حائل ہوگیا، اس قبیلے کے لوگ ہمارے لشکر سے اس حالت میں ملے جب کہ وہ مصروفِ پیکار تھا۔"

---

(۴۴) گانے کا رسیا!

محمد بن حارث بن کلیب بیان کرتے ہیں کہ ابن عائشہ المدنی ولید بن یزید کے دربار سے انعام و اکرام اور تیس ہزار درہم نقد لے کر اپنے گھر کی طرف چلا، راستے میں اس نے ایک دیہاتی آدمی کو دیکھا جو بیند

پی رہا تھا، دیہاتی نے اپنے لڑکے سے پوچھا، "یہ سوار کون ہے؟" لڑکے نے کہا، "مشہور مغنّی ابنِ عائشہ" اب وہ ابنِ عائشہ کے قریب آیا، اور پوچھا، "آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ نے بیٹا بنایا ہے؟" "نہیں میں قریش کا ایک فرد ہوں، میری ماں کا نام عائشہ تھا آپ کو اس طرح کے سوالات کرنے کا حق نہیں"

"یہ مال و منال میں آپ کے پاس کیسا دیکھ رہا ہوں؟"

"امیر المومنین نے میرا گانا پسند کیا، اور یہ دولت بے حساب بخش دی"

"کیا آپ مجھ پر احسان کریں گے؟ تھوڑا سا گانا سنا دیجے گا؟"

"عجیب شخص ہو، مجھ سا شخص، راستے گلی میں گانا سناتا پھرے گا؟"

"پھر کیا صورت ہو سکتی ہے؟"

"میرے گھر چلو"

یہ کہہ کر ابنِ عائشہ نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی، اور آگے بڑھ گیا، تاکہ اس دیہاتی سے پیچھا چھوٹے۔ آگے آگے ابنِ عائشہ اور پیچھے پیچھے وہ دیہاتی دونوں ایک ساتھ دروازے پر پہنچے، گویا دونوں ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے تھے کہ جلدی اور پہلے کون پہنچتا ہے؟

ابنِ عائشہ گھر کے اندر داخل ہو گیا، اور بڑی دیر تک باہر نہیں نکلا، وہ سمجھا تھا شاید دیہاتی انتظار نہ کر سکے اور چلا جائے۔ وہ ایک گھاگ تھا، کیا جاتا، تنگ آکر ابنِ عائشہ نے اسے اپنے غلام سے اندر بلوایا

جب دیہاتی اندر آیا، تو ابنِ عائشہ نے اس سے کہا، "تمھیں کہاں سے خدا نے مجھ پر مسلّط کر دیا ہے؟" دیہاتی نے کہا، "میں تو دیہات کا رہنے والا ہوں، آپ کا گانا سننے کا اشتیاق ہے" ابنِ عائشہ نے کہا، گانے سے بھی زیادہ

فائدے کی ایک بات بتاؤں ؟

"کہیے"

" دوسو دینار دیتا ہوں اور دس تھان بڑھیا کپڑوں کے۔ یہ لے جاؤ اور اپنے بال بچّوں کے ساتھ مزے کرو"

" سُنیے صاحب! میری ایک ننھّی مُنّی بچّی ہے، خُدا جانتا ہے اس کے کان میں چاندی کی بالی بھی نہیں، سونا تو خیر بڑی چیز ہے۔ میری ایک بی بی بھی ہے، خُدا دیکھتا ہے اس کے بدن پر قمیص بھی نہیں، لیکن بندہ پرور جو کچھ امیرالمومنین نے آپ کو دیا ہے وہ سب بلکہ اس کا دوگنا بھی آپ مجھے مرحمت کردیں، تو بھی اپنے فقر و افلاس کے باوجود میں یہی پسند کروں گا کہ بجائے دولت و ثروت کے آپ کا گانا سُن لوں"!

ابن عائشہ کا اصول تھا کہ وہ صرف خلیفہ یا دوسرے جلیل القدر لوگوں کو گانا سُنایا کرتا تھا، اسی لیے وہ اسے سُنانے سے کنّی کاٹ رہا تھا۔ مگر جب اس نے یہ اشتیاق دیکھا تو ساز منگایا، اور گانا سُنانے لگا، دیہاتی سُن رہا تھا اور مست ہو ہو کے جھوم رہا تھا، پھر وہ اُٹھا، جیسا خالی ہاتھ آیا تھا، ویسا ہی خالی ہاتھ چلا گیا۔

اُڑتے اُڑتے یہ خبر ولید بن یزید کو بھی پہنچی۔ اس نے ابن عائشہ سے ماجرا پوچھا۔ پہلے تو اس نے ٹالے بالے بتائے، پھر واقعہ کی تصدیق کی۔ خلیفہ نے حکم دیا، دیہاتی دربار میں پیش کیا جائے۔

خلیفہ نے اسے انعام و اکرام سے مالا مال کیا، اور اپنے ندیموں میں شامل کرلیا! ساقی گری کی خدمت اس کے سپرد کردی اور وہ مرتے دم تک دربار میں رہا۔

(۴۵) جیل میں!

حمزہ بن بیض[1] قید خانے میں یزید بن المہلب[2] سے ملنے گیا، اور اسے چند مدحیہ اشعار سنائے، یزید نے کہا، "حمزہ! ایسے بُرے وقت تمھیں مدح و توصیف کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تم نے اچھا نہ کیا!" پھر اس نے اپنے فرش کے نیچے سے ایک تھیلی اٹھائی، اور اس کی طرف پھینک کر کہا، "یہ چند دینار لے لو! اس سے زیادہ میرے پاس کیا ہے؟" حمزہ نے تھیلی لے لی، ارادہ کیا کہ اسے واپس کر دے، یزید نے اس سے آہستہ سے کہا، "دھوکا نہ کھاؤ، لے لو"

حمزہ کہتا ہے، جب یزید نے مجھ سے کہا، "دھوکا نہ کھاؤ" میں سمجھ گیا، اس میں دینار نہیں کچھ اور ہے، مجھ سے دربان نے پوچھا، "یزید نے تمھیں کیا دیا؟" "دینار! میں نے تو ارادہ کیا تھا واپس کر دوں، مگر پھر خاموش ہو گیا"

جب میں اپنے گھر پہنچا، تو میں نے پوٹلی کھولی، دیکھتا کیا ہوں اس

---

[1] حمزہ بن بیض، حنفی، دولتِ امویہ کے بہترین شعرا میں شمار ہوتا تھا، مہلب بن ابی صفرہ اور اس کے بیٹے کے دامن دولت سے وابستہ تھا، دولتِ عباسیہ کے عروج سے پہلے وفات پا گیا، [2] عبدالملک ولید بن عبدالملک، اور سلیمان بن عبدالملک نیز عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کے زمانے کا مشہور و معروف شخص، نڈر، بے باک، دلیر اور بہادر تھا، ۱۰۲ھ میں اس کے اور مسلمہ بن عبدالملک کے درمیان جنگ ہوئی، اسی جنگ میں مارا گیا۔

میں ایک نگینہ یاقوتِ سُرخ کا رکھا ہوا ہے اور لعلِ شب چراغ کی طرح چمک رہا ہے۔

میں نے اپنے دل میں کہا، اس مال کو اگر عراق میں بیچتا ہوں تو پکڑا جاؤں گا، لہٰذا میں نے خراسان کا رُخ کیا، اور ایک یہودی کے ہاتھ ۳۰ ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ جب رُپی ہیرے اور نگینہ یہودی کے ہاتھ میں پہنچ گیا، تو اس نے کہا، "اگر تم پچاس ہزار پر اَڑ جاتے تو خُدا کی قسم میں پچاس ہزار میں اسے خرید لیتا" یہ سُن کر میرے دل میں آگ سلگنے لگی۔ یہودی نے میرے چہرے کا رنگ متغیّر دیکھا تو کہا: "بھائی میں ٹھہرا تاجر، تم کو اس وقت تکلیف ہوئی"۔ میں نے کہا، "تکلیف کی خوب رہی، تم نے تو مجھے قتل کر دیا" اس نے کہا، "اچھا، یہ سَو دینار اور لو، تاکہ تمھارے راستے میں کام آئیں۔

---

(۴۶) بدنام داماد!

ابراہیم بن مدبّر[1] بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس محمد بن صالح[2] قید سے رہائی پاکر آئے۔ انھوں نے کہا، "آج کا دن میں تمھارے پاس گزارنا چاہتا ہوں لیکن اس طرح کہ میرے تمھارے سوا کوئی اور نہ ہو تاکہ تم سے کچھ راز کی باتیں کہوں، مناسب نہیں کہ وہ باتیں ہم دونوں کے علاوہ کسی اور کے

---

[1] ابراہیم بن مدبّر، شاعر، انشاپرداز، متوکل کے دربار میں بڑی عزت رکھتا تھا۔

[2] محمد بن صالح، شاعر، بذلہ سنج، یکے از شعراءِ اہلِ بیت، متوکل پر اس نے خروج کیا، پکڑا گیا، پھر اس کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور رہائی پائی۔

کانوں میں پڑیں، میں نے کہا، "بسروچشم"!

اس نے کہا، "ایک مرتبہ میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نکلا، راستے میں ہم ایک قافلے سے دوچار ہوئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس پر حملہ کر دیا، اہلِ قافلے کو شکست دی، اور جو کچھ ان کے پاس تھا چھین لیا۔ میں لوٹ مار کی چیزیں جمع کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک ہودج سے ایک عورت نے میرے سامنے سر نکالا، اس سے زیادہ خوب صورت اور شیریں گفتار عورت میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی، وہ مجھ سے کہنے لگی، "اے نوجوان، اس لشکر کے امیر کا مجھے پتا دے"

"تم نے ابھی اُس سے باتیں کیں اور اس نے تمھاری باتیں سُنیں"

"تجھے خُدا کی قسم، کیا وہ تو ہی ہے؟"

"ہاں خُدا کی قسم میں ہی ہوں"

"اچھا تو سُن! میں حمدونہ بنتِ عیسیٰ بن ابی خالد ہوں، میرا باپ جاہ و دبدبے کا آدمی ہے، خدا نے اپنی نعمت سے ہمیں مالا مال کیا ہے، اگر تم سُن چکے ہو تو یہ کافی ہے، نہیں سُنا ہے تو میرے سوا کسی اور سے پوچھ سکتے ہو، میں اپنے منہ سے کیا کہوں؟ میرے پاس جو کچھ ہے سب تمھیں سونپتی ہوں، اس کے بدلے میں تمھیں عہد کرنا پڑے گا۔ عہد یہ کہ تم میری حفاظت کرو، اور مجھے پوشیدہ رکھو، یہ میرے پاس ایک ہزار دینار ہیں جو میرے خرچ کے لیے ہیں۔ یہ تم لے لو، میرے بدن پر جو زیور ہے، پانچ سو دینار سے کم کا وہ بھی نہیں ہے، وہ بھی تم لے لو۔ اس کے علاوہ اگر تم چاہو گے، تو مکہ، مدینے یا دوسرے تاجروں سے بھی کچھ سامانِ تجارت لے دوں گی۔ کسی کی مجال نہیں ہے کہ میں اس سے کچھ مانگوں اور وہ نہ دے، لیکن ان سب باتوں کا صلہ تمھاری طرف سے

مجھے یہ ملنا چاہیے، کہ میری حفاظت کرو، اپنے ساتھیوں سے مجھے بچاؤ، اور جو غار مجھے لگ گیا ہے، اس سے بری کرو" اس کی باتیں میرے دل میں گھر کر گئیں، میں نے کہا، "خُدا نے تمھیں جو مال دیا ہے، جو عزّت دی ہے، وہ تمھاری ہے۔ قافلے کا جو کچھ ہے وہ بھی تمھارا ہے" پھر میں باہر نکلا، اپنے ساتھیوں کو بُلایا، اُن سے میں نے کہا، "اس قافلے کو میں نے پناہ دی ہے، اور اس کی عزّت، مال و متاع کا بھی ذمّہ لیا ہے۔ اب اگر کسی نے اس کا ایک دھاگا بھی لیا، تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ یہ سب کچھ خُدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہے، ان کے بعد میری حفاظت ہے، اس اعلان کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ میں آگے بڑھ گیا۔

اب سُنیے، کچھ عرصے بعد میں گرفتار ہوا، اور قید کر دیا گیا۔ ایک روز میرے پاس جیلر آیا اور کہنے لگا، "دروازے پر دو عورتیں کھڑی ہیں، اپنے تئیں تمھارے گھر کا بتاتی ہیں، انھوں نے مجھے سونے کا ایک کنگن دیا ہے اور درخواست کی ہے کہ میں انھیں تم تک پہنچا دوں۔ اب وہ دہلیز پر کھڑی ہیں، ملنا چاہو تو دروازے تک چلو" میں سوچنے لگا کہ اس شہر میں مجھے کوئی نہیں پہچانتا کون ہے جو مجھ سے ملنے آئے؟ میں دہلیز پر پہنچا، تو دیکھتا کیا ہوں حمدونہ کھڑی ہے اس نے مجھے ہتکڑی، بیڑی میں جکڑا ہوا دیکھا تو بے اختیار رونے لگی۔ دوسری عورت جو اس کے پاس کھڑی تھی، اس نے پوچھا، "یہی وہ شخص ہے"؟

"ہاں، خُدا کی قسم یہی ہے" پھر وہ میری طرف مخاطب ہوئی، کہنے لگی:-

"تم پر میرے ماں باپ فدا، خُدا گواہ ہے اگر تم کو میں اس مصیبت سے نجات دلا سکتی تو ضرور دلاتی، میری جانب سے تم اسی سلوک کے مستحق تھے، میں تمھاری مدد سے ہاتھ نہیں کھینچوں گی، جیسے بھی تمھیں رہا کرا سکوں گی کروں گی۔ یہ چیزیں تم قبول کرو، یہ دینار ہیں، یہ کپڑے ہیں، یہ خوشبو ہے، انھیں لینے

پاس رکھو، میرا قاصد ہر روز تمھارے پاس آتا رہے گا، اور جو کہوگے کرے گا۔"
اس کا قاصد روز میرے پاس آتا، اور مزے مزے کے کھانے ساتھ لاتا۔ وہ جیلر کی بھی خاطر مدارات کرتا رہتا تھا اس لیے بے روک ٹوک میں جو چاہتا تھا منگواتا رہتا تھا۔ آخر خدا نے جب مجھ پر رحم کیا، اور میں نے رہائی پائی، تو حمدونہ سے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے کہا، جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو دل و جان سے تمھاری ہو چکی، لیکن فیصلہ میرے ہاتھ میں نہیں والد کے ہاتھ میں ہے۔
میں اس کے والد کے پاس پہنچا، اور حمدونہ سے نکاح کی درخواست کی۔ اس نے کہا، "بجا ارشاد ہوا، آپ سے اس کا نکاح کر کے ان سب افواہوں کی تصدیق کر دوں، جو جناب کے متعلق پھیل رہی ہیں تم تو ہمارے لیے رسوائی کا سبب بن چکے، تم سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے" میں چپ چاپ اٹھ کر چلا آیا۔
ابراہیم نے محمد بن صالح سے کہا، "تم فکر مت کرو، عیسیٰ میرے بھائی کا پروردہ ہے، میں معاملہ طے کرا دوں گا" دوسرے روز عیسیٰ کے مکان پر گیا، میں نے کہا، "تمھارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں" اس نے گرم جوشی سے کہا، "فرمائیے" میں نے کہا، "تمھاری لڑکی کا پیام لایا ہوں" اس نے کہا، "لڑکی آپ کی باندی اور میں آپ کا غلام" میں نے کہا، "میں ایسے شخص کی طرف سے پیام لے کر آیا ہوں جو اپنے والدین کے اعتبار سے میرے والدین سے بہتر ہے، اس کی دامادی تمھارے لیے باعث شرف ہے۔ وہ ہے محمد بن صالح العلوی" عیسیٰ نے کہا، "یا سیدی، اس کے سبب تو ہم بہت بدنام ہو چکے ہیں، لوگ چہ می گوئیاں کرتے ہیں" میں نے کہا، "کیا وہ غلط نہیں ہیں؟" "جی ہاں ہیں تو غلط!" میں نے کہا، "شادی کے بعد سب باتیں خود بخود زائل ہو جائیں گی،" وہ راضی ہو گیا، میں نے فوراً محمد بن صالح کو بلوایا، عیسیٰ کے

سامنے اسے پیش کیا ــــــ آخر حمدونہ سے اس کی شادی ہوگئی!

---

(۷۴) شاعر کی حیلہ سازی!

مسہل بن کمیت[1] بیان کرتے ہیں کہ حکیم بن عباس الاعور کلبی قبیلۂ مضر کی ہجو بہت کرتا رہتا تھا، مضر کے شعرا اس کی ہجو کرتے رہتے تھے۔ کمیت کہا کرتا تھا، "حکیم تم سب میں بہت بڑا شاعر ہے" لوگوں نے اس سے کہا، ایک شخص نے تم پر جو الزامات لگائے ہیں ان کا بھی تم نے جواب دیا؟ اس نے کہا، "خالد بن عبداللہ القسری میرا محسن ہے، میں اس سے تو، تو، میں میں نہیں کرسکتا۔ لوگوں نے کہا، "ہوگا، لیکن سنو تو، اس نے تمھاری چچا زاد، پھوپی زاد، اور خالہ زاد بہنوں کی کیسی کیسی ہجو کی ہے" یہ کہہ کر انھوں نے چند ہجو یہ اشعار سنائے، کمیت کی حمیت خاندانی جوش میں آئی۔ اُس نے ایک پُر زور قصیدہ ہجو یہ جواب میں کہا۔ خالد کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی، اس نے کہا، "کمیت نے میرے خاندان والوں کو چھوڑ دیا ہے تو جو کچھ بھی کہا ہو، میں اس کی پروا نہیں کرتا" لوگوں نے کہا،

---

[1] کمیت بن زید الاسدی، مشہور شاعر، لغاتِ عرب، تاریخ عرب، اور قصصِ عرب کا ماہر خصوصی، یکے از شعرا مضر، بنی امیہ کے زمانے میں اس نے فروغ پایا، دولتِ عباسیہ کے ظہور سے پہلے راہیٔ عدم ہوا، اپنے تشیع میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ بنی ہاشم سے اسے عشق تھا، لیکن تعجب یہ ہے کہ طرماح سے اس کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ تمسکل سے دو آدمیوں میں ایسے گہرے روابط دیکھے گئے ہوں گے، حالاں کہ مذہباً دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔ کمیت بڑا اکڑ شیعہ تھا اور طرماح ویسا ہی سخت خارجی تھا!

"آپ پروا نہیں کرتے، کچھ سُنا بھی اس نے کہا کیا ہے؟" یہ کہہ کر انھوں نے کمیت کے قصیدے کے چند اشعار سنائے۔ خالد بہت برہم ہوا، اس نے کہا، "خدا کی قسم میں اسے قتل کرا کے رہوں گا"

خالد نے بڑی گراں قیمت پر تیس[۳] کنیزیں خریدیں، جو حسن و جمال، تہذیب و تربیت، زبان دانی اور بذلہ سنجی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھیں پھر اس نے انھیں "ہاشمیات[۵]" یاد کرائے، اور انھیں اس نیلام گھر میں بھیج دیا، جہاں سے ہشام بن عبدالملک کے لیے خرید فروخت ہوتی تھی، چنانچہ یہ سب خرید لی گئیں، جب وہ مانوس ہوگئیں تو ان کی گل افشانی نے ہشام بن عبدالملک کو گرویدہ کر لیا۔ اس نے ان کنیزوں سے قرآن سُنا تو قرآن بھی بڑے لحن سے پڑھتی تھیں، اور شعر بھی خوب سُناتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے کمیت کے "ہاشمیات" میں سے کچھ شعر پڑھنا شروع کیے، ہشام نے کہا، "کم بختو! یہ شعر کس کے پڑھ رہی ہو؟" کنیزوں نے کہا، "کمیت بن زید الاسدی کے اشعار ہیں"۔ ہشام نے پوچھا، "وہ کس شہر میں رہتا ہے؟" جواب ملا، "کوفے میں!" ہشام نے فوراً عراق کے گورنر خالد کو پروانہ لکھا کہ "میرے پاس کمیت بن زید کا سر بھیجو"!

خالد نے راتوں رات کمیت کو گرفتار کر کے زنداں خانے میں ڈال دیا، دوسرے دن صبح مضر کے اعیان و مشائخ کے سامنے، ہشام کا خط پڑھا، اور ان لوگوں سے کمیت کے قتل کے بارے میں معذرت کی، کہ وہ حکم شاہی سے

۵؎ "ہاشمیات" کمیت کے وہ قصائد جو اس نے بنی ہاشم کی مدح میں کہے تھے، جن میں بنی امیہ کے جور و ستم کو صفائی سے بیان کیا تھا۔ ان قصائد کا شمار بہترین قصائد میں ہوتا ہے۔ ۱۹۰۴ء میں لیڈن سے شایع ہو چکے ہیں۔

مجبور ہو کر ایسا کر رہا ہے، پھر اس نے اعلان کیا، "کل صبح کمیت کی گردن اُڑا دی جائے گی، اور سرِ باب شاہی کی طرف روانہ کر دیا جائے گا" خالد نے کمیت کے یار وفادار ابان بن ولید سے کہا، " دیکھا تم نے تمہارے دوست کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" ابان نے کہا، " مجھے بہت صدمہ ہے" پھر وہ خالد کی مجلس سے اُٹھ آیا، اور ایک غلام سے کہا، " اگر تو میرا یہ خط کمیت کو پہنچا دے، تو تو آزاد، اور یہ خچر بھی تیرا" خط میں اس نے لکھا تھا، "مجھے معلوم ہو چکا ہے تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے، اب سوا خُدا کے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ اپنی اہلیہ حبی کو اطلاع دو، جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا نقاب پہن لو، اس کے کپڑے پہن لو، اور نکل بھاگو، مجھے امید ہے اس طرح تمہیں کوئی شناخت نہیں کر سکے گا"

کمیت نے ابو وضاح حبیب بن بدیل اور اپنے دوسرے چچا زاد بھائیوں کو اطلاع بھیجی۔ حبیب اس کے پاس گیا، کمیت نے اسے سارا ماجرا سُنایا، اور اس بارے میں مشورہ کیا، اس نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ پھر اس نے کمیت کی بیوی حبی کے پاس قاصد بھیجا، جس نے اسے سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ قاصد نے اس سے کہا، " اے بنتِ عم، والی تم پر کوئی زیادتی نہیں کر سکتا، اور تمہاری قوم کو چھوڑ بھی نہیں سکتا، اگر مجھے تمہاری جان کا اندیشہ ہوتا تو میں یہ تجویز پیش نہ کرتا" حبی اس سے آخری ملاقات کے لیے زنداں میں گئی، اندر پہنچ کر اس نے کمیت کو اپنے کپڑے پہنائے، اپنی اوڑھنی اُڑھائی، اور کہا، " دکھاؤ تو؟" پھر اس نے کہا، " ہاں ٹھیک ہے، اب تمہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔ خُدا کا نام لے کر سدھارو" زنداں خانے کے دروازے پر ابو وضاح اور قبیلۂ بنو اسد کے نوجوان موجود تھے، ابو وضاح اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا، دربانوں

میں سے کوئی بھی اس کو پہچان نہ سکا، یہاں تک کہ یہ ایک گلی میں پہنچے، پھر بنی تمیم کی ایک مجلس سے گزرے، ان میں سے بعض نے کہا، "خُدا کی قسم یہ تو مرد معلوم ہوتا ہے" اور اپنے غلام کو حکم دیا، ذرا معلوم تو کرے، ابو وضاح چیخا، اور کہا، "او بدمعاش کیا کرتا ہے؟ آج سے پہلے تو میں نے تجھے کسی عورت کا پیچھا کرتے نہیں دیکھا تھا، یہ کہکر اس نے اپنا جوتا اُٹھایا، غلام یہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اب اس عورت نما مرد کو ابو وضاح نے اپنے گھر میں داخل کیا، اور جب بہت دیر ہوگئی تو جیلر نے کمیت کو آواز دی، مگر صدائے برنخاست، وہ اندر داخل ہوا کہ معاملہ معلوم کرے اسے دیکھتے ہی عورت چیخنے لگی، "موئے کہاں بڑھا آتا ہے؟ پیچھے ہٹ"، جیلر سب کچھ سمجھ گیا۔ روتا پیٹتا خالد کے پاس پہنچا، اور اسے ساری حکایت سُنائی۔

خالد نے فوراً جبی کو بُلوایا، اس سے کہا، "اے خُدا کی دشمن تو نے امیرالمومنین سے دھوکا کیا، اور ان کے دشمن کو بھگا دیا، خدا کی قسم میں تیرا مثلہ[1] کروں گا، ضرور کروں گا، قطعاً کروں گا" یہ سُن کر بنو اسد کے لوگ اس کے پاس جمع ہوئے، اور کہا، تم ہمارے قبیلے کی ایک خاتون کے ساتھ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، خالد اہلِ قبیلہ سے خائف ہوا، اور جبیّ سے درگزر کیا۔

کمیت ایک عرصۂ دراز تک اِدھر اُدھر چھپتا رہا، جب اسے یقین ہوگیا، اب اس کی تلاش و جستجو میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جارہا ہے، تو ایک رات وہ بنی اسد کی ایک جماعت کے پاس آیا، اس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا، وہ تطقطانی

---

[1] مثلہ — قتل کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ کسی کو تعزیراً یا انتقاماً قتل کردیا، اور ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جوشِ غضب یا انتقام میں ہاتھ، پانو، ناک، کان وغیرہ بھی کاٹ ڈالے، اسی آخری صورت کو مثلہ کہتے ہیں۔

کے پاس پہنچا، جو نجوم اور کہانت کا بہت بڑا عالم تھا۔ جب صبح قریب ہوئی تو اس نے پکار کر کہا، "نوجوانو! زیادہ نہ سوؤ" ہم لوگ جاگ گئے، اور وہ خود یہ کہ کر نماز پڑھنے لگا، ابوالمستہل کا بیان ہے کہ میں نے ایک سایہ سا دور سے دیکھا، میں اس سے گھبرایا، اس نے کہا، "کیا ہے؟" میں نے کہا، "کسی چیز کو ادھر آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں" اس نے نظر اٹھائی، دیکھا، اور کہا، "یہ بھیڑیا ہے، اس لیے آیا ہے کہ تم اسے کھلاؤ پلاؤ" اتنے میں بھیڑیا آگیا، اور ایک کونے میں بیٹھ گیا، ہم نے اس کے آگے گوشت ڈال دیا، اس نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر ایک برتن میں پانی لے کر سامنے رکھ دیا، اس نے پانی بھی پیا۔ پھر ہم آگے بڑھے اور بھیڑیا چیخنے چلّانے لگا۔

کمیت نے کہا، "یہ کیوں بلبلا رہا ہے؟ کیا ہم نے اسے کھلایا پلایا نہیں؟ اوہو، شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم صحیح راستے پر نہیں جا رہے ہیں، دوستو! داہنی طرف چلو، جب ہم داہنی طرف ہو لیے، تو بھیڑیا خاموش ہو گیا۔

ہم چلتے رہے، چلتے چلتے شام پہنچ گئے، بنی اسد اور بنی تمیم کے ہاں ہم چھپ گئے۔ چند اشراف قریش کو پیغام بھیجا، اس زمانے میں قبیلے کا سردار عنبسہ بن سعید بن العاص تھا، قریش کی متعدد جماعتیں عنبسہ کے پاس آئیں۔ انھوں نے کہا، "ابو خالد، یہ ایک معزز شخص ہے جو تمھارے پاس آیا ہے، یہ کمیت بن زید ہے جو قبیلۂ مضر کی زبان ہے، امیرالمومنین نے اس کے قتل کا حکم دے دیا ہے یہ بھاگ نکلا، اب ہمارے اور تمھارے پاس پناہ لینے کو آیا ہے!"

عنبسہ مسلمہ بن ہشام کے پاس آیا، اور اس سے کہا، "ابو شاکر! ایک معزز شخص تمھارے پاس آیا ہے، اگر تم نے اسے بچا لیا تو بڑا کام کیا۔ میں جانتا تم نہیں کر سکو گے تو نہ کہتا۔ اس نے پوچھا، "بات کیا ہے کہو تو؟" عنبسہ نے اسے واقعہ

سنایا، اور کہا، ''اس نے آپ کے قبیلے کی عام طور پر اور آپ کی ذاتِ گرامی کی خاص طور پر ایسی مدح کی ہے کہ کسی نے آج تک ایسی مدح نہ سُنی ہوگی'' اس نے کہا۔ ''میں اس کی نجات کا ذمہ دار ہوں'' یہ خبر ہشام کو پہنچی اُس نے اسے بُلایا اور کہا ''تم امیر المومنین کے خلاف منشا اسے پناہ دینا چاہتے ہو؟''

''ہرگز نہیں''

''پھر؟''

''صرف یہ کہ اُن کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے''

''اسے (کمیت کو) ابھی حاضر کرو، اسے ہرگز پناہ نہیں مل سکتی''

سلمہ نے کمیت سے کہا، ''امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں ان کے حضور میں حاضر کروں'' کمیت نے مایوسی کے ساتھ کہا، ''ابو شاکر کیا تم مجھے حوالے کر دوگے؟''

''نہیں! لیکن ایک چال چلوں گا'' پھر اس نے کہا، ''ابھی حال میں معاویہ بن ہشام کا انتقال ہوا ہے، اس کا ہشام کو بہت صدمہ ہے، جب رات ہو جائے تم اس کی قبر پر جا بیٹھو، میں اس کے دونوں بیٹوں کو بھیجوں گا، وہ تمھارے پاس ہی بیٹھ جائیں گے۔ جب وہ تمھیں مخاطب کریں تو کہنا: اپنا دامن میرے دامن سے باندھ لو، وہ کہیں گے ''ہاں اس نے ہمارے باپ کی قبر پر پناہ لی ہے، ہم سے زیادہ کسے حق ہے کہ اسے پناہ دے؟'' ایسا ہی کیا گیا، صبح کو جب بمعمول ہشام نے اپنے قصر سے قبر کی طرف دیکھا، پوچھا، ''وہاں کون ہے؟''

''شاید کوئی پناہ گیر ہے''

''جو بھی ہو، اسے پناہ دی گئی، مگر کمیت کو نہیں، اس کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے''

" لیکن وہ تو کمیت ہی ہے"

" حاضر کرو "

جب کمیت کو بلایا گیا تو دونوں لڑکوں نے اپنے دامن سے اس کا دامن باندھ لیا۔ ہشام نے یہ منظر دیکھا تو اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں، لڑکوں نے کہا، " یا امیرالمومنین اس آدمی نے ابّا جان کی قبر پر پناہ لی ہے، ان کا انتقال ہو چکا، ان کے ساتھ دنیا میں آپ کا جو کچھ حصّہ تھا وہ بھی ختم ہو چکا، اسے آپ معاف کر دیجیے۔ ابّا جان کے پناہ گزیں کو پناہ نہ دے کر ہمیں رسوا نہ کیجیے" ہشام یہ سُن کر رونے لگا، پھر وہ کمیت کی طرف مخاطب ہوا، پوچھا، یہ شعر تیرا ہی ہے؟

و ان لا تقولو غیرها تتعرفوا   نواصیها تردی بنا وهی شزب

اس نے کہا، نہیں،

پھر اس نے حمد و نعت کے بعد کہا، میں اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیاں مار رہا تھا، گمراہی کے سمندر میں ہچکولے کھا رہا تھا، غلط گوئی نے مجھ پر قابو پالیا تھا، غلط روی مجھ پر غالب آچکی تھی، میں جہالت میں ڈوبا ہوا تھا، حق سے روگردان تھا، جادۂ صحیح سے منحرف تھا۔ جو کچھ کہتا تھا باطل کہتا تھا، بہتان طرازی کرتا تھا، اے امیرالمومنین میری توبہ قبول کیجیے، اور غلطیوں کے دھبے اپنے کرم سے دھو دیجیے، میری لغزشوں سے درگزر فرمائیے۔ پھر یہ اشعار پڑھے:۔

" مصیبت زدہ کی مصیبت کے وقت تم میں ایسے لوگ ہیں جو مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تم تمام چھوٹے بڑے مجرمین کے گناہ معاف کرتے ہو، اے بنی امیہ بے شک تم سلطنت کے اہل اور صاحبِ وسائل ہو۔ ہر مصیبت کے وقت مجھے تم پر اعتماد ہے، حالاں کہ میرے اہل و عیال بہت دور ہیں، تم نسلاً بعد

نسلِ مرکزِ خلافت ہو"

پھر اس نے قصیدہ بند کیا اور خطابت کے جوہر دکھانے لگا۔ اس نے کہا:۔

"امیر المومنین کی چشم پوشی، ان کی خوئے درگزر، ان کا لطف و کرم، اُن مجرموں اور خطاکاروں پر اُن کی بخشش، جن کا کوئی وسیلہ نہیں، پناہ نہیں، ٹھکانا نہیں، گناہ گاروں کے ساتھ ان کا حسنِ سلوک، جاہلوں کے ساتھ رحم و مروّت کا برتاؤ، ایک حقیقت ہے ——————"

امیر المومنین نے کمیت سے پوچھا، "بتاؤ، کس نے تمھیں تاریکی کی طرف پہنچایا؟ گمراہی سے آشنا کیا؟" جواب دیا "اس نے جس نے ہمارے باپ کو جنّت سے نکالا"

"تو نے ہی کہا ہے:۔

"بنی امیہ سے کہو، جہاں وہ اتریں، اگرچہ تم ان کے دُرّوں اور تلواروں سے خوف زدہ ہی کیوں نہ ہو، کہو، خُدا ان لوگوں کو بھوکا رکھے جنھیں بنی امیہ شکم سیر کریں اور ان لوگوں کو شکم سیر کرے جو بنی امیہ کے ظلم و جور کے سبب بھوکے ہوں۔ وہ ہاشمی، جس کی سیاست پسندیدہ ہے، خدا کرے وہ اپنوں کے لیے زندہ رہے"

کمیت نے کہا، "یا امیر المومنین آپ مجھے معاف کر چکے ہیں پھر ان باتوں کا کیا ذکر؟ اب ان کا بدلہ تو نہیں لیا جا سکتا"

"یہ کیوں کر؟"

"اس لیے کہ میں ان کی تصیح کر چکا ہوں، سُنیے:۔

"اِم ہشام نے اسے، روشن نسب حسب، اور تر و تازہ چہرے کا وارث بنایا"

ہشام تکیہ لگائے بیٹھا تھا، اب سیدھا بیٹھ گیا، پھر سالم بن عبداللہ بن عمر سے مخاطب ہو کر کہا، "شعرا سے کہتے ہیں" پھر کہا، "کمیت! میں تم سے راضی ہوا"
کمیت اٹھا، اس نے امیرالمومنین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، اور کہا، "امیرالمومنین، اگر میرا اعزاز بڑھانا چاہتے ہیں تو خالد کی بالادستی سے مجھے آزاد فرمائیں"
"ہاں ہاں، ایسا ہی ہوگا" پھر امیرالمومنین نے کمیت کو چالیس ہزار درہم عطا کیے، اور تیس ہشامی خلعتیں اور خالد کو لکھ دیا کہ کمیت کو نہ چھیڑے اور اس کی بی بی آزاد کردی جائے اور اسے بیس ہزار درہم دیے جائیں اور تیس ہشامی خلعتیں بھی۔
خالد نے بے چون وچرا، اس حکم کی تعمیل کی!

---

(۴۸) حاتم پر طلاق!

حاتم کا ایک چچا زاد بھائی تھا، مالک۔ اس نے ایک روز حاتم کی بی بی سے کہا، "تم حاتم کے ساتھ کیا کر رہی ہو؟ خدا کی قسم وہ جو کچھ بھی پاتا ہے، اُسے ضایع کر دیتا ہے، اگر آج وہ مر جائے تو اس کی اولاد قوم کی عیال بن جائے گی"
ماویہ نے کہا، "تم سچ کہتے ہو، بات ایسی ہی ہے!"........جاہلیت کے زمانے میں رواج یہ تھا کہ عورتیں خود مردوں کو طلاق دیا کرتی تھیں۔ طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے خیمے کا رُخ بدل دیتی تھیں، شوہر سمجھ جاتا تھا اسے طلاق مل گئی، مثلاً اگر خیمے کا رُخ مشرق کی طرف ہے، اور عورت اسے مغرب کی طرف کردے، تو آدمی جان لیتا تھا اسے طلاق مل گئی، اب وہ خیمے میں نہیں گُھستا تھا۔
حاتم کی بی بی ماویہ اپنے زمانے کی بڑی خوب صورت اور طرح دار عورتوں

میں شمار کی جاتی تھی، ایک روز اس سے مالک نے کہا، "تم حاتم کو طلاق دے دو، میں اس سے بہتر شوہر ثابت ہوں گا، مال و دولت کی بھی میرے پاس کمی نہیں، میرے پاس جو کچھ ہے وہ تمھارے اور تمھاری اولاد کے لیے وقف رہے گا۔ مالک نے کچھ اس طرح ماویہ کو پرچایا کہ اس نے حاتم کو طلاق دے ہی دی، حاتم جب اپنے خیمے کے پاس آیا تو خیمے کا دروازہ بدلا ہوا دیکھا، اپنے بیٹے عدی سے پوچھا، "تمھاری ماں نے یہ کیا کیا؟" اس نے جواب دیا، "میں کچھ نہیں جانتا، مجھے تو بس اتنا معلوم ہے کہ اس نے خیمے کا دروازہ بدل دیا ہے"

مہمانوں کا ایک گروہ خیمے کے پاس آیا، جیسے ہمیشہ ٹھہرتا تھا آج بھی یہیں ٹھہر گیا، ان لوگوں کی تعداد کوئی پچاس کے قریب ہوگی۔ ماویہ کو فکر ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ اس نے اپنی کنیزوں سے کہا، "مالک کے پاس تو جا، ان سے کہیو، حاتم کے پچاس مہمان ہمارے ہاں آن ٹھہرے ہیں، تم ایک اچھی سی اونٹنی جس پر خوب چربی چھائی ہوئی ہو، بھیج دو، تاکہ اسے ہم مہمانوں کے لیے ذبح کریں، اور یہ دودھ بھی بھیجو تاکہ انھیں پلائیں، اور ہاں دیکھیو، پہلے ذرا انھیں بھانپ لینا اگر وہ خوش روئی سے متوجہ ہوں تو تو بھی توجہ کیجیو، اور اگر وہ سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں، داڑھی میں خلال کرنے لگیں، تو کچھ نہ کہیو، اور چلی آئیو۔

کنیز جب مالک کے پاس پہنچی، تو وہ سو رہا تھا اس نے اسے جگایا، اٹھتے ہی وہ سر پر ہاتھ پھیرنے اور داڑھی میں خلال کرنے لگا۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی اس نے ماویہ کا پیام اس سے کہہ ہی دیا۔ اس نے پیام کہہ کر یہ بھی کہا، "آج کی رات وہ رات ہے جب لوگ آپ کی صحیح منزلت سے واقف ہوں گے"

مالک نے جواب دیا، ماویہ سے میرا سلام کہنا، اور کہنا، "اسی لیے تو میں نے حاتم کو تم سے طلاق دلوائی، میرے پاس نہ کوئی ایسی اعلیٰ درجے کی

خوب چربی چڑھی ہوئی اونٹنی ہو جسے میں ذبح کروں، نہ اتنا دودھ ہو جو استنے سارے حاتم کے مہمانوں کے لیے کافی ہو"

کنیز ماویہ کے پاس واپس پہنچی، اس نے جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا ایک ایک کرکے بتا دیا۔

ماویہ نے اس سے کہا، "اب تو حاتم کے پاس جا اور اُن سے کہہ، ہمارے ہاں آپ کے پچاس مہمان آن ٹِکے ہیں، وہ آپ کا موجودہ مکان جانتے نہیں، لہٰذا آپ ایک موٹی تازی، چربی چڑھی ہوئی اونٹنی بھیج دیجیے، تاکہ ذبح کرکے ہم اس کا گوشت کھلائیں، اور دودھ پلائیں، یہی وہ رات ہے، جب وہ لوگ آپ کی منزلت کا صحیح احساس کریں گے"

کنیز حاتم کے پاس گئی، اس کے پکارتے ہی حاتم لبیک کہتا ہُوا آموجود ہُوا، کنیز نے کہا، "ماویہ نے آپ کو سلام کہا ہے، اور کہا ہے آج کی رات آپ کے مہمان ہمارے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، اُن کے لیے ایک اچھّی سی اونٹنی بھیج دیجیے، تاکہ اس کا دودھ دوہ کر انھیں پلائیں، پھر ذبح کرکے گوشت بھونیں اور انھیں کھلائیں"

حاتم نے کہا، "ہاں ہاں بسرو چشم" یہ کہہ کر وہ اٹھا، اور دو توانا و تندرست اونٹنیوں کو کھول لایا، اور خیمے تک انھیں پہنچا بھی گیا۔

ماویہ نے یہ دیکھا تو چیخ چیخ کر کہنے لگی، "یہی بات تھی جس کے لیے میں نے تمھیں طلاق دی، تم اپنی اولاد کو اس حال میں چھوڑ جاؤ گے کہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں باقی رہے گا"

حاتم نے کہا۔

هل الدهر الا اليوم اوامس اوغد   كذاك الزمان بيننا تتردد

یہ زمانہ کیا ہے؟ آج یا کل جو گزر چکا، یا کل جو آئے گا، زمانہ اسی طرح ہمارے درمیان ادلتا بدلتا رہتا ہے۔

یمر علینا لیلۃ بعد یومہا — فلا نحن ما نبقی ولا الدھر ینفد

اب ہم پر رات چھائی ہوئی ہے، پھر دن آ جائے گا، نہ ہم باقی رہیں گے، نہ زمانہ قائم رہے گا۔

---

(۴۹) شاعر کی سخاوت!

ابنِ مناذر[1] بیان کرتے ہیں کہ خاندانِ برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید ایک مرتبہ حج کرنے پہنچا، اس کے ساتھ فضل بن ربیع بھی تھا، فضل بڑا مہماں نواز اور فضول خرچ آدمی تھا۔ میں نے ارادہ کیا، خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ کہوں۔ ترویہ کے دن میں اس کے حضور میں پہنچا، وہ خود بھی مجھے کئی دفعہ پوچھ چکا تھا، قبل اس کے کہ میں لب کشائی کروں، فضل نے پیش قدمی کی کہا، "امیر المومنین یہ برامکہ کا خاص شاعر ہے، ان کی مدح و توصیف میں اس نے خوب خوب کہا ہے" جب میں خلیفہ کے سامنے پہنچا تھا تو میں نے دیکھا تھا، اس کے چہرے سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی، فضل کی باتیں سُن کر اس کے چہرے

---

[1] محمد بن مناذر فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے، علم لغت کا ماہر تھا، اوائل حیات میں بہت عبادت گزار تھا، ہر وقت مسجد میں پڑا رہتا تھا، جب دیکھیے نفلیں پڑھ رہا ہے، پھر زندگی کا رُخ بدل گیا، اب لوگوں کی ہجو کرنے لگا، اہلِ بصرہ پر خوب خوب چوٹیں کیں، آخر وہاں سے نکال دیا گیا، پھر حجاز پہنچا، مامون کے عہد میں وفات پائی۔

پر خشکی دوڑ گئی۔

فضل نے کہا، "امیر المومنین اسے حکم دیجیے کہ اپنا وہ قصیدہ، جو

اتانا بنو الاملاک من آل برمک

سے شروع ہوتا ہو سنائے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ "سناؤ" میں نے انکار کیا۔ خلیفہ نے برہمی کے ساتھ اصرار کیا۔ آخر میں نے سنانا شروع کیا۔

" ہمارے پاس آلِ برمک کے شہزادے آئے، یہ خبر کتنی اچھی ہو اور یہ منظر کس قدر دل کش ہو۔"

" یہ لوگ جب بطحا میں وارد ہوئے، تو یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر سے وہ جگمگا اُٹھا"

" بغداد تاریک ہوگیا، ہماری تاریکی روشن ہوگئی۔ جب کہ ان تین چاندوں نے حج کیا"

یہ اشعار سنا کر میں نے دست بستہ عرض کیا، "امیر المومنین آلِ برمک جب آپ کے رفیق اور خدمت گزار تھے، تب میں نے ان کی مدح کی تھی، ان کی مدح و توصیف میں، میں منفرد نہیں ہوں، یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں مجھے پناہ دی، فکرِ دُنیا سے مجھے بے نیاز کیا، مجھ پر احسانات کیے"

ہارون نے غلام کو حکم دیا "اس کے منہ پر چانٹے لگاؤ" میری خوب مرمّت کی گئی، پھر کہا، "خُدا کی قسم تجھے مزہ چکھاؤں گا، کسی کی کیا مجال ہو جو تجھے کچھ بھی دے سکے"، پھر اس نے گھسٹوا کر مجھے نکلوا دیا۔

میں خلیفہ کے ہاں سے اس حال میں نکالا گیا کہ اس سے زیادہ بدترین حالت کوئی ہو نہیں سکتی۔ میں اتنا زیادہ تہی دست تھا کہ عید کے موقع پر اہل و عیال کے لیے کچھ بھی میرے پاس نہ تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آیا، اور

میرے قریب آکر کھڑا ہو گیا، کہنے لگا، "آپ پر جو کچھ گزری، خدا کی قسم اس کا مجھے بے حد صدمہ ہی" یہ کہہ کر اس نے میری طرف ایک تھیلی بڑھائی، اور کہا، "جو کچھ اس میں ہی قبول فرمائیے" میں نے خیال کیا کچھ درہم ہوں گے، کھول کے جو دیکھتا ہوں تو تین سو دینار۔ مجھے بہت اچنبھا ہوا، میں نے کہا، "میں آپ پر قربان آپ ہیں کون ؟"

"آپ کا بھائی ابونواس[۱]"

"خدا آپ کو اس احسان کا بدلہ دے"

---

(۵۰) "بکری کا بچہ"؟

یحییٰ بن محمد بن ابی قتیلہ بیان کرتے ہیں کہ اشعب نے ایک بکری کے بچے کو اپنی بی بی اور دوسری عورتوں کا دودھ پلا پلا کر پالا، یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا۔ ایک روز اسے لے کر وہ اسمٰعیل بن جعفر بن محمد کے پاس آیا، اس نے کہا، "یہ میرا بیٹا ہی، خدا کی قسم یہ میری بی بی کا دودھ پی پی کر بڑھا ہی، یہ امانت میں آپ کو سونپتا ہوں کہ میری نگاہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی اس کا اہل نہیں،

اسمٰعیل نے خیال کیا، یہ ایک فتنہ ہی، اس کے حکم کے مطابق بکری کا یہ بچہ ذبح کیا گیا، اور اس کا گوشت بھونا گیا۔

---

[۱] ابونواس، مشہور شاعر (۱۴۵ - ۱۹۸ ء) بصرے میں پیدا ہوا، وہیں نشوونما ہوئی، وسیع معلومات کا آدمی تھا، یہ مولدین کے طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا گیا ہی، اس کی شاعری ایک خاص معیار کی حامل تھی، ہر نوعِ شعر میں وہ ممتاز نظر آتا تھا۔ بغداد میں وفات پائی، اس کے اشعار ابو بکر صولی اور علی بن حمزہ نے جمع کیے۔

اشعب نے اسمٰعیل سے کہا:۔

"بدلہ! اس کی قیمت!"

اسمٰعیل نے کہا، "خدا کی قسم آج تو میرے پاس کچھ نہیں ہے تم ہم سے خوب واقف ہو، آج کا کچھ نہ دینا تمھارے حق کو سوخت نہیں کرے گا"۔

جب اشعب اسمٰعیل سے مایوس ہوگیا تو وہاں سے اُٹھ کر وہ اس کے والد جعفر بن محمد کے پاس گیا، وہاں پہنچ کر گدھے کی طرح چیخنے لگا، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں سُکڑ گئیں، پھر کہنے لگا:۔

"میں تنہائی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"

"کہو! یہاں کون ہے جو تمھاری باتیں سُنے؟ جو تمھارا نگران ہو؟"

"تمھارا لڑکا اسمٰعیل میرے بیٹے کے پاس آیا، اسے ذبح کر دیا، اور میں دیکھتا رہا"

یہ سُنتے ہی جعفر کانپ گیا، وہ چیخا:۔

"کم بخت کیا بکتا ہے؟ کس کے بارے میں کہتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟"

"میں کیا چاہتا ہوں؟ مجھے اسمٰعیل سے کوئی پرخاش نہیں ہے، آپ کے علاوہ یہ بات کبھی کسی اور تک نہیں پہنچے گی"

جعفر نے اشعب کو اچھا بدلہ دیا، اسے اپنے مکان میں لایا، دو سو دینار دیے، اور کہا، "یہ لو، جب کبھی ضرورت ہو ہم خدمت کو حاضر ہیں"۔

جعفر اسمٰعیل کی طرف گئے، اسمٰعیل کو یہ پتا نہ چلا کون آرہا ہے؟ وہ پیروں تک اپنی عبا کے دامن لٹکائے ہوئے اس کی مجلس میں پہنچ گئے، اس نے سر اٹھا کے جو دیکھا تو والد بزرگ وار جعفر بن محمد سامنے کھڑے ہیں۔ وہ سروقد تعظیم کے لیے اٹھا، جعفر نے کہا:۔

"اسمٰعیل! تم نے اشعب کے بچے کو قتل کر دیا؟"

اسمٰعیل کو ہنسی آگئی، اس نے بتایا وہ اس طرح بکری کا بچہ لے کر اس کے پاس آیا تھا. جعفر نے اسے بتایا کہ اشعب ان کے پاس آیا اور کیا لے گیا؟

جعفر کبھی کبھی اشعب سے کہا کرتے تھے، "تو نے مجھے ڈرا دیا، خُدا تجھے ڈرائے"

اشعب کہتا، "آپ کے صاحب زادے نے میری بکری کے بچے کو مار کر جتنا مجھے برہم کیا تھا وہ خُدا کی قسم اس برہمی سے زیادہ ہے جو دو سو دیناروں کے سبب آپ کو ہوئی!"

---

(۵۱) ایک عجیب و غریب قسم!

عبداللہ بن عباس ربیعی بیان کرتے ہیں، مجھے موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا، ایک روز میں نے اپنی چچی سے کہا، "مجھے گانا سیکھنے کا بڑا شوق ہے، میں سیکھنا چاہتا ہوں لیکن کہیں دادا جان کو خبر نہ ہو جائے، چچی مجھے بہت چاہتی تھیں، دادا بھی مجھ پر جان دیتے تھے، اس لیے کہ میں یتیم تھا، دادا فضل کی زندگی ہی میں میرے ابّا جان کا چراغِ زندگی گل ہو گیا تھا"

چچی نے کہا، "بیٹا یہ شوق تمھیں کہاں سے ہوا؟" میں نے کہا، ہو گیا، آپ نے منع کیا تو میں وفورِ غم سے جان دے دوں گا، چچی نے کہا، "میں منع نہیں کرتی، جی چاہتا ہے تو سیکھ لو، لیکن میری پوچھتے ہو تو مجھے یہ پسند نہیں کہ تم گویّے بنو، اور باپ دادا کا نام ڈبو دو" میں نے کہا، "اس کا اندیشہ نہ کیجیے"

میں دادا کی ایک کنیز سے گانا سیکھنے لگا، اس کی ہمجولیوں سے بھی میں

سیکھا کرتا تھا، ساتھ ہی ساتھ میں دادا جان کی خدمت میں بھی حاضر رہتا تھا، وہ میری سعادت سے بہت خوش تھے، حالاں کہ "مطلب سعدی دیگر است" کا معاملہ تھا۔ یہ میری سعادت نہیں تھی، گانا سُننے اور سیکھنے کا شوق تھا جو مجھے ان کی مجلس میں کشاں کشاں لے جاتا تھا۔ اب میرا یہ حال ہو گیا تھا کہ میں نے ابنِ اسحٰق ابنِ جامع، زبیر بن دحمان، یا کسی اور مشہور صاحبِ فن کا راگ سُنا اور اپنا لیا۔ دو ایک دفعہ مشق کی، اور اسے اپنی گرہ میں ڈال لیا، فنِ موسیقی میں، اب میں "ایجاد بندہ" سے بھی کام لینے لگا تھا۔

ایک دفعہ میں نے دو راگ ایجاد کیے، اور اُس کنیز کو سُنائے، جس سے میں گانا سیکھا کرتا تھا۔ اس نے کہا، فن میں اس سے بڑھ کر کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حارث بن بختیشر اور ان کے فرزندِ ارجمند محمد کی کنیزیں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں، دادا اور چچی کی کنیزوں سے گانا سیکھا کرتی تھیں، میں بھی ان کا استاد بن جایا کرتا تھا، جو کچھ وہ گھر میں نہیں سیکھ پاتی تھیں مجھ سے سیکھ لیتی تھیں۔

اپنے یہ دونوں نو ایجاد راگ میں اپنی کنیزوں کو سُنا رہا تھا کہ یہ کنیزیں آگئیں۔ انھوں نے مجھ سے فوراً یہ راگ سیکھ لیے، اور پوچھا یہ کس نے ایجاد کیے ہیں؟ میری کنیزوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا، "اِن کے"

کنیزوں نے ایک روز میرے یہ دونوں راگ ہارون رشید کو سُنائے اسے بہت پسند آئے، اس نے اسحٰق سے پوچھا، "تم ان راگوں کو جانتے ہو؟" اس نے کہا، "نہیں، لیکن یہ کسی بڑے کامل فن کی ایجاد معلوم ہوتے ہیں" ہارون نے کنیز سے کہا، "یہ راگ تم نے کیوں کر حاصل کیے؟" کنیز سہم گئی، خاموش ہو گئی، وہ یہ ڈر رہی تھی کہیں میری چچی کو معلوم ہو تو وہ خفا نہ ہو جائیں، اور یہ بات کہیں میرے دادا تک نہ پہنچ جائے۔ ہارون رشید سے نہ

رہ گیا، اس نے ڈانٹ بتائی، باندی تو پھر باندی، غریب نے سب کچھ اُگل دیا۔
خلیفہ نے میرے دادا کو بلایا۔ جب وہ آئے تو ان سے کہا، "فضل تمھارا کوئی لڑکا ہے؟ وہ اتنا بڑا ماہرِ فنِ موسیقی ہے کہ بہتر سے بہتر راگ ایجاد کر لیتا ہے۔ ایسے اچھے کہ اسحٰق جیسا کاملِ فن، اور دوسرے ماہرین بھی سر دھنتے ہیں۔ تم نے اب تک ہمیں خبر بھی نہیں دی، گویا تم نے اسے اتنا اونچا سمجھا کہ ہماری خدمت میں پیش بھی نہیں کیا؟ ایں؟" دادا جان نے جواب دیا، "امیرالمومنین آپ کی نعمتوں اور شفقتوں کی قسم، میں آپ کی بیعتِ خلافت سے روگرداں سمجھا جاؤں، میری بیویاں مطلقہ ہو جائیں، میرے غلام آزاد ہو جائیں، میں ہر قسم کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھے اس وقت سے پہلے اس کی خبر بھی نہیں تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا میرا کون لڑکا ہے جس کا امیرالمومنین ذکر فرما رہے ہیں۔" امیرالمومنین نے فرمایا، "وہ ہے عبداللہ بن عباس، اسے ابھی میرے پاس لاؤ۔"

دادا جان گھر آئے، غصّے کے مارے چہرہ تمتما رہا تھا، آتے ہی مجھے پکارا میں حاضر ہوا، مجھے سخت سُست کہنے لگے، فرمایا، "اے کتّے! مجھے تیری ساری کتھا معلوم ہو گئی، تیری یہ جسارت کہ میری اجازت و علم کے بغیر تو نے گانا سیکھا؛ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں، صاحب زادہ راگ راگنیاں بھی ایجاد فرمانے لگے۔ اس پر بھی قناعت نہ ہوئی، تو کنیزیں بھی اس فن سے سرفراز کی جانے لگیں۔ انھوں نے حارث بن بخشر کی کنیزوں کو سکھایا، ان سے شدہ شدہ خبر امیرالمومنین تک پہنچی ——— کم بخت تو نے اپنے آباء و اجداد کو قبر میں رسوا کیا، ہماری عزّت خاک میں ملا دی۔"

ان کی یہ باتیں سُن کر مجھے رونا آگیا، مجھے یقین تھا دادا جان جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں، میرے رونے پر ان کا دل کچھ پسیجا، انھوں نے کہا "تمھارے

باپ کے مرنے کے کا زخم ابھی ہرا تھا کہ یہ چرکہ تم نے لگایا، یہ ننگ مجھ پر اور میرے خاندان پر میرے بعد بھی باقی رہے گا" یہ کہا، اور رونے لگے پھر گویا ہوئے، "دیکھو! اب کوئی ایسی بات نہ کرنا جو مجھے ناپسند ہو، رہا یہ معاملہ تو جو ہو چکا سو ہو چکا" پھر کہا، جاؤ عود لے کر آؤ، میں بھی تو سنوں اور دیکھوں کیسا گاتے ہو؟ اگر تم خلیفہ کی خدمت کے لائق ہوئے تو خیر یہ ذلت بھی برداشت کر لوں گا، ورنہ خلیفہ سے معذرت کر لوں گا۔

میں عود اٹھا کر لایا، اور پرانے ڈھرے پر انھیں کچھ سنایا، انھوں نے کہا، "یہ نہیں وہ راگ سناؤ، جو تم نے ایجاد کیے ہیں" میں نے وہ بھی سنائے، دادا جان نے انھیں پسند کیا، پھر باچشم پرنم کہا، "بیٹا تم نے میری تمناؤں کو ملیا میٹ کر دیا۔ افسوس تجھ پر اور تیرے بدقسمت باپ پر!" میں نے کہا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، لیکن میں اپنی اور آپ کی زندگی کی قسم کھا کر کہتا ہوں بلکہ ہر وہ قسم کھاتا ہوں جو کھائی جا سکتی ہے کہ میں خلیفہ اور ولی عہد کے سوا کسی اور کو کبھی اپنا گانا نہیں سناؤں گا" دادا نے کہا، "خیر یہ بھی غنیمت ہے"!

ہم دونوں خلیفہ کے حضور میں پہنچے۔ میری حالت یہ تھی کہ میں رعب و دہشت سے کانپ رہا تھا، خلیفہ نے قریب آنے کا اشارہ کیا، یہاں تک کہ حاضرین دربار میں سب سے زیادہ قریب میں ہو گیا، خلیفہ نے میری دل دہی کی، اور دادا کو رخصت کر دیا۔ پھر اس نے گویّوں کو گانے کا حکم دیا، جب سب گا چکے تو میں نے عود اٹھایا —— اسحٰق موصلی نے آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے کہہ دیا جیسے ہی تمھاری باری آئے فرمایش کا انتظار نہ کرنا شروع کر دینا۔ جب میری باری آئی تو میں اٹھا اور گانے کی اجازت طلب کی، رشید ہنسا اور کہا، "بیٹھے بیٹھے گاؤ" میں بیٹھ گیا۔ میں نے تین مرتبہ اسے دھرایا، پھر دوسرا راگ چھیڑا، خلیفہ بےخود

اور مدہوش ہو رہا تھا، اس نے مسرور کو بلایا، اور کہا، " عبداللہ کو اسی وقت دس ہزار دینار اور تیس پارچے کی خلعت عطا کرو "

میں نے خلیفہ اور ولی عہد کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ گانے کی جو قسم کھائی تھی، اس کا خلیفہ کو علم تھا، وہ اس کا پاس بھی کرتا تھا، چنانچہ جب کوئی شاہ زادہ یہ معلوم کرنا چاہتا کہ خلیفہ نے اپنا ولی عہد کسے بنایا ہے تو وہ مجھ سے گانا سُننے کی فرمایش کرتا، اگر خلیفہ مجھے اجازت دے دیتا تو اس کی ولی عہدی طے شدہ سمجھی جاتی ورنہ نہیں

یہاں تک کہ واثق باللہ کا زمانہ آیا، اس نے مجھے عہد معتصم باللہ میں بُلایا خلیفہ سے میرا گانا سُننے کی اجازت طلب کی، اجازت مل گئی، دوسرے روز مجھے خلیفہ نے بُلایا اور کہا، " تمہارا گانا میرے افشار راز کا سبب ہوتا ہے، سابق خلفا کے افشار راز کے تمھی موجب بنتے رہے ہو، میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمھاری گردن اُڑا دوں، ورنہ اب مجھے یہ اطلاع نہ ملے کہ تم نے کسی کے سامنے گانے سے انکار کیا ہے خُدا کی قسم اب اگر میں نے یہ سُنا تو ضرور تمھیں قتل کرا دوں گا تم ابھی ان تمام غلاموں کو آزاد کر دو، جو قسم کھانے والے دن تمھارے پاس تھے، اور ان بیبیوں کو بھی طلاق دے دو، ان کے بجائے دوسری شادی کر لو، اس سلسلے میں تمھارا جو نقصان ہوگا، میں اس کی تلافی کر دوں گا، اپنی اس منحوس قسم سے مجھے نجات دو "

میں خلیفہ کے سامنے سے اٹھا، میرے ہوش و حواس پرّان ہو چکے تھے، جس روز میں نے قسم کھائی تھی، اس روز کے جتنے غلام میرے پاس باقی تھے سب کو میں نے آزاد کر دیا، پھر میں نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ لیا، اور اپنی قسم کی قید سے آزاد ہو گیا۔

اب میں علی الاعلان گانے لگا، یہاں تک کہ میں خوب مشہور ہو گیا معتصم کو بھی اس کی خبر پہنچی، لیکن واثق باللہ بہت برہم ہوا، پھر وہ زمانہ آیا کہ واثق خلیفہ ہو گیا، وہ بدستور مجھ سے کشیدہ تھا میں نے اسے معذرت نامہ لکھا، جسے، اس نے منظور کر لیا، اور راضی ہو گیا۔

---

(۵۲) ایک منچلا پہلوان!

خالد، کنیف بن عبداللہ سے مازنی کا قول روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں ہلال کے ساتھ تھا، ہم دونوں اپنے لیے ایک اونٹ کی جستجو میں تھے، اسی تلاش میں ہم لوگ قبیلۂ بکر بن وائل کے پاس پہنچے، یہاں پہنچ کر ہم تھک کے چوُر ہو گئے، پیاس بھی لگی ہوئی تھی، اتنے میں ہم لوگ چند نوجوانانِ عرب کے قریب پہنچے، جو تالاب پر بیٹھے ہوئے تھے، جہاں ان کے اونٹ پانی پیا کرتے تھے، انھوں نے جب ہلال کو دیکھا تو اس کے قدو قامت کو دیکھ کر وہ چکرا سے گئے۔ ان نوجوانوں میں سے دو آدمی ہلال کے پاس آئے، ان میں سے ایک نے کہا، "عبداللہ! کشتی لڑو گے؟" ہلال نے کہا، "میں تو اس وقت جس چیز کا محتاج ہو رہا ہوں وہ کشتی کے سوا کچھ اور ہے" نوجوانوں نے پوچھا، "وہ کیا؟" ہلال نے جواب دیا "دوُدھ اور پانی، میں تھک کے چوُر ہو گیا ہوں، اور پیاسا بھی بہت ہوں" نوجوانوں نے کہا۔ "تم ان میں سے کسی چیز سے لذت یاب نہیں ہو سکتے جب تک ہم سے عہد نہ کر لو کہ دوُدھ اور پانی سے سیر ہونے کے بعد کشتی لڑو گے"

ہلال نے کہا "میں تمھارا مہمان ہوں، اور مہمان کو یہ زیبا نہیں کہ وہ

اپنے مہربان سے نبرد آزما ہو، لیکن تم شاید اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو، ایک خوب مضبوط اور توانا اونٹ لاؤ، جو بہت ہیبت ناک ہو، اور ایک کلّے جبڑے والا طاقت ور آدمی لاؤ، میں اونٹ کی کھوپڑی اور آدمی کا ہاتھ اگر اپنی مٹھی میں نہ لے لوں بلکہ آدمی کا ہاتھ اونٹ کے منہ میں نہ ڈال دوں، اور دونوں کو بے بس نہ کر دوں، جب کی بات ہے۔ اگر میں ایسا نہ کر سکوں تو گویا تم نے مجھے پچھاڑ دیا، اور اگر ایسا میں کر گزروں تو تم خود سمجھ لو گے کہ تم میں سے کسی ایک کا پچھاڑ دینا بہت آسان ہے بہ نسبت اس کام کے جس کا میں بیڑہ اٹھا رہا ہوں"

وہ لوگ ہلال کی ان باتوں سے بہت متعجب ہوئے، پھر انھوں نے اپنے ایک اونٹ کی طرف اشارہ کیا جو بہت مضبوط اور بر جھایا ہوا تھا۔ ہلال اونٹ کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ یہ جماعت تھی اور شیخ قبیلہ تھا۔

ہلال نے اونٹ کی کھوپڑی کا وہ حصّہ جو اس کے بالائی ہونٹ کے پاس تھا زور سے پکڑ کر دبایا، اونٹ اس زور کی تاب نہ لا سکا اور بلبلانے لگا یہاں تک کہ بے چارہ عاجز ہو گیا، اور پھر بلبلانے لگا۔ ہلال نے کہا "اب جس کا جی چاہے میری طرف ہاتھ بڑھائے، میں اسے اس اونٹ کے منہ میں داخل کر دوں گا"

یہ منظر دیکھ کر شیخ قبیلہ نے کہا، "اس شیطان سے دور رہو، خدا کی قسم میں نے آج کے سوا کبھی نہیں سنا کہ یہ اونٹ کسی کے زور سے بلبلا اٹھا ہو، اس شیطان (ہلال) سے بالکل تعرض نہ کرو"

وہ لوگ ہلال کے پیچھے پیچھے چلے، بار بار اس کے نقشِ قدم دیکھتے تھے، اور اس کے ڈیل ڈول پر متعجب ہوتے تھے، یہاں تک کہ وہ آگے نکل گیا۔

(۵۳) غریب نواز

عروہ بن وردؔ[1] کی قوم کے لوگ اس اصول پر عامل تھے کہ جب کبھی قحط پڑتا، وہ اپنے گھروں میں بیماروں، بوڑھوں، اور اپاہجوں کو چھوڑ چھاڑ کر خود چلتے بنتے ایسے نازک موقع پر عروہ ان لوگوں کو اور اس طرح کے دوسرے آدمیوں کو جمع کرتا۔ ان کے لیے خندق اور سرنگیں کھودتا، پھر ان کے لیے باڑے بناتا، کہ وہ سردی اور ہوا سے محفوظ رہیں، پھر ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتا، بعد میں جب ان میں کا کوئی بیمار اچھا ہو جاتا، یا کمزور توانا ہو جاتا تو اسے لے کر وہ نکل جاتا، کہیں ڈاکہ ڈالتا، جو کچھ لوٹتا اس میں باقی ماندہ لوگوں کا بھی حصّہ رکھتا۔

جب لوگ خوش حال ہوتے، اور قحط سالی ختم ہو جاتی تو بچھڑے ہوئے پھر مل جاتے، اور آپس میں مالِ غنیمت کا بٹوارہ کر لیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی واپس ہوتا، تو وہ پہلے کے مقابلے میں مال دار ہو جاتا، عروہ کو "غریب نواز" اسی بنا پر کہا جاتا تھا۔

بعض سال ایسے گزرتے جن میں عروہ تنگ حال ہو جاتا، ایسے ہی

---

[1] عروۃ الصعالیک عہدِ جاہلیت کے مشہور شعرا میں گزرا ہے، اس کا شمار اپنے وقت کے بہادروں میں ہوتا تھا، بڑا حوصلہ مند آدمی تھا، غریب نواز اسے اس لیے کہنے لگے کہ یہ غریبوں اور اپاہجوں کو اکٹھا کرتا، اور ادھر اُدھر سے لوٹ مار کے جو کچھ جمع کرتا وہ انھی لوگوں پر خرچ کر دیتا۔

اس کا دیوان، ۱۸۶۳ء میں نولدکی نے شایع کیا تھا۔

موقع پر اس نے کہا:۔

"شاید سیرا شہر شہر گھومنا، حصولِ مقصد کے لیے نکلنا، سامانِ سفر تیار کرنا۔
کسی ایسے آدمی کے پاس پہنچادے، جو بہت سے اونٹوں کا مالک ہو، اور جو اپنے اُن اونٹوں سے اپنی تند مزاجی اور بخل کے سبب لوگوں کو فائدہ نہ پہنچاتا ہو"

لوگوں کا خیال تھا اللہ نے اس کے لیے دو سیاہ اونٹنیوں کو مقدر کر دیا ہے۔ایک مرتبہ جاڑے کے شدید موسم میں وہ اپنے قبیلے کے فقیروں اور اپاہجوں کے ساتھ تھا۔ایک اونٹنی تو اس نے ذبح کر کے ان لوگوں کو کھلا دی، دوسری پر ان کا سامان رکھا اور بعض معذوروں کو بٹھا دیا، وہ ان لوگوں کے ساتھ پھرتا پھراتا ایک جگہ پہنچا جس کا نام "ماوان" تھا۔یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پھر کشایش کا سامان کر دیا، یہاں اسے ایک ایسا آدمی ملا جو سو اونٹوں کا مالک تھا، جو اپنی ثروت سے قوم کو فائدہ نہ پہنچاتا تھا۔یہ پہلا موقع تھا کہ اس آدمی کے سبب عروہ نے اپنے لوگوں کو مرفہ حال بنا دیا، اس طرح کہ عروہ نے اس آدمی کو قتل کر دیا، اس کے اونٹ لے لیے، اس کی بی بی بھی اس کے ہاتھ آئی، جو بے حد خوب صورت تھی، عروہ اونٹ لے کر اپنے مفلوک الحال دوستوں کے پاس پہنچا، اس نے بعض اونٹنیوں کا دودھ دوھ کر انھیں پلایا پھر انھیں اونٹوں پر بٹھا کر روانہ ہوا۔یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے گھر کے پاس پہنچ گئے۔اب عروہ نے چاہا کہ ان اونٹوں کو تقسیم کرے اور خود بھی دوسروں کی طرح ایک حصہ لے لے۔ساتھیوں نے کہا، "لات و عزہ[1] کی قسم، ہم کبھی

---

[1] لات و عزیٰ، یہ دو بت تھے، جن کی زمانۂ جاہلیت میں عرب پوجا کیا کرتے تھے۔

راضی نہ ہوں گے، جب تک اس عورت کو بھی اس شخص کا حصہ نہ بنا دو، جو اسے لینا چاہے۔

عروہ نے خیال کیا ان پر حملہ کرے اور انھیں یہیں کا یہیں قتل کر دے، اور اونٹوں پر قبضہ کر لے، پھر اسے یاد آیا، یہ لوگ اسی کے بنائے ہوئے ہیں، اگر اس نے انھیں قتل کر دیا تو جو کچھ اس نے بنایا ہے، وہ گویا خود اپنے ہاتھوں سے بگاڑ دیا۔ بڑی دیر تک وہ یہی سوچتا رہا، پھر اس نے انھیں جواب دیا کہ وہ اپنے حصے کے اونٹ بھی دے دیتا ہے، صرف وہ اونٹ لے لے گا جس پر وہ عورت سوار ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائے، لیکن ساتھیوں نے اس بات کے ماننے سے انکار کیا، یہاں تک کہ ایک آدمی اٹھا اور اس نے اپنے حصے میں سے ایک اونٹ عروہ کو دے دیا۔

اسی موقع پر عروہ نے ایک قصیدہ کہا، جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔

"میں نے باڑے والے لوگوں کو ان لوگوں کی طرح پایا، جو آسودہ حال اور متمول ہوتے ہیں۔

مقام ماوان میں (جب ہم چل پھر رہے تھے اور رو ٹھ رہے تھے) ان کی محبت مجھے سونپی گئی ہے!

میری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے ماں اپنے بچے کے لیے ملول و غمگین رہتی ہے۔ ہزار جان سے قربان ہوتی ہے، اور ہر طرح کے مصائب جھیلتی ہے۔

وہ رات اس طرح گزارتی ہے کہ اپنی دونوں کہنیوں کو کود کی طرح بنا لیتی ہے، اور برابر اس کے لیے کڑھتی اور شکستہ حال رہتی ہے۔

وہ دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرتی ہے، حالاں کہ دونوں ناپسندیدہ ہیں، ایک تو رونا پیٹنا، دوسرے صبر و ضبط۔ اس نے صبر و ضبط کو اختیار کیا ہے"!

(۵۴) ایک ہذیلی کی ذہانت!

حر بن قطن روایت کرتے ہیں کہ ثمامہ بن ولید خلیفہ منصور کے حضور میں پہنچا، منصور نے اس سے پوچھا۔

"کیوں ثمامہ، تمھیں اپنے ابن عم عروہ[1] کی بھی ایک بات یاد ہے؟"

امیرالمومنین کون سی بات؟ ان کی کوئی ایک بات ہے جو یاد رکھی جائے؟"

"ہذلی کا واقعہ"

"مجھے تو یاد نہیں، امیرالمومنین ہی ارشاد فرمائیں"

منصور نے کہا:۔

ایک دفعہ عروہ باہر نکلا، جب منازلِ ہذیل کے قریب پہنچا، بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا، ایک خرگوش نظر پڑا، ایک ایسا تیر لگایا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ آگ جلائی، بھونا، اور مزے لے لے کر کھایا، پھر تین ہاتھ فاصلے پر زمین کھودی، آگ دبائی اور چل دیا۔ اب رات ہو چلی تھی، ستارے چمکنے لگے تھے، وہ ایک بڑے تن آور درخت کے پاس پہنچا، اس کے اوپر چڑھ گیا اور ڈالیوں میں چھپ گیا،

[1] عروۃ الصعالیک، عہدِ جاہلیت کے مشہور شعرا میں گزرا ہے، بڑا بہادر، جی دار، اور دلیر تھا، اس کا دیوان ۱۸۶۳ء میں نولدکی نے شائع کیا تھا۔

اتنے میں کچھ سوار ادھر سے گزرے، ان میں سے ایک آگے آگے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اس نے جس جگہ آگ دبی ہوئی تھی، اپنا نیزہ گاڑا، اور کہا، "میں یہاں آگ دیکھ رہا ہوں" یہ کہ کر وہ گھوڑے سے اُترا۔ ایک ہاتھ کے لگ بھگ زمین کھودی، مگر آگ کہیں نہ دکھائی دی، ساتھیوں نے اسے ملامت کی، کہا، "تم نے مفت میں ہمیں تکلیف دی پریشان کیا اور جھوٹ بولے" اس نے کہا، "میں نے غلط نہیں کہا، میں اب بھی اپنے نیزے کی جگہ آگ دیکھ رہا ہوں" ساتھیوں نے کہا، "نہ یہاں آگ ہے نہ کچھ اور تمھیں اپنی عقل ورائے پر گھمنڈ ہو گیا ہے، اسی لیے بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہو، ہمیں تم پہ نہیں، اپنے اوپر تعجب ہے کہ خواہ مخواہ تمھاری باتیں مان لیتے ہیں" ان لوگوں نے اسے اتنا ستایا کہ تنگ آکر اس نے کہ دیا، "اچھا بھائی پیچھا چھوڑو، میں جھوٹا سہی"!

یہ لوگ واپس گئے اور اپنی منزل پر پہنچ گئے، عروہ ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ یہاں پہنچ کر ایک خرابہ میں چھپ کر بیٹھ گیا، وہ آدمی جس پر لعن طعن ہوئی تھی اپنی بی بی کے پاس آیا، عروہ چھپا ہوا، ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا، عورت نے کہا، "خدا کی تم پر لعنت، ساری رات اپنے ساتھیوں کو پریشان رکھا" اس نے کہا "میں اب بھی کہتا ہوں وہاں میں نے آگ دیکھی تھی" پھر اپنے غلام سے دودھ مانگا، جب وہ چلا گیا تو کہا، "رب کعبہ کی قسم یہاں کسی اجنبی آدمی کی بو آرہی ہے" عورت نے کہا، "آگ کے بعد یہ دوسری ہوئی، کس آدمی کی بو سونگھ رہے ہو؟" یہ کہ کر وہ چیخی، فوراً قبیلے کے آدمی جمع ہو گئے، "کیا ہے؟ کیا بات ہے؟" "یہ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں، میرے چال چلن پر شبہہ کر رہے ہیں"۔ لوگوں نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا، تنگ آکر اس نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔

اب وہ اپنے فرش پر جا لیٹا، عروہ ایک جست میں اس کے گھوڑے کے پاس پہنچا، تاکہ اس پر بیٹھ کر چمپت ہو جائے، وہ گھوڑے پر بیٹھا، اس کی پیٹھ تھپتھپائی، ایڑ لگائی اور چل دیا، پیچھے پیچھے مادین پر مالک بھی تعاقب کرتا ہوا بڑھا، یہ دونوں آبادی سے دور نکل آئے، عروہ نے کہا، "اے شخص رُک جا! اگر تجھے معلوم ہو جائے میں کون ہوں تو تو میرے سامنے آنے کی ہمت نہیں کرے گا؟ میں ہوں عروہ بن الورد ——— میں نے رات تم سے عجیب عجیب باتیں سرزد ہوتے دیکھیں، ان کی کُنہ بتا دو تو تمہارا گھوڑا واپس کر دوں گا"۔

وہ شخص رُک گیا، اس نے پوچھا، "کیا باتیں؟"

"تم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آئے، جہاں میں نے آگ دبا دی تھی وہاں تم نے اپنا نیزہ گاڑا، اور کہا یہاں آگ ہے، لوگوں نے تمہیں ملامت کی، تم اپنے قول سے پھر گئے، حالاں کہ سچ کہہ رہے تھے، پھر میں تمہارے پیچھے پیچھے آیا، تم نے ایک اجنبی آدمی کی بُو بھی سونگھ لی، وہ اجنبی میں ہی تھا، جب تمہاری اس بات پر لعن طعن ہوئی تو تم اس قول سے بھی پھر گئے، پھر میں تمہارے گھوڑے کے پاس گیا، وہ ہنہنانے لگا، تم اس کے پاس پہنچے اور اب میرے پیچھے پیچھے موجود ہو، میں نے تو تمہیں کامل ترین آدمی پایا، لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں اور تم جھوٹے ہو جاتے ہو"

وہ ہنسا، کہنے لگا:-

"یہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں، سب کے سب بُرے عادات و اطوار کے، یہ میرا کمال جو تم دیکھ رہے ہو، یہ مجھے اپنے ددھیال سے

ملا ہے —— ہذیل سے —— یہ ذہانت تم میرے ننھیال کے لوگوں
میں نہیں پاؤ گے۔ یہ تو قبیلۂ خزاعہ سے ہیں جو عورت تم نے میرے
پاس دیکھی تھی وہ انھیں لوگوں میں سے ہے، میں چوں کہ وہیں اترا ہوا تھا
اس لیے بات بات میں وہ لوگ مجھے دبا لیتے تھے"
عروہ نے کہا "بہت بہتر، یہ لیجیے اپنا گھوڑا، اور صحیح سلامت تشریف لے جایئے"
"گھوڑا اپنے پاس رکھیے، میرے پاس اس نسل کے بہت سے گھوڑے
ہیں خدا آپ کو یہ گھوڑا مبارک کرے"

---

(۵۵) اسحٰق موصلی کا مالِ غنیمت!

اسحٰق موصلی روایت کرتے ہیں کہ دارالخلافت کی دربار داری سے تنگ آکر
میں نے ارادہ کیا کہ کہیں باہر سیر کو جاؤں، میں نے اپنے غلاموں سے کہ دیا
اگر خلیفہ کا قاصد آئے یا کوئی اور مجھے پوچھے تو کہہ دینا میں صبح ہی صبح کسی ضروری
کام سے کہیں باہر چلا گیا ہوں، اور یہ کہ تمھیں بھی نہیں معلوم میں کہاں گیا
ہوں؟

میں صحرا کی طرف نکل گیا، خوب اِدھر اُدھر گھوما، پھر واپس ہوا، دوپہر
ہو چکی تھی، ایک چوراہے کے نکڑ پر سایے میں ٹھہر گیا کہ ذرا ستا لوں، اتنے
میں میں نے دیکھا کوئی نوکر ایک گدھے کی لگام ہاتھ میں لیے چلا جا رہا ہے، گدھے
پر ایک شکیل اور خوب رو کنیز بیٹھی ہے، چہرے پر ایک خوب صورت رومال،
جسم پر لباسِ فاخرہ، حُسن و جمال کی چلتی پھرتی مورت، میں نے گمان کیا، ہو
نہ ہو یہ کوئی مغنّیہ ہے، وہ سامنے والے گھر میں داخل ہو گئی، ذرا دیر گزری تھی

کہ دو خوب صورت جوان دروازے پر آکے رُکے، اذن طلب کیا، فوراً اندر بُلا لیے گئے، میں بھی دونوں کے ساتھ ساتھ اندر پہنچ گیا، وہ دونوں یہ سمجھے کہ صاحب خانہ نے مجھے بُلایا ہے، اور صاحب خانے نے خیال کیا کہ ان دونوں کے ساتھ میں آیا ہوں۔ ہم لوگ تپاک سے بٹھائے گئے، کھانا آیا، خوب کھایا۔ شراب آئی، خم کے خم لنڈھا دیے۔ اتنے میں وہی کنیز نمودار ہوئی ہاتھ میں عود لیے ہوئے وہ گاتی رہی، ہم پیتے رہے، صاحب خانہ نے ان دونوں سے میرے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا، "ہم تو نہیں جانتے یہ کون بزرگ ہیں؟" پھر ایک بولا، "یہ طفیلی ہے، لیکن آدمی خوش مذاق معلوم ہوتا ہے، کیا ہرج ہے، اس سے بھی لُطف اٹھاؤ۔" اب میں مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ کنیز اب میری لے میں گانے لگی اور سچ یہ ہے کہ خوب گائی، پھر اس نے دوسرے راگ چھیڑے، میرے ایجاد کیے ہوئے راگ اس نے زیادہ گائے، نئی اور پُرانی ہر طرح کی راگنیوں میں اس نے اپنا کمال دکھایا، اسی اثنا میں پھر میرا راگ گانے لگی، اب ذرا بہکی، میں نے ارادہ کیا تصحیح کر دوں، ایک آدمی نے کہا "تمھارا ایسا طفیلی کوئی نہیں دیکھا، منہ کیوں پھلائے بیٹھے ہو؟" میں نے سر ہلا کر خاموشی اختیار کر لی، کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ لوگ نماز کے لیے اٹھے، میں نے اُٹھتے اُٹھتے عود اٹھایا، اس کے تار کس دیے، اور نماز پڑھنے چلا گیا، نماز کے بعد جب ہم لوگ پھر بیٹھے تو اس آدمی نے مجھ پر فقرے کسنے شروع کیے۔ میں چُپ چاپ بیٹھا رہا کنیز نے عود اٹھایا، تاروں پر انگلیاں چلائیں، اپنی ترتیب سے بدلا ہوا پایا پوچھا "کس نے میرا عود چھوا تھا؟" "کسی نے نہیں" انھوں نے کہا، "نہیں، خُدا کی قسم کسی کامل استاد نے اس میں ہاتھ لگایا ہے، اور اسے بہت اچھے طور پر

ٹھیک کیا ہو"، کنیز بولی: "یہ حرکت مجھ سے سرزد ہوئی ہو" میں نے کہا۔ کہنے لگی: "آپ کو خدا کی قسم یہ عود لیجیے اور ذرا بجائیے" میں نے لے لیا، اور اپنے ڈھنگ پر طرح طرح سے بجانے لگا، جو لوگ مجلس میں موجود تھے، کھسک کھسک کر سب میرے سامنے آکر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے: "کیوں اُستاد، کچھ سُناؤ نا؟"

"سُناتا ہوں، لیکن جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں ہوں اسحٰق موصلی، لیکن نہ میں ایک بول گاؤں گا، نہ تمھارے ساتھ بیٹھوں گا، جب تک اس یاوہ گو کو یہاں سے نہ نکال دو، جس نے میری ہتک کی"

اس کا ساتھی اس سے کہنے لگا "کم بخت میں یہی ڈر رہا تھا، اب بول؟" پھر مجھ سے بڑی لجاجت سے معذرت خواہ ہوا، میں نے کہا: "نا بابا اگر یہ ہو تو میں چلا" آخر وہ شخص دست بدستِ دگرے باہر پہنچایا گیا۔ پھر میں نے اپنے وہ راگ شروع کیے جو ابھی کنیز گا چکی تھی۔

"ایک التجا مانیے گا؟"

"وہ کیا؟"

"میرے پاس صرف ایک مہینہ ٹھہر جائیے، یہ کنیز، یہ گدھا، یہ زیور، یہ ساز و سامان سب آپ کا"

میں راضی ہو گیا، پورے تیس دن وہاں ٹھہرا، کوئی بھی نہیں جانتا تھا میں کہاں ہوں؟ ماموں رشید روز مجھے طلب کرتا تھا، جب پوچھتا یہی معلوم ہوتا میں بے نشان ہوں۔

ایک مہینے کے بعد کنیز اور سارا ساز و سامان میرے حوالے کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ لے کر میں اپنے گھر پہنچا، پھر وقت مقررہ پر دربار گیا، ماموں نے مجھے دیکھا تو کہا: "کم بخت، اب تک کہاں تھا؟" میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

خلیفہ نے اسی وقت اس آدمی کو بلوایا، اس سے کہا، "تم اچھے خصائل کے آدمی ہو، لیکن خبردار میرے ساتھیوں کو اپنے پاس نہ رکھا کرو" یہ کہہ کر اسے ایک لاکھ درہم عطا کیے۔ پھر کنیز کو بلایا، اس کا گانا سُنا اور حکم دیا کہ پس پردہ بیٹھ کر درباری کنیزوں کو گانا سکھا دیا کرے۔ پچاس ہزار درہم اسے بھی مرحمت کیے۔

---

(۵۶) خلیفہ ولید اور ایک مُغنّی!

دحمان اونٹوں کا کاروبار کیا کرتا تھا، بڑا صاحب مروّت و خلق آدمی تھا مُغنّی بھی بڑے پایہ کا تھا، ایک روز کاروباری سلسلے میں کہیں جا رہا تھا، کہ راستے میں ایک غمگین آواز اس نے سُنی، کھڑا ہو گیا، پھر آواز پر چل پڑا، دیکھا ایک کنیز رو رہی ہے، پوچھا:-

"تو باندی ہے؟"

"ہاں"

"تیرا مالک کون ہے"؟

"ایک قریشی عورت"

"وہ تجھے فروخت کرے گی؟"

"ہاں بیچے گی"

میں اس کی مالکہ کے ہاں گیا، لونڈی نے مالکہ سے کہا۔ "یہ آدمی مجھے خریدے گا" اس نے مجھے اندر بلایا، دو سو دینار پر سودا ہوا، میں نے روپے وہیں گن دیے اور لونڈی کو اپنے ساتھ لے کر چلا آیا۔

دحمان کا بیان ہے، کنیز ایک عرصے تک میرے پاس رہی، اور فن موسیقی

میں کمال حاصل کرتی رہی۔ جب فن میں کامل ہوگئی تو میں اسے لے کر شام کی طرف روانہ ہوا، جب کوئی منزل آتی ہم بیٹھ جاتے، کھانا کھاتے، نبیذ پیتے، گاتے اور چل کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ ہم شام کے پاس پہنچ گئے۔ ایک منزل پر میں اسے اپنا راگ سکھا رہا تھا۔ جب وہ سیکھ گئی تو میں نے سُنا اور داد دی۔

اسی اثنا میں ایک سوار ہمارے سامنے آیا۔ اس نے ہمیں سلام کیا، اور کہا "کیا آپ اجازت دیں گے کہ اس وقت میں آپ کے زیرِ سایہ کچھ دیر بیٹھوں؟" میں نے کہا، "ہاں ہاں شوق سے آئیے" وہ گھوڑے سے اُتر پڑا، میں نے کھانا پیش کیا، نبیذ پلائی، وہ میرا گانا بار بار دہراتا رہا۔ پھر اس نے کنیز سے کہا، "کیا دحمان کی کوئی اور چیز سُناؤ گی؟" "کیوں نہیں؟" یہ کہہ کے اس نے میرے کئی راگ اسے سُنا ڈالے، سوار یہ نہیں جانتا تھا میں دحمان ہوں۔ میرے راگ سُن کر وہ بہت خوش ہوا۔ وہ خم کے خم لنڈھاتا جاتا تھا اور کنیز گاتی جاتی تھی، یہاں تک کہ کوچ کا وقت آگیا۔ اس نے مجھ سے کہا، "کیا اس کنیز کو فروخت کرو گے؟"

"ہاں ضرور"

"کتنے میں؟"

"دس ہزار دینار میں"

"منظور، میں نے لے لیا، قلم دوات کاغذ لاؤ"

یہ چیزیں مہیا کی گئیں، اس نے ایک چٹھی لکھی، "حاملِ رقعہ کو فوراً دس ہزار دینار دے دو، اس سے اچھی طرح پیش آؤ" خط پر مہر لگائی اور میری طرف بڑھا دیا، پھر کہا، "کنیز ابھی میرے حوالے کرو گے یا جب رقم وصول ہو جائے گی تب؟" میں نے کہا، "ابھی لے جائیے" اس نے کنیز کو اپنے ساتھ لیا، اور کہا، "جب تم نجرا پہنچو تو فلاں شخص کو دریافت کرنا، اسے یہ خط دینا،

اور رُپڑے لینا، یہ کہہ کر وہ کنیز کو اپنے ساتھ لے آگے بڑھ گیا۔

جب میں نجرا پہنچا تو میں نے مکتوب الیہ کی جستجو کی، فوراً پتا چل گیا۔ میں نے اسے خط دیا، اس نے خط کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا، فوراً دس ہزار دینار منگائے اور مجھے دے دیے، پھر کہا، "یہ امیرالمومنین کا رقعہ ہے"، پھر کہا، "تشریف رکھیے تاکہ میں امیرالمومنین کو آپ کی اطّلاع دے دوں"، لیکن میں ٹال گیا۔

کنیز خلیفہ ولید کے پاس ایک مہینہ رہی، اس سے خلیفہ نے میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا، جب وہ اس قابل ہوگئی کہ اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا جاسکے! تو خلیفہ نے اس سے کہا، "دحمان کا کوئی گانا سُناؤ" اس نے سُنایا۔ پھر کہا، "اور" وہ اور سُنانے لگی۔ پھر خلیفہ سے گویا ہوئی، "یا امیرالمومنین کیا آپ نے دحمان کا گانا خود اس کے مُنہ سے نہیں سُنا؟"

"نہیں"

"خُدا کی قسم آپ سُن چکے ہیں"

"میں کہتا ہوں نہیں اور تم قسم کھا کر مجھے جھٹلا رہی ہو؟"

"واللہ آپ نے اس کے منہ سے اس کا گانا سُنا ہے"

"کم بخت یہ کس طرح؟"

"آپ نے جس آدمی سے مجھے خریدا، وہ کون تھا؟ دحمان ہی تو تھا!"

"دحمان تھا وہ؟!"

"جی! وہ دحمان تھا"

"لیکن مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"اس نے مجھے اشارے سے منع کر دیا تھا"

کے شر سے خائف ہو یا اس سے کسی اچھی بات کی آس لگائے ہوئے ہو، یہ کہہ کے پھر اس نے خچر کے ایک کوڑا لگایا، اور مجھے دھکیل دیا جس سے میری ٹوپی زمین پر گر گئی۔ خدا کی قسم اگر الراعی نے مجھ سے ایسی بکواس کی ہوتی، تو میں کہتا، "بے وقوف ہو، نادان ہو، لیکن خدا کی قسم وہ تو کچھ بولا ہی نہیں۔ خیر میں نے اپنی ٹوپی اٹھائی، اس کی گرد جھاڑی، پھر اسے اپنے سر پر رکھ لیا۔

میں نے سنا راعی اپنے بیٹے جندل سے کہہ رہا تھا۔ "تو نے بری طرح اس کی ٹوپی زمین پر پھینک دی، اگر اس نے مجھے کچھ برا بھلا کہا ہوتا تو یہ واقعہ مجھے گراں نہ گزرتا"۔

جریر بہت غضب ناک ہو کر اپنے گھر واپس ہوا، عشا کی نماز اس نے گھر ہی میں بالا خانے پر پڑھی، پھر اس نے کہا، "میرے لیے نبیذ کا جام تیار کرو اور چراغ جلاؤ"، چراغ جلایا گیا، اور نبیذ کا جام سامنے رکھ دیا گیا۔

کچھ دیر کے بعد وہ گنگنانے لگا۔ گھر میں ایک بڑھیا تھی، آواز سن کر اس نے کھڑکی سے جھانکا، دیکھتی کیا ہے جریر اپنے بستر پر پیچ و تاب کھا رہا ہے، پھر وہ نیچے آئی، کہا، "تمہارا آدمی پاگل ہو گیا ہے، میں اسے اوپر اس حال میں دیکھ کر آ رہی ہوں" لوگوں نے کہا، "تم اپنے حال میں مگن رہو۔ پروا نہ کرو، ہم اسے اور اس کی حالت کو خوب جانتے ہیں۔ اسی حالت میں جریر نے صبح کر دی۔ پھر اس نے تکبیر کہی، اس وقت تک اسی اشعار بنی نمیر پر وہ کہہ چکا تھا جب وہ اس شعر پر پہنچا، تو چیخ پڑا۔

فغض الطرف انک من نمیر فلا کعباً بلغت ولا کلابا

اپنی نگاہ نیچی رکھ! تو تو بنی نمیر میں سے ہے۔ تو کعب اور کلاب کے مرتبے کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا!

اس نے کہا، ربِ کعبہ کی قسم! میں نے اسے رسوا کر دیا"

جب صبح ہوئی تو اسے معلوم ہوا، لوگ مربد میں اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، جہاں راعی اور فرزدق کی مجلسیں مشہور تھیں، پھر اس نے تیل منگایا، سر میں ڈالا، بال سنوارے، پھر کہا، "اے غلام! میرے لیے سواری تیار کر"، غلام نے گھوڑے کو زین سے آراستہ کر دیا، پھر جریر مربد کے قصد سے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے سلام و کلام شروع ہوتا تھا۔ اس نے سلام نہیں کیا، اور کہا، "اے غلام عبید سے کہہ دے، کیا تمھاری عورتوں نے مال کمانے تمھیں عراق بھیجا ہے؟ اس کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں جریر کی جان ہے، وہ ان کے پاس اس طرح واپس ہوگا کہ نہ وہ اس سے خوش ہوں گی، نہ اس کا خیر مقدم کریں گی۔ پھر اس نے گانا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے، جریر کے اشعارِ آب دار سُن کر فرزدق اور راعی الابل نے اپنے اپنے سر جھکا لیے، حاضرینِ مجلس خاموش ہو گئے، جب وہ گا چکا تو راعی نکل کر فوراً بھاگا، اپنے خچّر پر بڑی برہمی کے ساتھ سوار ہوا، مجلس سے نکل گیا، اور اپنی قیام گاہ پر پہنچا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "اٹھو! بھاگو! اب یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔ خُدا کی قسم تمھیں جریر نے رُسوا کر دیا، الراعی کے بعض ہم قوموں نے اس سے کہا، "یہ آفت تمھاری اور تمھارے بیٹے کی لائی ہوئی ہے، مجلس سے سب اٹھ کر چل دیے، یہاں تک کہ سب لوگ مقام شریف میں پہنچے جو بنی نمیرہ کی آبادی سے ذرا بلندی پر واقع تھا۔

راعی قسم کھا کر کہتا ہے، ہم نے اپنے گھر میں دیکھا "فغض الطرف انک من نمیر" ہر شخص کی زبان پر تھا، خدا کی قسم کلام کی یہ شہرتِ عام کسی کو نصیب نہ ہوئی، واللہ جریر تو جنوں کا ساتھی معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر نے بنو نمیر کو رسوا

کر دیا۔ قبیلے کے لوگوں نے الراعی اور اس کے بیٹے کو بہت گالیاں دیں، کیوں کہ وہ اس شعر کی وجہ سے اب تک بدنام ہیں۔

---

(۵۸) سب سے اچھّا شعر اور سب سے اچھّا کھانا

عوانہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے ایک دفعہ کھانا پکوایا۔ کھانا بہت کافی مقدار میں اور بڑا خوش ذائقہ تیار کیا گیا تھا، پھر اس نے لوگوں کو دعوت دی، انھوں نے آکر کھایا، ان میں سے بعض نے کہا، "کتنا مزے دار ہے یہ کھانا۔ ہم نے تو اس سے زیادہ مقدار میں اور اس سے زیادہ مزے دار کھانا نہیں دیکھا" ایک گوشے سے کوئی اعرابی بولا۔ "جہاں تک فراوانی کا تعلق ہے بلا شبہہ میں نے بھی اتنا زیادہ کھانا کسی دعوت میں نہیں دیکھا، لیکن جہاں تک مزے کا تعلق ہے تو خدا کی قسم میں اس سے کہیں زیادہ مزے دار کھانا کھا چکا ہوں" لوگ اس کی بات پر ہنسنے لگے۔

عبدالملک نے اسے اشارہ کرکے اپنے پاس بلایا اور کہا "جو کچھ تم نے کہا وہ سچ نہیں مانا جا سکتا، جب تک اپنی سچائی کا ثبوت بھی نہ دے دو"۔

اعرابی نے کہا، "سنیے امیرالمومنین! میں مقام ہجر میں تھا جو ترب احمر میں واقع ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا، اپنے پیچھے وہ یتیموں اور ضعیفوں کو چھوڑ گئے، ان کا ایک کھجور کا باغ تھا اس میں ایسی کھجوریں ہوتی تھیں کہ کاہے کو کبھی کسی نے دیکھی ہوں گی، اس کی کھجوریں کیا تھیں گویا تو عمر اونٹ کے کُھر تھے۔ ایسی کھجوریں کبھی بھی نہیں دیکھی گئی ہونگی، بھری بھری، بالکل ملائم، گٹھلیاں بھی بہت چھوٹی چھوٹی، اور شیرینی تو اتنی کہ بس کیا کہیے، ایک جنگلی گدھی اس درخت

سے بہت مایوس تھی۔ رات وہ اسی کے نیچے گزار کرتی تھی، وہ اپنے دونوں پچھلے پیروں کو اس کی جڑ میں گاڑ دیتی تھی اور دونوں اگلے پیروں کو اوپر اٹھا کر تنے پر رکھ دیتی تھی، اور منہ سے کھجوریں کھانا شروع کر دیتی تھی، سب کھا جاتی تھی، تھوڑی بہت چھوڑ دیتی تھی، اس کی اس حرکت سے میں بہت نالاں تھا ایک روز میں اپنے ساتھ تیر کمان لے کر گیا خیال تھا کہ جلد واپس آجاؤں گا۔ میں وہاں پورے ایک دن اور ایک رات رہا، مگر میں اسے نہ دیکھ سکا، آخر صبح ہوتے ہوتے وہ آگئی

میں تاک میں تو تھا ہی، میں نے اسے اپنے تیر کا شکار کر لیا، اسے ذبح کیا، اور اس کا گوشت نکالا۔ پھر میں نے اس کا پیٹ چاک کیا، اور پارچے بنائے، انھیں بھوننے کے لیے ادھر ادھر سے میں نے کچھ لکڑیاں جمع کیں چولھے میں رکھیں، اب میں نے چقماق اٹھایا، اسے رگڑا اور لکڑیوں کو اس سے سلگایا۔ میں نے وہ پارچے انگاروں پر رکھ دیے، اتنے میں مجھے تھکن کے مارے نیند آگئی، آخر دھوپ کی تپش نے مجھے بیدار کیا، میں چولھے کے پاس گیا، پارچوں پر سے میں نے آگ، راکھ، دھوئیں کی سیاہی، اور خاکستر کا ڈھیر صاف کیا، پھر میں نے پارچوں کو نرم چادر کی طرح الٹ پلٹ کیا۔ بعد ازاں میں نے گوشت پر اسی درخت کی چند کھجوریں ڈال دیں، جو ابھی گدرائی ہوئی تھیں، میں نے گوشت کے چرچرانے کی آواز سنی، جیسے عامر وغطفان کے لوگ جنگ کے وقت چلا رہے ہوں۔ پھر میں کھانے بیٹھ گیا۔ میں نے چربی اور بوٹیاں خوب کھائیں۔ میں گوشت کے پارچے کو دو کھجوروں کے درمیان رکھتا تھا، اور منہ میں ڈال لیتا تھا، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اس سے زیادہ مزے دار کھانا میں نے کبھی نہیں کھایا"

عبدالملک نے کہا، "اچھا مان لیا، تمھارا وہ کھانا، سب کھانوں سے اچھا تھا، یہ بتاؤ تم ہو کون؟"

"میں وہ ہوں جسے قبیلۂ تمیم واسد کی گنوارو بولی نے، اور قبیلۂ ربیعہ کی غلط زبان نے، اور اہلِ یمن کے متوحش کردینے والے لہجے نے تکلیف پہنچائی ہوتی اگر میں ان میں سے ہوتا"

"تم کس قبیلے میں سے ہو؟"

"آپ کے ماموں زاد بھائیوں بنی عذرہ میں سے"

"وہ لوگ تو بڑے فصیح ہیں، تمھیں کچھ شعر و شاعری سے بھی دل چسپی ہے؟"

"پوچھیے جو چاہیے یا امیرالمومنین"

"جریر کا یہ شعر"

"کیا وہ لوگ جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں، ان میں تم سب سے بہتر نہیں ہو؟ اور دُنیا میں سب سے زیادہ کشادہ دست نہیں ہو؟"

اس مجمع میں جریر بھی بیٹھا ہوا تھا، اس نے اپنا سر اٹھایا، گردن ذرا اونچی کی۔

عبدالملک نے پوچھا، "فخریہ اشعار میں سب سے اچھا شعر کون سا ہے؟"

"جریر کا یہ شعر"

"جب بنو تمیم تجھ پر برہم ہوں، تو سمجھ لے کہ ساری دُنیا تجھ سے خفا ہے"

عبدالملک جھومنے لگا، پھر اس نے پوچھا، "اچھا، ہجو میں سب سے

اچھا شعر کون سا ہے؟"

"جریر کا یہ شعر:۔

"تو اپنی آنکھ نیچی رکھ اس لیے کہ تو بنی نمیر میں سے ہے، نہ تو کعب
کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے نہ کلاب کے"

جریر نے فخر سے اِدھر اُدھر دیکھا، مارے خوشی کے وہ جھومنے لگا۔

پھر عبدالملک نے پوچھا "عرب شعرا میں کس شاعر نے سب سے اچھی تشبیہ باندھی ہے"

"جریر نے اس شعر میں"!۔

"رات کا اندھیارا چھا گیا، گویا آسمان کے تارے قندلیں ہیں
جن میں بتی والے دیے رکھے ہوئے ہیں"

جریر نے کہا، "امیرالمومنین میرا انعام اسے مرحمت فرمایا جائے"

عبدالملک نے کہا، "اس اعرابی کو تم سے دوگنا انعام بیت المال سے دیا جائے گا، لیکن جریر تمھارا انعام تمھیں ملے گا، اس میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی"۔ جریر کو چار ہزار درہم اور بہت سا ساز و سامان انعام ملا۔

وہ عذری اعرابی اس طرح باہر نکلا کہ اس کے داہنے ہاتھ میں آٹھ ہزار درہم تھے، اور بائیں میں خلعتِ فاخرہ!

---

(۵۹) جان بچی لاکھوں پائے

احمد ابن ابی طاہر کہتے ہیں، کہ افشین[۱] حیدر بن کاؤس جب

---

[۱] افشین حیدر کے حالات کے لیے ابن عبری کی تاریخ الدول (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۴ پر)

بابک[۱] سے جنگ کرنے نکلا تو ابودلف[۲] قاسم بن عیسیٰ اس کے ساتھ تھے، وہ ان سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور انھیں قتل کر دینے کا ارادہ کیا، اس کی بھنک کہیں خلیفہ معتصم باللہ کو بھی مل گئی، اس نے احمد بن داؤد کو افشین کے پاس بھیجا، اور کہا، "افشین کے پاس جاؤ، مجھے امید نہیں تمھارے کہنے سے وہ ابودلف کو چھوڑ دے، بہر حال کسی طرح بھی اسے اس کے پنجۂ ستم سے رہا کراؤ۔"

احمد بن دواد کہتے ہیں، میں روانہ ہوا، یہاں تک کہ افشین کے پاس پہنچ گیا، دیکھتا کیا ہوں ابودلف اس کے سامنے کھڑا ہوا ہے، دو ترک غلام اس کی مشکیں باندھے ہوئے تھے، میں فوراً افشین کے پاس بیٹھ گیا۔ جب کبھی میں اس کے پاس آتا تھا وہ مجھے مسند پر بٹھاتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا، "سبحان اللہ کیوں کر آنا ہوا؟" میں نے کہا، "اس مجلس میں تو تمھی نے مجھے کھینچ بلایا" پھر میں نے اس سے ابودلف کے بارے میں گفتگو کی، اس کی سعی و سفارش کی، اور التجا کی کہ وہ اسے رہا کر دے جیسے جیسے میں باتیں کرتا جاتا تھا؛ ویسے ویسے اس کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔

میں نے اپنے دل میں کہا، یہ ہر غلام، جتنا جتنا میں نرم پڑتا ہوں، ویسے ویسے یہ اتراتا جاتا ہے، اب ضرورت اس کی ہے کہ اس پر رعب جماؤں،

(صفحہ ۱۹۳ کا بقیہ نوٹ) کے صفحات ۲۴۱ و ۲۴۲ ملاحظہ ہوں۔

[۱] بابک، یہ ایک سرپھرا شخص تھا، جس نے دین کے پردے میں ہوس رانی کو فروغ دینے کی کوشش کی، اس کے مفصّل حالات، مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے ناول کے پیرایہ میں، "بابک خرمی" کے نام سے لکھے ہیں۔

[۲] ابودلف بہادر اور شجاع انسان تھا، خلفا کا ندیم اور یار تھا، بہترین شاعر تھا۔

میں اُٹھا، میں نے کہا، "تو کب تک یکے بعد دیگرے امیرالمومنین کے دوستوں کو قتل کرتا رہے گا، کب تک ایک کے بعد دوسرے فرمان کی نافرمانی کرتا رہے گا؟ یہ دیکھ میں امیرالمومنین کا فرمان لایا ہوں اس کا جواب دے!"

یہ سُن کر وہ بہت خاکساری پر اُتر آیا، حتیٰ کہ زمین بوس بھی ہو گیا۔ اس کے چہرے سے اضطراب ٹپک رہا تھا، جب میں نے یہ رنگ دیکھا، میں ابودلف کے پاس گیا، اس کا ہاتھ پکڑا، میں نے افشین سے کہا۔ "امیرالمومنین کے حکم کے مطابق میں اسے لیے چلتا ہوں" اس نے کہا، "ابوعبداللہ ایسا نہ کرو" میں نے کہا، "میں تو کر گزرا" میں ابودلف کو لے کر باہر آیا، اسے سواری پر بٹھایا اور خلیفہ معتصم باللہ کے حضور میں پہنچ گیا۔

خلیفہ نے جب مجھے دیکھا، کہا، "ابوعبداللہ، تم خوب آئے جیسا میں سوچ رہا تھا، تم نے ویسا ہی کیا" پھر اس نے اپنے تصوّر کے مطابق جو کچھ میرے اور افشین کے مابین گزری تھی بیان کیا۔ ایک بات بھی غلط نہیں کہی۔ پھر اس نے اپنے کہے ہوئے بیان کی تصدیق چاہی۔ میں نے کہا، "آپ نے ایک حرف بھی غلط نہیں کہا!"

---

(۶۰) عشقِ صالح!

بثینہ ایک پاک دامن، خوب صورت اور خوب سیرت لڑکی تھی، وہ بیان کرتی ہے، "خُدا کی قسم جمیل مجھ سے عشق کرتا تھا، لیکن اس نے کبھی کوئی نازیبا بات نہ کی۔ خُدا اس پر اپنی رحمت نازل کرے، اور نہ میں نے

کبھی چارے سے تجاوز کیا۔"

میرا قبیلہ پانی اور چارے کی تلاش میں جا رہا تھا، میں ایک ہودج میں بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں میں نے سُنا کوئی جمیل کے درد انگیز اشعار گا رہا ہے، میں اپنے اُوپر قابو نہ رکھ سکی۔ قبیلے والے دیکھ رہے تھے، میں ہودج سے اُتری، اور آواز کے پیچھے پیچھے چلی، کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے آواز دی "اے جمیل کے اشعار گانے والے کچھ جمیل کی خبر ہے؟" میرا دل دھڑک رہا تھا کہیں وہ اس دُنیا سے گزر نہ گیا ہو۔ مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے تین مرتبہ پکارا، اور ہر مرتبہ صدائے برنخاست۔

میری سہیلیوں نے مجھ سے کہا، "بثینہ پاگل ہوئی ہو؟ کسے پُکار رہی ہو؟" میں نے کہا "میں حواس میں ہوں، خُدا کی قسم میں نے سُنا کہنے والا کچھ کہ رہا ہے" سہیلیاں کہنے لگیں "ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو کچھ بھی نہیں سُنتے" میں واپس آگئی، اپنے ہودج میں ملول و غمگین، پریشان و بے قرار بیٹھ گئی۔ قافلہ چلا، جب رات ہوئی، میں نے سُنا پھر کوئی وہی اشعار گا رہا ہے۔ میں پھر ضبط نہ کر سکی، آواز کی ٹوہ میں چلی، جب قریب پہنچی آواز بند ہو گئی۔ میں نے کہا، "اے بولنے والے، خُدا کے لیے مجھ پر رحم کر، مجھے سکون دے، ان اشعار کے پیچھے کیا ہے وہ بھی بتا؟" مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں اپنی قیام گاہ پر واپس آگئی۔ قافلہ پھر آگے بڑھا۔ میں اس حال میں جا رہی تھی کہ میرے حواس پراگندہ تھے۔ میں جب جب آواز سُنتی تھی، میری سہیلیاں کہتی تھیں، "ہم نے تو کچھ نہیں سُنا!"

دوسری رات آئی، ہم اُتر پڑے۔ قبیلے کے سب لوگ خواب گاہ میں پہنچ گئے، ہر آنکھ سو گئی، میں نے سُنا کوئی کہ رہا ہے، "بثینہ، میری

طرف متوجّہ ہو، جو تم چاہتی ہو، میں وہ خبر سُناتا ہوں" میں آواز کی طرف متوجّہ ہوئی، دیکھتی کیا ہوں، ایک بوڑھا شخص کھڑا ہی، گویا وہ ہمارے ہی قبیلے کا آدمی ہی، میں نے پوچھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟ کیا نام ہی؟"

"اسے چھوڑو، کام کی بات سُنو"

"بتاؤ تو"

"جو کہتا ہوں اس پر قناعت کرو"

"تمہی جمیل کے اشعار پڑھ رہے تھے؟"

"ہاں"

"جمیل کا کچھ حال معلوم ہی؟"

"وہ خُدا سے جا ملا، آغوشِ قبر میں جا سویا، خدا اس پر رحم کرے"۔

میں ضبط نہ کر سکی، ایک آہِ جگر دگار منہ سے نکل گئی۔ میں غم سے نڈھال ہو رہی تھی، بے ہوش ہو کر گر پڑی، کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔ ساری رات اسی طرح پڑی رہی، فجر کے قریب ذرا افاقہ ہوا، گھر والے مجھے ڈھونڈھ رہے تھے، آخر کار میری آہ و نالے کی آواز بلند ہوئی: میں اپنی جگہ پہنچائی گئی۔ گھر والوں نے پوچھا، "کیا ہوا؟" میں نے انھیں سارا ماجرا سُنایا۔ کہنے لگے، "خُدا جمیل پر رحم کرے" پھر قبیلے کی عورتیں جمع ہوئیں، اور نوحہ و ماتم کے اشعار پڑھنے لگیں، تین دن تک وہ مجھے گھیرے رہیں، ذرا دیر کے لیے بھی نہ ہٹیں۔ ہمارے قبیلے کے مردوں کا بھی غم سے بُرا حال تھا، وہ روتے تھے، مرثیے پڑھتے تھے، اور کہتے تھے، "خُدا اس پر رحم کرے وہ پاک باز تھا، سچّا تھا"

بثینہ کہتی ہے، جمیل کی موت کے بعد سے میری آنکھیں سرمے سے ناآشنا ہیں، میں نے نہ مانگ نکالی، نہ چوٹی گوندھی، نہ عطر لگایا، نہ تیل، سوا اس کے کہ دردِ سر مجبور کر دے، پھر نہ میں نے رنگی ہوئی اوڑھنی اوڑھی نہ اچھے کپڑے پہنے، میں اسی طرح روتی رہوں گی، یہاں تک کہ موت آجائے۔

---

(۶۱) من کی ترنگ!

علی بن امیہ کہتے ہیں، میں ایک روز عمر المیدانی کے پاس گیا، اس کے دروازے پر ایک سبزی فروش (بقال) رہتا تھا۔ عمر کی اس سے خوب بنتی تھی، جب کبھی عمر تنگی میں ہوتا، تو بقال اسے قرض بھی دے دیتا۔ عمر کو بھی جب درہم ملتے تو بقال ہی کے پاس رکھا دیتا، اور کبھی اس سے حساب نہ پوچھتا۔

میں پہنچا تو بقّال اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عمر نے کہا "آج میرے پاس چار درہم ہیں، ایک تو میرے گدھے کے دانے چارے کو چھوڑ دو، باقی بچے تین، ان سے جو چاہو کھاؤ، پیو، میرے پاس نبیذ بھی ہے، ہاں، میں گانا بھی سُناؤں گا، یہ بقّال اپنی دُکان سے خشک میوے اور پھل لے آئے گا"، ہم بقال کی طرف متوجہ ہوئے، ایک درہم کے تو پھل پھلاری خرید لائے، کھانا ہم خود پکا رہے تھے، ہانڈی اب اُتارنے ہی والے تھے کہ قاصد نے دروازہ کھٹکھٹایا، عمر نے دروازہ کھول دیا۔ قاصد نے کہا، "آپ کو امیر اسحٰق بن ابراہیم نے ابھی بُلایا ہے" عمر ہمیں بیٹھے رہنے کی تاکید کر کے خود چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ہم لوگ مزے سے کھاتے پیتے رہے، عمر، اسحٰق کے پاس سے رات گئے واپس آیا تھا، صبح ہی صبح اس نے اپنا قاصد بھیج کر مجھے بلوایا، میں گیا، میں نے اس سے کہا، "لے اب اپنی ساری سرگزشت سُنا توڈالو"!

عمر نے کہا، میں امیر اسحٰق کے ہاں گیا، میرے سامنے دسترخوان چُنا گیا میں نے سیر ہوکر کھایا، دو رطل تو شراب پی گیا، پھر ایک طنبور میرے حوالے کیا گیا، امیر اسحٰق کے پسِ پُشت پردہ پڑا ہوا تھا، داہنی طرف مخارق اور بائیں جانب علویہ بیٹھے ہوئے تھے، مجھ سے پوچھا:-

"تم ہی عمر المیدانی ہو؟"

"جی ہاں"

"کھانا کھا چکے؟"

"کھا لیا یا امیر!"

"ہمارے ہاں یا اپنے ہاں؟"

"آپ کے درِ دولت پر یا امیر!"

"اچھا اب گاؤ، وہی راگ جو تم نے ایجاد کیا ہے"

میں گانے لگا، امیر اسحٰق نے پردے پر ہاتھ مارا، اور کہا، "تم بھی یہی گاؤ" پھر مخارق اور علویہ سے کہا، "کیسا ہے یہ گانا؟" میں نے گانا دہرایا اور وہ شراب پیتا رہا، پھر مجھ سے گویا ہوا:-

"میں تو آج خلوت میں رہوں گا، لیکن تمھاری دعوت مجھ پر واجب ہوگئی"

جب میں باہر نکلا تو غلام نے مجھے پانچ ہزار درہم دیے! میں نے

انھیں جیب میں ڈالا، اور چلا آیا، وہ یہ موجود ہیں اب تم ان کو ختم کر کے جانا۔

---

(۶۲) یارِ شاطر

ابن البراء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن طاہر نے شراب پینے کا ارادہ کیا ان کے پاس حسن بن طالوت بھی موجود تھے، انھوں نے کہا، مجھے اس وقت ایک، ایسے آدمی کا خیال آیا، جو اگر شریک مجلس ہو تو بارِ خاطر نہیں بنے گا۔ وہ مجلسی جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتا ہے، دوستوں کی لغویتوں کا شریک نہیں بنتا۔ اگر آپ اسے اپنے قریب کریں گے تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے گا۔ اگر آپ اسے واپس جانے کی ہدایت دیں گے تو فوراً وہ رخصت ہو جائے گا۔

محمد نے پوچھا، وہ کون ہے؟"

"مان الموسوس[1]"

"تمھارا انتخاب برا نہیں ہے"

پھر محمد نے پولیس کے افسرِ اعلیٰ کو حکم دیا کہ اسے فوراً حاضر کیا جائے، اس نے پوری عجلت سے محلہ کرخ کے داروغہ کو حکم دیا، وہ مان کو لے کر محمد بن عبداللہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اسے حمام میں داخل کیا گیا، بال سنوارے گئے، اچھے اچھے کپڑے پہنائے گئے، پھر اسے محمد بن عبداللہ

---

[1] مان، مصر کا ایک مشہور شاعر، اس کا کلام صرف صنفِ غزل پر مشتمل ہے، نام محمد بن قاسم، کنیت ابوالحسین، لقب مان۔

کے سامنے لایا گیا

محمد بن عبداللہ کے سامنے آکر اس نے سلام کیا۔ محمد نے جواب دیا، اور کہا، "ہم تو تمہارے اتنے مشتاق تھے، اور تمہارا ملنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا؟"

مان نے جواب دیا، "خدا امیر کو اور زیادہ سربلند کرے، آتشِ شوق یہاں بھی بھڑک رہی ہے۔ محبت یہاں بھی کارفرما ہے، لیکن حجاب سخت ہے دربان بے مروت ہے، اگر ہمارے لیے حاضری کی شرائط آسان کر دیے جائیں تو امیر کی زیارت میرے لیے ایک کارِ آساں بن جائے۔

محمد نے کہا، "تم نے اجازت بڑے تکلف سے طلب کی" پھر حکم دیا کہ بیٹھے وہ بیٹھ گیا۔ داخلِ دربار ہونے سے پہلے اسے کھانا بھی کھلا دیا گیا تھا۔ اب محمد بن عبداللہ۔ مہدی کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی کنیز کو لے کر آیا۔ کنیز کا نام منوس تھا، محمد کو گانے کا بہت چسکا تھا۔ یہ اکثر محمد کے پاس رہا کرتی تھی۔ اس نے سب سے پہلے یہ اشعار گائے :-

"میں وہ منظر کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب اہلِ قبیلہ صبح صبح کوچ کر رہے تھے، میرے رخساروں پر شدتِ الم سے آنسو بہ رہے تھے۔"

"جب میری آنکھوں کے سامنے سے قافلہ گزر رہا تھا اور اونٹوں کے لیے حدی خوانی کی جا رہی تھی۔ میرے دل سے آواز آرہی تھی کہ یہ سفر آخری سفر نہ ہو؟"

مان نے کہا، "کیا امیر مجھے اجازت دیں گے؟"

"کیسی اجازت؟"

"جو کچھ میں نے سُنا، اس کی داد دینے کی"

"ہاں ہاں"

"اے کنیز، واللہ تو خوب گائی، اگر تو مناسب سمجھے تو ان دونوں شعروں کو بھی اپنے گائے ہوئے اشعار میں شامل کرلے:۔

"میں کھڑا ہوا تھا، آنکھیں اشک آلود تھیں، دل بے تاب تھا۔
آنکھیں ایسے تکلیف دہ منظر کو (جدائی کو) دیکھ رہی تھیں۔
اُس امیر نے اپنے انصاف کے ساتھ میرا ساتھ نہیں دیا
اس ظالم کے بارے میں، جو روکنے اور منع کرنے پر اصرار
کرتا ہے"

محمد نے کہا، "مان تم کس چیز کے لیے مدد چاہ رہے ہو؟" اس نے شرماتے ہوئے کہا "کسی ظلم کے لیے نہیں، بات یہ ہوئی کہ اس مسرت افزا موقعے نے، شوق کو حرکت دی، وہ پہلے چھپا ہوا تھا اب ظاہر ہوگیا"

ابن طالوت نے کہا، "مان! تم پر شکر واجب ہے، زمانے نے تمھارے ساتھ مساعدت کی۔ تم پر امیر نے عنایت کی، تمھیں اس نے مسرت بخشی۔ تم سے غم و الم کو الگ کرلیا، خُدا ہمارے اور تمھارے لیے اسے ہمیشہ زندہ رکھے، جس کی زندگی نے ہمیں اکٹھا کیا، اور ہمارا یہ دن مسرت سے گزارا۔

مان نے کہا۔

"جو کم خلا ملا رکھتا ہے، وہ کامیاب رہتا ہے، جو زیادہ میل
جول رکھتا ہے وہ غمگین رہتا ہے"

میں تمھیں خُدا کے سپرد کرتا ہوں، پھر وہ اٹھا اور چلا گیا، محمد نے حکم دیا کہ اسے انعام دیا جائے۔

اس دن کے بعد سے اکثر محمد، ماں کو شراب کی مجلسوں میں طلب کیا کرتا، اس کی تعظیم کرتا، انعام دیتا، اور اپنے پاس بٹھاتا۔

(۶۳) امام کی دُرگت

ابوالعباس بن عمار کا بیان ہے کہ ماں مجھ سے بہت تکلف سے پیش آتا تھا۔ اس کی آواز بڑی رسیلی اور سُریلی تھی، اس کی غزلوں کے اشعار بھی بہت رواں ہُوا کرتے تھے۔ وہ اکثر مجھے کچھ نہ کچھ سُنایا کرتا تھا، بھانت بھانت کے شعر سُناتا، پھر انھیں کھول کھول کر الگ الگ بیان کرتا۔ ایک روز وہ میرے پاس بیٹھا ہُوا، عریاں بصری کے یہ اشعار سُنا رہا تھا:۔

"آنکھوں نے انصاف نہیں کیا کہ وہ رکیں نہیں اور تو نے دیکھا کہ محبوب بھی نہیں ٹھہرا۔

میں اس جگہ کو دیکھ کر روتا ہوں جہاں وہ ٹھہرا تھا، جہاں وفا کا بدلہ جفا سے دیا جاتا تھا"

میں نے اس سے خواہش ظاہر کی کہ یہ اشعار مجھے لکھوا دے اس نے لکھا دیے۔

اس اثنا میں کہ وہ اشعار سُنا رہا تھا اس نے دیکھا سامنے کی مسجد کا امام مئذنہ[1] پر اذان دینے کے لیے چڑھ رہا ہے۔ وہ شعر پڑھتے پڑھتے رُک گیا اور امام کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ایک بوڑھا، کمزور، اور نحیف آواز والا آدمی تھا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز سے اذان دینا شروع کی۔ ماں بھی مئذنہ

---

[1] مئذنہ وہ جگہ جہاں اذان دی جاتی ہے۔

پر چڑھ گیا، یہاں تک کہ اس کے پاس بلندی پر پہنچ گیا۔ پھر اس نے اس کی داڑھی پکڑ کے اس کے گھٹے ہوئے سر پر ایک چانٹا مارا۔ مجھے تو اندیشہ ہوا بے چارے کی گردن ہی غائب ہوئی۔ اس حرکت کے سبب امام کی آواز کچھ عجیب سی ہو گئی۔ پھر اس نے مؤذن سے کہا "جب تو منارے پر اذان دینے کے لیے چڑھے تو اذان ٹھیک سے دیا کر" پھر وہ اُتر آیا، اور امام ناک کی سیدھ بھاگتا چلا گیا۔

میرے والد سے اور پڑوس کے بزرگوں سے اس امام نے شکایت کی جس کی بنا پر مجھے بتلائے مصیبت ہونا پڑا۔ اس نے کہا، "یہ ابن عمار پاگلوں کو اپنے ہاں بلاتا ہے، ان کے ہذیانات لکھتا ہے، اور انھیں بڑوں اور بزرگوں پر مسلط کر دیتا ہے، اور یہ پاگل مناروں پر انھیں چپتیاتے ہیں اس حالت میں کہ وہ اذان دے رہے ہوں" اس شکایت نے اتنی سنجیدہ صورت اختیار کی کہ مجھے امام کے گھر جا کر معذرت کرنی پڑی۔ میں نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ میں صرف اس کے شعر نقل کر رہا اور لکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی اس حرکت کی خبر بھی نہ ہوئی، نہ میں جانتا تھا وہ کیا کر رہا ہے؟

---

(۶۴) تلاشِ معاش

ابن قداح کہتے ہیں، ابن ابی معقل تلاشِ معاش میں کثرت سے سفر کیا کرتا تھا۔ اس کی بی بی اُم نہیک جو اس کی بنتِ عم بھی تھی، اسے اس سفر گشت پر برابر ملامت کرتی رہتی تھی۔ ابھی وہ چند روز بھی نہ ٹھہرا تھا کہ اس نے اپنی بی بی سے کہا، "میرے کوفے جانے کا سامانِ سفر تیار کرو، وہاں کے

گورنر میرے دوست مغیرہ بن شعبہ مقرر ہوئے ہیں" اس نے سامانِ سفر تیار کر دیا، اور کہا، "تم ہمیشہ سفر ہی میں رہو گے یہاں تک کہ تمھیں موت آجائے" ابو معقل نے کہا، "یا تو موت ہی آجائے گی، یا کامیاب واپس ہوں گا" پھر اس نے کہا:۔

" ای اُم نہیک ذرا اوپر تو نگاہ اٹھا، تو مایوس کیوں ہوتی ہے؟
کبھی تنگ حال بھی مال دار بن سکتا ہے!
میرا یہ دردر پھرنا، جلد ہی تجھے اور مجھے فکرِ دُنیا سے
بے نیاز کر دے گا۔ جو عورت اپنے شوہر کو معاملات میں حصّہ
نہیں لینے دیتی، وہ بس بیٹھا ہی رہ جاتا ہے۔
یا تو میں بہت جلد مال و دولت لے کر واپس آتا ہوں ورنہ
تو رات اس طرح گزارے گی کہ غم سے تیرے دل میں میری فکر
سے طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوں گے۔
جو شخص اپنے نیزے کے زور سے مالِ ممنوعہ حاصل کرنے
کی کوشش کرتا ہے وہ یا تو دولت مند ہو جاتا ہے، یا عسرت کی
زندگی پھر بسر کرنے لگتا ہے "

وہ کوفے پہنچ گیا، اور وہاں اس وقت تک مقیم رہا جب تک مصعب بن زبیر عراق کے گورنر مقرر نہ ہو گئے۔

پھر ابو معقل، مصعب کے پاس گیا، اور ان سے ملاقات کی۔ اس روز مصعب غزوۂ زرنج[1] کے لیے لوگوں کو دعوتِ جہاد دے رہے تھے، کہہ رہے تھے، کون ہے جو وہاں جائے؟ یہ سنتے ہی عبداللہ بن ابو معقل اٹھا،

---

[1] زرنج سجستان کے ایک قصبے کا نام ہے۔

اس نے کہا، "میں تیار ہوں"، مصعب نے اس سے کہا، "تم بیٹھو" انھوں نے پھر لوگوں کو مخاطب کر کے وہی سوال کیا۔ اب کی بار بھی وہ اٹھا، اور اس نے کہا، "میں حاضر ہوں"، مصعب نے کہا، "بیٹھو"! پھر تیسری بار انھوں نے آواز دی، اس دفعہ پھر عبداللہ بن ابی سعقل اٹھا، اور گویا ہوا "میں جاؤں گا" مصعب نے کہا، "تم بیٹھو" یہ سُن کر عبداللہ نے کہا، "مجھے ذرا اپنے پاس آنے دیجیے، کچھ کہنا ہے" مصعب نے اسے اپنے پاس بلا لیا، اس نے کہا، "میں جانتا ہوں آپ صرف اس لیے میری بات نہیں سُنتے کہ مجھے پہچانتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص اُٹھ کھڑا ہوتا جسے آپ نہ پہچانتے ہوتے تو آپ ضرور اسے بھیج دیتے، شاید آپ کو اس بات سے حسد پیدا ہو رہا ہے کہ میں نیکی کیوں کماؤں؟ یا شہادت کا درجہ کیوں حاصل کروں؟ اس طرح میں دنیا اور طلبِ دنیا سے راحت حاصل کرلوں گا نہ؟"

مصعب عبداللہ کی ان باتوں سے اور اس کی فصاحتِ بیان سے بہت خوش ہوئے۔ اسے بہت زیادہ مال انعام میں دیا۔ عبداللہ مدینے واپس گیا، اور اپنی بی بی سے گویا ہوا، کیوں میں نہ کہتا تھا؟

"میرا یہ در در پھرنا جلد ہی مجھے اور تجھے فکرِ دُنیا سے بے نیاز کردے گا۔ جو عورت اپنے شوہر کو معاملات میں حصّہ نہیں لینے دیتی وہ بس نکھٹو ہی رہ جاتا ہے"

اس نے کہا، ہاں خُدا کی قسم، تم نے یہ کہا تھا، اور تم سچّے نکلے!

(۶۵) ادیب نکتہ سنج

عمر بن شعبہ اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلۂ نہیک کا ایک شخص فنِ "غنا" سے دل چسپی رکھتا تھا۔ اسے جب یقین ہو گیا کہ وہ اس فن کو اچھی طرح سیکھ چکا ہے تو میرے والد کے سامنے اس نے اس باب میں میری رائے پوچھی۔ میں نے کہا، "اگر میری مانو، تو اب گانے کا نام نہ لینا، تم کسی داد کے مستحق نہیں ہو" میرے والد میری اس رائے پر بہت برہم ہوئے، انھوں نے فرمایا "ابے لونڈے تو جانتا ہی کیا ہے؟" پھر اس آدمی سے مخاطب ہوئے، "دوست! اس لڑکے نے جو کچھ کہا، تم اس کے برعکس ہو۔ اگر تم فن کو پکڑے رہے تو ایک روز کامل بن جاؤ گے" پھر اکیلے میں انھوں نے مجھ سے کہا، "ارے احمق تجھے کیا ہو گیا ہے؟ ایسے ایسے ایک ہزار آدمیوں کو خدا رسوا کرے۔ یہ ارباب ثروت اور ملوک و امرا گانے بجانے کی وجہ سے ہمیں حقیر سمجھتے ہیں، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ ہمیں ڈوم ڈھاری سمجھتے ہیں تو سمجھیں، ہار جھک مار کے ہمارے پاس آئیں گے، ہمیں چاہیے کہ ان سے نفع حاصل کریں، رہے ہم، تو ہمارا فضل و کمال ایک زمانہ جانتا ہے۔

یہ نہیکی میرے والد سے سیکھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اسے فن پر قابو ہو گیا۔ جب اچھا گاتا تھا تو والد اس سے کہتے تھے، "بارک اللہ فیک" (یعنی اللہ تجھے برکت دے) اور جب بے تکا گاتا تھا تو وہ فرماتے "بارک اللہ علیک" (یعنی خدا تجھ سے سمجھے) یہ الفاظ اس کثرت سے انھوں نے

استعمال کیے کہ نہیکی ان کا مطلب سمجھ گیا، ایک روز وہ گا رہا تھا، اور والد سُن رہے تھے۔ وہ خاموش رہے۔ انھوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہیکی نے ان سے کہا، "استاد! میں آپ پر قربان، یہ راگ کن راگوں میں ہے؟ "برکت" والا، یا "خُدا سمجھے والا"؟ والد ہنسنے لگے انھیں اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس لطیف فرق کو سمجھ لے گا۔ انھوں نے کہا، "خُدا کی قسم! میں اب تم پر پوری توجہ صرف کروں گا، یہاں تک کہ تم اپنے تئیں جیسا بنانا چاہتے ہو ویسے ہی ہو جاؤ۔ تم بڑے نکتہ سنج ہو" والد اب اس پر بہت توجہ کرنے لگے۔ آخر وہ اس فن میں کامل ہو گیا۔ میرے والد نے اسی کے بارے میں کہا ہے:۔

"تیرے فہم و ذکا کے سبب اللہ تعالیٰ نے تیرا حق مجھ پر
واجب کر دیا ہے۔
اس واقعے کے بعد، تو مجھے، بس اپنی تعریف ہی میں
رطب اللسان پائے گا۔
جس فن میں تو کمزور تھا، اب تو اس میں مضبوط ہو
جائے گا!"

---

(۶۶) گوّیے سے دھوکا!

ینشو، ابو احمد بن الرشید کا غلام، بیان کرتا ہے کہ میرے آقا ابو احمد نے مجھے اور میرے رفیق محموم کو، نخاس سے خریدا۔ پھر ہم دونوں کو اپنے وکیل (ایجنٹ) کے سپرد کر دیا، جو ایک عجمی شخص تھا، خراسان کا رہنے والا، ابو احمد

نے اپنے ایجنٹ سے کہا "ان دونوں غلاموں کو اسحٰق موصلی کے پاس بغداد لے
جاؤ"، یہ کہہ کے اس نے ایجنٹ کو ایک لاکھ درہم دیے، ایک اعلیٰ درجے کا
گھوڑا دیا، جو کاٹھی اور لگام سے سجا ہوا تھا، تین چاندی کے توڑے دیے،
سات بڑے بڑے بکس دیے، جن میں خراسانی ریشم کے تھان رکھے ہوئے
تھے۔ دس مصری ریشم کے تھان بھی دیے، پانچ اور بکس دیے، جن میں
دوسرا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ دوسرے پانچ بکسوں میں کچھ اور پارچے
جات تھے۔ تیس ہزار درہم دوسرے مصارف کے لیے دیے۔ یہ سب
سامان دے کر اپنے وکیل سے کہا، "اسحٰق کو یہ بتانا کہ یہ دونوں غلام
خراسان کے ایک شریف آدمی کے ہیں، انھیں جی لگا کے گانا سکھائیے،
فن میں طاق کر دیجیے۔ جب اسحٰق ان دونوں کو ایک راگ سکھا دے،
تم فوراً ایک ہزار درہم دے دو۔ یہاں تک کہ وہ سو راگ سکھا دے،
اور تم اسے ایک لاکھ درہم دے چکو۔ اس کے بعد کوئی راگ سکھائے،
تو یہ گھوڑا مع ساز و یراق کے اسے دے دینا، پھر ہر راگ کے بعد ایک
توڑا، اس کے بعد کوئی راگ سکھائے تو پارچے جات کا ایک ایک بکس
ہر ہر راگ پر دیتے جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ میں نے تمھیں دیا ہے،
سب خرچ ہو جائے۔

وکیل ہم دونوں کو لے کر بغداد پہنچا [illegible] پیا سبری کے
فرائض ادا کر دیے، اسحٰق ہمیں جی لگا کے گانا سکھانے لگا۔

پھر ہم ایک مقام "سرمن رائی" گئے، اپنے آقا سے ملے، جو
کچھ سیکھا تھا، اسے سُنایا، وہ بہت مسرور ہوا۔ اسحٰق موصلی بھی یہاں آیا
ہوا تھا، آقا نے اس سے بھی ملاقات کی، پھر ہمیں آقا نے بُلایا جو کچھ

اس کا ارادہ تھا وہ بتایا، اور ہمیں خلیفہ واثق باللہ کے پاس روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا چلتے وقت یہ تاکید کر دی کہ اسحٰق سے اپنے تئیں چھپانا۔ نہ اسے سلام کرنا، نہ اس پر یہ ظاہر ہونے دینا کہ تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ پھر ہمیں خراسانی لباس پہنایا، اور ہم اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے۔ جب ہم واثق کے حضور میں پہنچے، آقا نے اس سے کہا:۔

"امیرالمومنین، یہ دونوں غلام خراسان سے خریدے گئے ہیں، فارسی نغمے کے ماہر ہیں"

"(ہم دونوں سے) گانا سناؤ"

ہم نے فارسی طرز پر واثق کو اپنا گانا سنایا، وہ بہت خوش ہوا، پوچھا:۔

"تم عربی میں بھی گا سکتے ہو؟"

"ہاں! یا امیر کیوں نہیں؟"

اب ہم نے اسحٰق سے جو کچھ سیکھا تھا وہ سنانا شروع کیا، وہ ہماری طرف نظرِ حیرت سے دیکھ رہا تھا، ہم اسے محسوس بھی نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہم اسے جانتے ہیں یہاں تک کہ اس کے راگ اسی کے طرز میں ہم گانے لگے۔ اب اسحٰق سے ضبط نہ ہو سکا، کھڑا ہو گیا، واثق سے عرض گزار ہوا:۔

"میرا ہر غلام آزاد، میری ہر چیز خیرات، اگر یہ دونوں میرے شاگرد نہ ہوں"

پھر اس نے واثق باللہ سے سارا قصّہ کہا، ابو احمد نے اسحٰق سے کہا:۔

"میں نہیں سمجھتا اس گفتگو سے تمھارا مقصد کیا ہے؟ ان دونوں کو

میں نے تو خراسان کے ایک نیلام کنندہ سے خریدا ہی"

"تمھارا جھوٹ تو یہیں کھل گیا۔ بھلا ایک خراسانی انھیں یہ گانا سکھا سکتا ہی؟"

ابو احمد ہنسا، پھر گویا ہؤا، میں نے اسحٰق کو دھوکا دیا، میں اگر کہتا تو یہ ہرگز گانا نہ سکھاتا"

اسحٰق نے کہا، "بے شک میں چرکا کھا گیا" ابو احمد نے واثق باللہ سے عرض کیا" اگر امیرالمومنین کو یہ غلام پسند ہوں تو حاضر ہیں" واثق نے کہا، "چچا جان، میں انھیں لے کر آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتا، لیکن یہ ضرور عرض کرتا ہوں، انھیں میرے پاس آنے سے کبھی منع نہ کیجیے گا۔"

---

(۶۷) لاگ ڈانٹ

مشہور گوتیا الربعی بیان کرتا ہی کہ جعفر بن سلیمان جب مدینے کا گورنر تھا، اس نے ہم سے کہا، "کل صبح صبح میرے محل پر آؤ" یہ خطاب مجھ سے، دحمان سے، اور عطرّد سے تھا۔ صبح کو میں وعدے کے مطابق دحمان کے ہاں پہنچا، وہ جھینے میں تھا، وہ اور عطرّد ایک ہانڈی میں لگے ہوئے تھے، کوئی کھانے کی چیز پکا رہے تھے، اس وقت آسمان پر ابر چھایا ہؤا تھا، اور ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں، میں نے ان دونوں کو یاد دلایا کہ ہمیں جعفر کے محل جانا ہی۔

ان دونوں نے کہا، "دیکھتے نہیں ہو آج کیسا اچھا دن ہی؟ بیٹھو!

جو کچھ ہانڈی میں ہو کھا پی لیں، لطف اٹھائیں، اور اس سہانے دن سے
لطف اندوز ہوں" میں نے کہا، "میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں،
اس لیے کہ امیر وعدہ لے چکا ہے" ان دونوں نے مجھ سے کہا، "اب ہم امیر
سے کیا عہدہ برآ ہو سکیں گے؟ آج تو امیر بھی دعوت بھول گیا ہوگا۔ تم
وہاں بھیگتے ہوئے جاؤ گے۔ اور تر بتر ہمارے پاس واپس آؤ گے۔ دروازہ
کھٹکھٹاؤ گے، ہم اب جو کچھ تم سے کہہ رہے ہیں، وہ اس وقت مان گے۔

میں نے ان دونوں کی باتوں پر کان نہیں دھرا، اور امیر کے محل
کی طرف روانہ ہو گیا۔ جعفر اپنے قصر سے برآمد ہو رہا تھا، جھول داریاں
گاڑی جا رہی تھیں، بڑی بڑی دیگیں چولھوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں اسے
سنانے کے لیے گانے لگا۔

"میں نے چاہا کہ میرے ساتھی میرے ساتھ آئیں، لیکن
انھوں نے کمزوری دکھائی، صبح صبح چلنے سے انھوں نے
تکلف محسوس کیا، آخر میں تنِ تنہا آپ کے حضور میں حاضر
ہو گیا"

جعفر نے کہا: "یہ کیا؟" میں نے اسے سارا قصّہ سنا دیا۔ اس نے
کہا، "اے غلام چار سو دینار لا کر ربعی کی گود میں ڈال دے" پھر مجھ سے
کہا، "تم ابھی جاؤ، تھیلی کی گرہ بھی نہ کھولو، اور ان دونوں کو جا کر دکھاؤ"
میں نے کہا، "لیکن اس سے مجھے فائدہ؟ کل وہ دونوں آپ کے
پاس حاضر ہوں گے، اور آپ انھیں پھر میرا جیسا بنا دیں گے۔ جعفر نے
کہا، "میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا" میں نے کہا، "میں تو یہاں سے قدم
نہیں نکالنے کا، جب تک آپ قسم کھا کر وعدہ نہ کریں کہ ایسا نہیں کریں گے"

جعفر نے قسم کھا کر مجھے یقین دلایا،
اب میں ان دونوں کے پاس آیا، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، وہ دونوں چلائے اور گویا ہوئے، "ہم نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ تمھارا یہ حال ہوگا"؟ میں نے کہا، "ہرگز نہیں" میں نے انھیں دینار دکھائے، انھوں نے کہا، "بے شک امیر شریف ہے، بزرگ ہے، ہم کل اس کے پاس جائیں گے، اور معذرت کریں گے، اس کا کرم اسے مجبور کرے گا، کہ وہ ہمیں تمھاری ہی طرح نوازے"
میں نے کہا، "تمھارے دل جھوٹی اُمید دلا رہے ہیں، خُدا کی قسم میں نے بات پکّی کر لی ہے، اور اس پر قسم بھی کھلوا والی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا"
انھوں نے کہا، "خُدا کا تجھ پر غضب نازل ہو!"

---

(۶۸) فرزدق اور ایک انصاری

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ آبان بن عثمان کے زمانۂ امارت میں فرزدق مدینے آیا۔ فرزدق، کثیّر عزہ، مسجد میں بیٹھے ہوئے، ایک دوسرے کو اشعار سُنا رہے تھے۔ اتنے میں ایک دُبلا پتلا نوجوان زرد رنگ کے دو کپڑوں میں لپٹا ہوا ہمارے سامنے آیا، وہ ہمارے قریب آگیا۔ اس نے کسی کو سلام نہیں کیا، آتے ہی پوچھا، "تم میں فرزدق کون ہے؟" مجھے خیال ہوا کہ وہ قریش میں سے ہے۔ میں نے کہا، "تم اس طرح عرب کے سب سے بڑے شاعر کا ذکر کرتے ہو؟" اس نے کہا، "اگر یہ بات ہوتی تو میں اس طرح

اس کا ذکر نہ کرتا" فرزدق نے کہا، "تو ہو کون؟ تیری ماں مرے؟" وہ بولا "ایک انصاری، یکے از بنی نجار، میں ابو بکر بن حزم کا بیٹا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہو تو اپنے تئیں سب سے بڑا عرب شاعر سمجھتا ہو، اور قبائل میں قبیلۂ مضر کو سب پر فضیلت دیتا ہو۔ ہمارے شاعر حسّان بن ثابت نے بھی کچھ شعر کہے ہیں، میں چاہتا ہوں انھیں تیرے سامنے پیش کروں، اور تجھے ایک سال کی مہلت دوں۔ اگر تو نے ویسے ہی اشعار کہ دیے تو جیسا کہ کہا جاتا ہو میں بھی تجھے سب سے بڑا عرب شاعر مان لوں گا، اور اگر تو نہ کہ سکا تو، تو جھوٹا ہو، یا وہ گو ہو" پھر اس نے حضرت حسّان کے حسب ذیل اشعار پڑھے:-

"ہمارے لیے جنگ و پیکار کے شدائد نے جو چیزیں چھوڑی ہیں، وہ کیا ہیں؟ تلواریں، زرہیں، اور بڑے بڑے لشکر"!

جب کوئی جماعت قبیلۂ معد میں سے جنگ آزما ہونے کا ارادہ کرتی ہو۔ یا غستان کی۔ ہم اپنے گھاٹوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ منہدم نہ کر دیے جائیں،

ہر اس نوجوان کے ساتھ ہم حفاظت کے فرائض انجام دیتے ہیں، جس کی شجاعت مانی ہوئی ہو، جسے بہادروں کی تلواروں کی جھنکار نے میدان میں لا کھڑا کیا ہو، جس کے بدن سے مشک کی خوش بو آ رہی ہو، اور جو خون میں لت پت ہو،

بنی عنقا اور فرزندانِ محرق ہماری ہی پود ہیں، پس

ہماری عزّت کرو، جانتے ہو ہم کس کے ماموں ہیں؟ اور کس
کی اولاد ہیں؟
اگر رات کو، کوئی مہمان آجائے تو ہم چربی چڑھے ہوئے
صحیح سالم گوشت سے اس کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔
ہمارے پاس بڑے بڑے تسلے ہیں جو صبح کی ہلکی دھوپ
میں چمکتے ہیں، اور ہمارے پاس اچھی اچھی تلواریں ہیں جن
سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، (یعنی ہم بہادر بھی
ہیں اور مہماں نواز بھی)"

اس نے یہ پورا قصیدہ پڑھ ڈالا جو تقریباً ۲۹ اشعار پر مشتمل تھا
پھر اس نے کہا "میں تمھیں اس کے جواب کے لیے پورے ایک سال کی
مہلت دیتا ہوں" یہ کہ کے وہ چلا گیا، فرزدق بھی غصّے میں بھرا ہوا اُٹھ
گیا، وہ بُری طرح اپنی لٹکی ہوئی چادر کو گھسیٹ رہا تھا، اسے ہوش نہیں
تھا کہ کدھر جا رہا ہے؟ یہاں تک کہ وہ مسجد سے نکل گیا۔

کثیّر نے مجھ سے کہا، "خُدا اس انصاری سے سمجھے، کم بخت کی
زبان کتنی فصیح ہے، باتیں کتنی واضح ہیں، شعر کتنے پاکیزہ ہیں؟"

دن کے باقی حصّے میں بھی ہم اسی انصاری اور فرزدق کی باتیں کرتے
رہے، یہاں تک کہ دوسرا دن نمودار ہوا۔ میں اپنے گھر سے نکل کر کل کی
مجلس میں پہنچ گیا۔ کثیّر بھی آگیا، اور میرے پاس بیٹھ گیا، ہم فرزدق ہی
کی باتیں کر رہے تھے۔ کہ رہے تھے، "کاش اس نے کچھ کہ لیا ہو" اتنے
میں خود فرزدق ہماری مجلس میں آگیا، وہ خوش نما دھاری دار یمنی کپڑے
میں ملبوس تھا۔ اپنے دامن اس نے لٹکا رکھے تھے، وہ اپنی کل کی جگہ پر

آ کے بیٹھ گیا، اس نے کہا، "انصاری بھی کیسی باتیں کر گیا" راوی کہتا ہو ہم نے انصاری کو بُرا بھلا کہا، پھر فرزدق نے کہا، "خُدا اس انصاری کو غارت کرے، ایسے آدمی سے میری کبھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ایسے شعر کبھی نہیں سُنے تھے۔ تم لوگوں کے پاس سے اُٹھ کر میں اپنے گھر گیا، میں نے پوری توجہ سے فکرِ شعر کی، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں کھویا کھویا سا ہوں۔ میں شعر کہہ ہی نہیں سکتا، یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی، پھر میں اپنی سانڈنی پر بیٹھا، اس کی مہار اپنے ہاتھ میں لی، اور ذباب[1] پہنچ گیا۔ پھر میں نے بلند آواز میں پکارا، "تمھارا (یعنی شیطان کا) بھائی آیا ہو" یہ آواز دیتے ہی میرا سینہ اس طرح جوش مارنے لگا جیسے ہانڈی کھد کھدا رہی ہو۔ میں نے اپنی سانڈنی کو باندھ دیا، اس کے پیروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، اور اس وقت اٹھا جب میں نے ایک سو تیرہ شعر کہہ لیے"۔ وہ اپنے اشعار سُنا رہا تھا کہ وہی انصاری آ گیا، ہمارے قریب آ کر ہمیں سلام کیا، اور کہا، "میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ قبل از وقت تم سے تقاضا کروں، لیکن مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہو کہ جب تمھیں دیکھوں پوچھ گچھ کر لیا کروں" فرزدق نے اس سے کہا، "بیٹھو اور سُنو:۔

"تم مقامِ اعتناش سے دور ہو، مگر درحقیقت دور نہیں
ہو، تم حدرار سے لاعلمی ظاہر کرتے ہو گویا اسے نہیں پہچانتے۔
تمھیں دردِ فرقت نے گھیر لیا، گویا تم جس گھر میں ہو
اس میں موت کا جلوہ (بجائے جلوۂ محبوب کے) دیکھ
رہے ہو"

---

[1] مدینۂ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہو۔

یہاں تک کہ وہ اس شعر پر پہنچا:۔

"تم لوگوں کو دیکھو گے، جب ہم چلتے ہیں تو وہ ہمارے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اور جب ہم اشارہ کر دیتے ہیں تو وہ ٹھہر جاتے ہیں"

فرزدق نے اسے اپنا پورا قصیدہ سُنا دیا، انصاری بہت ملول ہو کر اٹھا، جب وہ چلا گیا تو اس کے والد ابو بکر بن حزم آئے، یہ انصار کے بڑے بوڑھوں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے ہمیں سلام کیا، اور کہا: "ابو فراس! تم ہماری حیثیت اور درجے سے واقف ہو، جو آنحضرتؐ کے دربار میں ہمیں حاصل تھا۔ انھوںؐ نے ہمارے لیے وصیت بھی فرمائی تھی، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم میں سے ایک بے وقوف نے تم سے چھیڑ چھاڑ کی، ہم تمھیں خُدا اور رسول کا واسطہ دے کر التجا کرتے ہیں، وصیت رسول کا پاس کرو۔"

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں، ہم نے اور کثیرؔ نے فرزدق پر بہت زور دیا کہ وہ مان جائے، جب ہمارا اصرار بہت بڑھا، تو اس نے ابو بکر سے کہا: "تشریف لے جایئے، اس قرشی کی بدولت میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

---

(۶۹) خوب بے وقوف بنے!

احوص اور ابن سریج مدینے آئے، دونوں ایک سرائے میں اُتر پڑے کہ باہر جانے سے پہلے نہا دھولیں، اتنے میں عدی

بن رقاع[1] کا بھی اسی طرف آنا ہوا وہ ان دونوں کے پاس ٹھہر گیا، جب رات ہوئی تو یہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے، عدی بن رقاع نے ابن سریج سے کہا، "ہم باہر اس لیے نکلے تھے کہ امیر المومنین کے پاس حاضر ہوں۔ ہمارا ان کے پاس جانا، ای بنی نوفل کے غلام تیرے پاس ٹھہرنے سے زیادہ اچھا تھا"۔ ابنِ سریج نے کہا، "یہ کیوں کر؟" جواب ملا، اس لیے کہ تم ہمیں بہلا لوگے اور وہ ارادہ فراموش کرا دوگے جو ہم سوچ رہے ہیں۔ ابنِ سریج نے کہا، "تو ہمارے اوپر احسان رکھ رہا ہے کہ ہم تمہارے پاس ٹھہرے، میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ میں کسی چھت کے نیچے آرام سے نہیں سوؤں گا جب تک امیر المومنین کے پاس نہ پہنچ جاؤں، یہ کہہ کر وہ ان دونوں کے پاس سے چلا گیا۔

ولید جب بادیہ سے واپس آیا تو اس نے ان دونوں کو اجازت دی یہ حاضر ہوئے، اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ابنِ رقاع اور ابنِ سریج کے مابین کیا گزری تھی، پہلے اس نے ابنِ سریج کو طلب کیا اور ایک جگہ چھپا دیا۔ پھر اس نے عدی کو بلایا، وہ حاضر ہوا، اس نے اپنا مدحیہ قصیدہ سنایا جب وہ فارغ ہوا، خلیفہ نے بعض خدام کی طرف کچھ اشارہ کیا، اس نے ابنِ سریج سے کہا، اس نے ابنِ رقاع کے طرز میں اپنا شعر گایا جس میں اس نے ولید کی مدح کی تھی:۔

---

[1] عدی بن زید بن مالک بن عدی بن رقاع بنی امیہ کے دربار میں اس کی بڑی پوچھ ہوتی تھی، ولید بن عبدالملک کی مدح اس نے خاص طور پر بہت کی ہے۔ ابن سلام نے شعرا اسلام کے طبقۂ ثانیہ میں اسے رکھا ہے، یہ دمشق کا رہنے والا تھا، دیہاتی نہیں شہری تھا۔

عرف الدیار توھما فاعتادھا   من بعد ماشمل البلی ابلادھا

عدی خوش ہوگیا، اس نے کہا، "خدا کی قسم امیرالمومنین ایسا گانا میں نے کبھی نہیں سُنا، میرا خیال ہے اس سے بہتر اور اچھا گانا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ گانا امیرالمومنین کی مجلس میں نہ ہو رہا ہوتا تو میں سمجھتا یہ کوئی جن ہے جو گا رہا ہے۔ کیا امیرالمومنین مجھے اجازت دیں گے کہ میں کچھ عرض کروں؟"

خلیفہ نے کہا، "کہو!" اس نے کہا، "ایسا کامل آدمی امیرالمومنین کے پاس موجود ہے پھر بھی وہ ابن سریج کو یاد فرماتے ہیں جو قریش کی، اور عرب کی گردن پر پاؤں رکھتا ہے، کہا جاتا ہے، "عبید بن سریج گوّیے کو جو بنی نوفل کا غلام ہے، امیرالمومنین نے یاد فرمایا ہے کہ اس کا گانا سُنیں" خلیفہ ہنسا، پھر اس نے کہا، "اسے باہر لاؤ!" غلام نے ابن سریج کو اوٹ سے باہر نکالا، عدی نے جب اسے دیکھا تو شرمندگی سے گردن جھکالی، اور کہا، "بس خُدا سے توبہ" اور اے بھائی تم سے معذرت کرتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا تمھاری یہاں یہ منزلت ہے، تمھاری شایانِ شان یہ ہے کہ میری غلطیوں اور لغزشوں سے درگزر کرو۔"

ولید نے دونوں کو برابر انعام دیا، وہ اس دن رات گئے تک ان ہی دونوں کے ساتھ رہا!



(۷۰) فرش سے عرش پر

علی بن محمد نوفلی کا بیان ہو کہ ان کے والد بعض کلابیینِ اہلِ بادیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو المحلق[۱] بہت باعزّت آدمی تھا۔ اس کا جب انتقال ہوًا، تو اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ اپنے پسماندگان میں وہ محلّق اور تین لڑکیوں کو چھوڑ گیا تھا۔ اس اولاد کے لیے ترکہ کیا چھوڑا؟ ایک سانڈنی، اور دو بہترین چادروں کے حُلّے۔ جب کوئی مہمان آجاتا، تو انھی حُلّوں سے اس کی مدارات کا انتظام کیا جاتا۔ اعشیٰ[۲] کسی سفر سے واپسی میں اپنے گھر یمامہ جاتے ہوئے اِدھر سے گزرا۔ وہ اس گھاٹ پر اُترا جہاں سے محلّق کا تعلّق تھا۔ گھاٹ والوں نے اعشیٰ کی پُرتکلف مہمان داری کی۔ محلّق کی پھپھی نے اس سے کہا، "برادر زادہ! یہ اعشیٰ ہو جو ہمارے گھاٹ پر آیا ہوًا ہو۔ گھاٹ والوں نے اس کی مہمان داری بھی کی، اہل عرب کا خیال ہو، اعشیٰ جس کی مدح کر دیتا ہو اسے اونچا کر دیتا ہو، جس کی ہجو

---

[۱] ابو المحلق، بکر بن کلاب، بن بنی عامر کی اولاد میں سے ہیں، یہ اعشیٰ کے ممدوح ہیں، ان کا نام محلّق اس لیے پڑ گیا کہ ان کے گھوڑے نے ان کے چہرے پر دانت مار دیا تھا، جس کا نشان "حلقے" کی صورت میں باقی رہ گیا تھا۔

[۲] اعشیٰ ــ نام میمون بن قیس، کنیت ابو بصیر، شعرائے جاہلیتہ میں اس کا پایہ بہت بلند ہو، محمد بن سلام نے یونس النحوی سے پوچھا، "سب سے اچھا شاعر کون ہو؟" انھوں نے جواب دیا، امراء القیس، جب برہم ہو، نابغہ جب دہشت میں ہو، زہیر جب مائل ہو، اور اعشیٰ جب مسرور ہو!

کرتا ہے اسے ذلیل بنا دیتا ہے، جو کچھ میں کہتی ہوں اسے سُنو! ایک مشکیزے میں
اچھی سی شراب لے لو، وہ مشکیزہ اس سانڈنی اور اپنے باپ کی دونوں چادروں
کے ساتھ اعشٰی کو بھیج دو، خُدا کی قسم، اگر کوہان، تلی اور شراب اس کے پیٹ
میں پہنچ گئی اور اس نے اپنے شانوں پر یہ دونوں چادریں دیکھیں تو وہ
ضرور تمہاری مدح میں شعر کہے گا جس سے تمہارا مقام بلند ہو جائے گا۔"
محلّق نے کہا، "یہی ایک سانڈنی میری کل کائنات ہے میں تو اس کے
دودھ سے لو لگائے ہوئے ہوں۔ وہ اسی فکر میں کبھی باہر جاتا، کبھی اندر
آتا۔ سوچتا اور کچھ نہ سمجھتا، جب وہ اپنی پھپھی کے پاس آتا، وہ اسے
برانگیختہ کرتی، یہاں تک کہ ایک دفعہ باہر سے آکر اس نے کہا، "اعشٰی
تو چلا گیا" اس کی پھپھی بولی، "خُدا کی قسم یہ تو ضیافت سے بھی اچھا ہوا،
تم اس کے پیچھے پیچھے اپنے باپ کے غلام کو بھیج دو، جہاں بھی ملاقات
ہو وہ اسے بتائے کہ تم گھاٹ سے باہر گئے ہوئے تھے، جب آئے اور
معلوم ہوا کہ وہ آیا تھا، تو تمہیں یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس کی مہمان داری
کی سعادت سے محروم رہو، اگر تم نے یہ کیا تو یہ اس کی ضیافت سے بھی
بہتر رہے گا" اس کی پھپھی برابر اسے برانگیختہ کرتی رہی، یہاں تک کہ وہ
ایک تاجر کے پاس گیا، اس سے ایک مشکیزہ شراب کی قیمت قرض لی،
اور ضمانت دے دی، تاجر نے شراب دے دی۔ اس نے اونٹ نشر آپ
اور دونوں چادریں اپنے باپ کے غلام اسود کے ہاتھ روانہ کر دیں۔ وہ
اعشٰی کے پیچھے پیچھے چلا، جب وہ کسی گھاٹ پر سے گزرتا، اسے یہی بتایا
جاتا، "اعشٰی تو کل یہاں سے چلا گیا" یہاں تک کہ اسود اعشٰی کے گھر
یمامہ میں پہنچ گیا، اعشٰی کے پاس کئی نوجوان بیٹھے ہوئے تھے، جن کو

اس نے بغیر گوشت کے ناشتہ کرایا تھا اور شراب سامنے رکھ دی تھی، وہ لوگ شراب پی رہے تھے کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی اعشیٰ نے کہا، "دیکھو تو کون ہے؟" نوجوان باہر آئے، محلّق کا غلام باہر کھڑا تھا اس نے سب وہی باتیں کہیں، وہ لوگ اسے اعشیٰ کے پاس لے گئے، اور کہا "یہ محلّق کلابی کا قاصد ہے آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہے اس نے کہا، "کم بختو! یہ تو ایک دہقانی ہے اور جس نے اسے بھیجا ہے اس کی بھی کوئی منزلت میری آنکھوں میں نہیں، خدا کی قسم اگر اس نے شراب، تلّی، اور کوہان میرے پیٹ میں پہنچا دیا ہوتا تو میں اس کی شان میں ایسے شعر کہتا کہ کبھی نہیں کہے ہوں گے"

نوجوان نے کہا، "آپ ہم سے بہت عرصے تک جُدا رہے، پھر ہم آپ کے پاس آئے، آپ نے ہمیں گوشت تو کھلایا نہیں، شراب بھی پلائی تو معمولی، اب گوشت اور شراب آپ کے دروازے پر ہے ہم اسے کیسے گوارا کریں کہ اسے واپس جانے دیں؟"

اعشیٰ نے کہا، اچھا، اسے اندر بُلا لو، غلام آیا۔ اور اس نے محلّق کی طرف سے سب باتیں کہیں، پھر اس نے دروازے ہی پر سانڈنی بٹھا دی، مشکیزہ اور چادریں سامنے رکھ دیں، اعشیٰ نے کہا، "محلّق سے میرا سلام کہنا، اور کہنا تمھارا تحفہ پہنچ گیا، ہم بہت جلد تمھاری مدح کریں گے"

نوجوان اٹھے، انھوں نے سانڈنی ذبح کر ڈالی، اس کی پیٹھ اور کوہان کا گوشت اور چربی نکالی، کھال اُتاری، لے کر اندر آئے، گوشت کو خوب بھونا، اور شراب کا دور جاری ہوا، اعشیٰ نے بھی ان کے ساتھ

خوب کھایا پیا، اُن چادروں کے حُلّے پہن لیے، جو محلّق نے بھیجی تھیں، پھر اپنے داہنے بائیں دیکھا، اور کہا :-

" تمھارے کارناموں کا شہرہ خوب پھیل گیا ؛ نجد و عراق
میں اسی کا ذکر سُن کے لوگ پڑاؤ ڈالتے ہوئے چلے آرہے
ہیں، یہی ذکر ہے جو لوگوں کا سامان سفر بندھواتا ہے، ہر منزل
میں خیمے کی رسیاں کبھی کھولی جاتی ہیں کبھی باندھی جاتی
ہیں "

یہ اشعار فوراً لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے اور سارے عرب میں پھیل گئے۔ ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ محلّق نے اپنی تینوں بہنوں کی شادیاں کر دیں۔ ہر بہن کے نکاح پر اس کو سَو سَو اونٹنیاں ملیں، پھر وہ فارغ البال ہوگیا، اور عزّت کی زندگی بسر کرنے لگا۔

---

(۱۷) اسحٰق موصلی اور واثق باللہ!

خلیفہ واثق باللہ جب خود کوئی راگ ایجاد کرتا تھا، اور اسے اسحٰق موصلی کی خدمت میں پیش کرتا تھا تو اپنے بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرکے پیش کرتا۔ کہتا ۔" بعض بڑی بوڑھیوں سے ہم نے یہ راگ سُنا ہے"، اسحٰق اپنے معیار پر اسے جانچتا، اور پرکھتا، بہتر پاتا تو تعریف کرتا، ناقص دیکھتا تو بے تکلّف اس کی کمزوریاں ظاہر کر دیتا، واثق کی مرضی ہوتی تو وہ اسحٰق سے استدعا کرتا کہ اس کی ضروری اصلاح کردی جائے۔ کبھی اسحٰق کی تنقید سے متاثر ہوکر، اس راگ کو نظرانداز کر دیتا۔

ایک مرتبہ اس نے کسی کا شعر اپنی نو ایجاد لَے پر گایا، گویّوں کو حکم دیا کہ وہ بھی اسے یاد کرلیں۔ پھر کہا اسحٰق کی رائے لی جائے، وہ کیا کہتا ہے؟"
مخارق پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا، "یا امیر المومنین! اسحٰق بڑا شیطان ہے، آپ کا یہ کہنا کہ یہ کوئی پرانا راگ ہے۔ وہ کبھی باور نہیں کرے گا، وہ ایک کائیاں ہے، آپ کے سامنے تو ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ باہر جاکر برائیاں کرتا ہے" واثق یہ سُن کر بپھر گیا، کہنے لگا:۔
"اس کی کوئی دلیل؟"
"وہ آجائے تو میں دلیل بھی دے دوں گا"
جب اسحٰق آیا، مخارق نے واثق کی دُھن شروع کی، شرارت یہ کی کہ ترتیب میں کچھ ناقص اجزا زیادہ کر دیے۔ واثق یہ حرکت سمجھ نہ سکا، جب مخارق گا چکا، واثق نے پوچھا، "کیسا ہے یہ راگ؟" اسحٰق نے کہا، "مہمل" اب تو واثق بہت برہم ہوا، فوراً حکم دیا، اسحٰق کو دربار سے نکال باہر کردیا جائے۔

دوسرے دن فریدہؔ[1] نے واثق سے کہا، "یا امیر المومنین! اسحٰق ایک ایسا آدمی ہے جو فن کے بارے میں ذرا بھی رو رعایت نہیں کرتا، چاہے اسے سرفراز کیا جائے یا ذلیل کیا جائے۔ کہے گا وہی جو اس کی سچی سچی رائے ہوگی۔ اس دن بات یہ ہوئی کہ مخارق نے اسے دھوکا دیا، لَے کے بیچ میں اس نے اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا۔ میں نے اسی وقت بھانپ لیا تھا، مگر چُپ ہو رہی، اب آپ کا صحیح صحیح راگ اسحٰق کے سامنے پیش کروں گی اور دیکھوں گی وہ کیا کہتا ہے؟" واثق چُپ چاپ سُنا کیا۔ فریدہ

---

[1] واثق باللہ کی محبوب مغنیّہ!

بار بار اسے اس پر آمادہ کرتی رہی، یہاں تک کہ ایک روز وہ اس پر آمادہ ہو گیا کہ اسحٰق کو دربار میں بلائے۔

اسحٰق آیا۔ فریدہ نے واثق کی ترتیب پر اس کی نوایجاد لے سنائی۔ اسحٰق نے کہا، "یہ راگ صحیح ہے، لیکن اس دن مخارق نے اسے کسی اور ہی طرح سنایا تھا"

واثق کو یقین ہو گیا کہ اس روز مخارق نے شرارت کی تھی۔ اسحٰق اپنی رائے میں کھرا ہے، اس نے اسحٰق کو تو معاف کر دیا، اور مخارق اس دن سے معتوبِ بارگاہ ہو گیا!

---

(۷۲) لڑکی کی حیثیت عرب میں!

صعصعہ بیان کرتے ہیں، میں اپنی اونٹنیوں کی تلاش میں نکلا۔ جب ذرا دُور نکل گیا، ایک طرف آگ جلتی ہوئی دیکھی، اس طرف چل پڑا، آگ کبھی جلنے لگتی تھی، کبھی بجھ جاتی تھی، یہی "آنکھ مچولی" ہو رہی تھی۔ میں دل میں حیران تھا یہ کیا معاملہ ہے؟ خیال ہوا، شاید یہ لوگ کسی مصیبت میں بتلا ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گیا، یہ بنی انمار بن الہجیم بن عمر بن تمیم کا ایک خاندان تھا۔ میں نے دیکھا ایک بوڑھا آدمی اپنے خیمے کے سامنے آگ جلا رہا ہے، عورتیں ایک عورت کو گھیرے ہوئے ہیں جو عنقریب کسی بچے کی ماں بننے والی تھی۔ تین رات سے یہی ہو رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کے بڑے میاں کو سلام کیا۔ انھوں نے پوچھا:۔

"تم کون ہو ؟"

"میں ہوں صعصعہ بن ناجیہ بن عقال"

"مرحبا، مرحبا، آؤ، برادر زادے! کس فکر میں ہو؟"

"میری دو اونٹنیاں گم ہو گئیں، انھی کی تلاش میں سرگرداں ہوں"

"میں نے انھیں پالیا ہے، مضبوط رسی سے باندھ رکھا ہے"

"یہ آپ آگ کیوں جلائے چلے جا رہے ہیں؟"

"ایک عورت ماں بننے والی ہے"

اتنے میں عورتوں نے کہا:-

"بچہ مبارک"

"اگر لڑکا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ کیا کروں؟ اور اگر لڑکی ہے تو قبل اس کے کہ میں اس کی آواز سنوں، اسے قتل کر دوں گا"

"توبہ توبہ قتل کرو گے؟ وہ بھی تو تمھاری ہی لڑکی ہے، رہا رزق سو وہ خدا دے گا"

"جی نہیں، میں تو ضرور قتل کروں گا"

"خدا سے ڈرو"

"تمھیں اتنی ہمدردی ہے تو خرید کیوں نہیں لیتے؟"

"میں راضی ہوں، خرید لوں گا"

"کیا دو گے؟"

"اپنی دونوں اونٹنیوں میں سے ایک"

"یہ تو کچھ نہ ہوا"

"اچھا، دونوں!"

"نہیں بھائی، جس اونٹ پر تم بیٹھے ہو، مجھے تو یہ بھی بہت بھا رہا ہے، یہ بھی دے دو تو بات ہوا"

"اچھی بات، یہ اونٹ بھی لے لو"

میں نے اس بوڑھے کی نوزائیدہ لڑکی، اپنی دو اونٹنیوں اور ایک اونٹ کے بدلے میں لے لی۔ لے کے اُسے وہیں چھوڑ دیا، اور اس بوڑھے سے عہد و میثاق لے لیا کہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرے، اچھی طرح کھلائے پلائے۔

پھر میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا اور قسم کھالی کہ اگر کوئی باپ اپنی لڑکی کو قتل کرنا، یا زندہ دفن کرنا چاہے گا تو میں دو اچھی اونٹنیوں اور ایک اونٹ کے بدلے میں اسے خرید لوں گا، یہاں تک کہ اسلام آیا، اس وقت تک میں، تین سو لڑکیوں کو اسی طرح خرید چکا تھا!

(۷۳) کنجوس گورنر!

اشعب کا بیان ہے کہ عامر بن لوی کا ایک لڑکا مدینے کا گورنر بنایا گیا، یہ بے انتہا بخیل اور کنجوس تھا۔ مجھے وہ بہت پسند کرتا تھا، دن رات باندھ باندھ کر اپنے پاس رکھتا تھا۔ اگر میں اس کے پاس سے بھاگ جاتا تھا، تو پولیس کے سپاہیوں کو بھیج کر مجھے پکڑوا بلاتا تھا۔ اگر کسی اور کے ہاں جا کر منہ چھپاتا تھا تو میرے ساتھ اس کی بھی شامت آجاتی تھی۔ مجھ سے یہی مطالبہ رہتا تھا کہ اسے نئی نئی حکایتیں سنایا کروں، مزے مزے کے قصے بیان کیا کروں۔ نہ مجھے آرام کا موقع تھا، نہ سونے کی فرصت۔ پھر طرّہ یہ کہ نہ مجھے

کچھ کھانے کو ملتا تھا، نہ کوئی رقم دی جاتی تھی، میں عجیب ناقابلِ برداشت مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔

حج کا زمانہ آیا، اس نے مجھ سے کہا، "اشعب، میرے ساتھ مکّے چلو" میں نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بیمار ہوں، میری حج کی نیت ہی نہیں ہے" یہ سُن کر وہ بہت بگڑا، بہت خفا ہوا، کہنے لگا، "اگر تم میرے ساتھ نہ گئے، تو میں تمھیں جیل میں ڈال جاؤں گا، میرے آنے تک وہیں پڑے سڑتے رہنا"

چار و ناچار میں اس کے ساتھ مکّے روانہ ہوا، جب ہم ایک پڑاؤ پر اُترے، اس نے کہا، "میں تو روزے سے ہوں" یہ کہہ کر وہ سو گیا، میں بھوکا بیٹھا رہا، تنہائی میں وہ اپنے دسترخوان پر بیٹھا، غلام کو حکم دیا، دو چپاتیاں اور تھوڑا سا نمک مجھے دے دیا جائے، میں یہ زہر مار کر کے خاموش ہو رہا........ظاہر میں وہ دن بھر روزے سے رہتا تھا میں بڑی بے چینی سے مغرب کا انتظار کیا کرتا تھا۔ نمازِ مغرب کے بعد میں نے غلام سے کہا، "اب کیا انتظار ہے؟" اس نے کہا، "سرکار تو مدّت ہوئی کھا چکے"

"تو کیا وہ روزے سے نہیں تھے؟"

"نہیں"

"تو کیا مجھے فاقے سے رہنا پڑے گا؟"

"تمھارا کھانا تیار ہے، کھاؤ گے؟"

یہ کہہ کر اس نے دو چپاتیاں اور تھوڑا سا نمک میرے پاس لا کر رکھ دیا، صبح ہوئی، ہم پھر آگے بڑھے، ایک پڑاؤ پر پہنچے۔ اس نے اپنے

غلام سے کہا، "ایک درہم کا اچھّا سا گوشت لے آؤ" جب وہ گوشت لے آیا، حکم ہوا "کچھ کے پارچے بنا لو کچھ کے کباب" غلام نے ایسا ہی کیا ہانڈی چولھے پر رکھ دی گئی، تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے بیٹھ گیا، فرمائشیں کر کر کے گوشت نت نئے طریقوں سے پکواتا، اور کھاتا رہتا۔ میں پاس بیٹھا ہوا، یہ سب منظر دیکھ رہا تھا، کم بخت نے مجھے جھوٹوں بھی نہ پوچھا۔ جب سارا گوشت چٹ کر لیا، غلام سے کہنے لگا، "اشعب کو بھی تو کھلاؤ"، یہ کہہ کر دو چپاتیاں میری طرف پھینک دیں، میں چپاتیاں لے کر ہانڈی کے پاس گیا، وہاں ہڈیاں تھیں، یا تھوڑا سا شوربہ۔ کسی نہ کسی طرح میں نے روٹیاں کھائیں، اب اس کے سامنے خشک میوے کا ڈبہ لایا گیا۔ وہ مٹھی بھر بھر کر نکالتا اور پھانک جاتا۔ ایک دفعہ مٹھی میں کچھ بے چھلے ہوئے بادام رہ گئے، وہ میری طرف پھینک دیے، اور فرمایا، "اشعب کھاؤ!" میں نے باہر نکل کر ان کو توڑنے کے لیے پتھر تلاش کیا، اور بادام توڑنے لگا، کبھی وہ ہاتھ سے پھسل جاتا، کبھی پھٹا ہوا گودا نکلتا۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا، بنو مصعب بآواز بلند "لبّیک اللہم لبّیک" کہتے ہوئے جا رہے ہیں، میں نے آواز دی:-

"مدد، مدد، اے آلِ زبیر مدد، مجھ تک پہنچو، مجھے بچاؤ"

وہ لوگ میری طرف آئے کہنے لگے:-

"اشعب کیا ہے؟"

"مجھے اپنے ساتھ لے چلو، موت کے پنجے سے بچاؤ"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے، راستے میں پوچھا:-

"کچھ کہو تو بات کیا تھی؟"

"ابھی نہیں، تین دن کا بھوکا پیاسا ہوں، پہلے کچھ کھلاؤ"
انھوں نے مجھے اچھی طرح کھلایا، پھر کہنے لگے:۔
"اب اپنا ماجرا سناؤ؟"
میں نے شروع سے آخر تک سارا قصہ کہہ سنایا، وہ لوگ قہقہہ مار مار کر ہنسے، تالیاں بجائیں، کہنے لگے، "تم کہاں سے اس مصیبت میں پڑ گئے تھے؟ یہ شخص تو بڑا کنجوس اور بے حد کمینہ ہے"
پھر میں نے قسم کھائی کہ "میری بیوی پر طلاق پڑے، اگر میں اس کی گورنری کے زمانے میں مدینے جاؤں" جب تک وہ معزول نہیں ہوگیا، میں مدینے نہیں گیا۔

---

(۴۷) قاتل کا قاتل

عدیل[1] کے آٹھ بھائی تھے، ان کی ماں شیبان کی ایک عورت تھی۔ ان بھائیوں میں تین کے نام، اسود، سوادہ، اور شملہ تھے عدیل بڑا بہادر اور بہت اچھا شاعر تھا۔اس کا ایک ابن عم تھا جس کا نام عمرو تھا۔اس نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کرلی اور ان سے پوچھا تک نہیں۔یہ لوگ اس پر بہت برہم ہوئے، انھوں نے اسے مارنے پیٹنے کی تیاری کی۔عمرو باہر نکلا، اس کے ساتھ اس کا غلام دابغ بھی تھا۔عدیل اپنے بھائیوں کے ساتھ لپکا، سب نے تلواریں سونت لیں، ان کی ماں نے

---

[1] العدیل، بن فرج، عہدِ امویہ کا ایک ممتاز شاعر، بصرے میں وفات پائی، فرزدق سے اس کی بڑی دوستی تھی، اس کی وفات پر فرزدق نے ایک پُردرد مرثیہ بھی لکھا۔

کہا، "میں تمھارے شر سے خُدا کی پناہ مانگتی ہوں" اس کے بیٹے اسود نے جواب دیا، "تم کس بات سے خوف کھا رہی ہو؟ خُدا کی قسم اگر ہم اپنی تلواریں کھینچ کر قراقر کی طرف بڑھے تو وہ لوگ ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے" یہ سب بھائی آگے بڑھے اور عمرو کے پاس پہنچے۔ وہ انھیں دیکھ کر خائف ہو گیا، انھیں اس نے واسطے دیے، لیکن انھوں نے کچھ نہ سُنا۔ سوادہ نے اس پر حملہ کیا اور تلوار ماردی۔ عمرو نے بھی جواب میں تلوار کا وار کیا، اور اس کی ٹانگ اُڑادی، سوادہ نے کہا:۔

"کوئی ہے جو پانو کے بدلے پانو خریدلے؟ وہ پانو جو درماندہ ہو گیا اور اب ایستادہ ہونے سے معذور ہے"

عمرو نے دابغ سے کہا، "حملہ کر، پھر تو آزاد ہے" اس نے ان بھائیوں پر حملہ کیا، اور ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ پھر عمرو نے حملہ کیا اور دوسرے کی گردن اُڑادی، یہ دونوں اسی طرح قتل کرتے رہے، یہاں تک کہ چار آدمی انھوں نے قتل کر دیے، عدیل کے سر پر بھی زخم آیا، پھر وہ لوگ متفرق ہو گئے، دابغ بھاگ کر شام پہنچا۔

ربضہ بن نعمان شیبانی نے عدیل کے سر کا علاج کیا۔ عدیل وہاں کچھ عرصے تک ٹھہرا، پھر کچھ مدّت کے بعد وہ حج کے ارادے سے نکلا، اسے معلوم ہوا، دابغ بھی حج کرنے کے لیے آیا ہوا ہے اور اب واپس جا رہا ہے، شام ہی جائے گا، سواری کا انتظام کر چکا ہے۔ عدیل نے اس کی نگرانی شروع کی، جب دابغ چلا تو عدیل بھی اپنے اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہوا، وہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا اور دابغ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، یہاں تک کہ بالکل اس کے اونٹ کے پیچھے پہنچ گیا، وہ عدیل ہی کے شعر سے حدی خوانی

کر رہا تھا :۔

" اے سلمی کے مکان، جو مقام ذی فار میں ویران ہو گیا ہے،
کیا گھر کے ویران ہونے میں کوئی عار ہے؟
ایسی حالت میں جب کہ اونٹنیوں پر سیاہ رنگ کا جھول
پڑا ہوا تھا، اونٹنیاں ان کے جھول کے نیچے سے نکل
رہی تھیں "

عدیل بالکل اس کے پاس پہنچ گیا، اپنے اونٹ کو اس کے پیچھے پیچھے رکھا، اور آہستہ آہستہ چل رہا تھا، دابغ بھی تیز نہیں جا رہا تھا، پھر اس کا اونٹ کچھ آگے نکل گیا، عدیل کی خواہش تھی وادیٔ حنین تک اس سے ذرا الگ الگ رہے۔ اس سے عدیل نے کہا، " میرے کجاوے کی رسی ڈھیلی ہو گئی ہے، میں اسے ٹھیک کرنے کے لیے نیچے اترتا ہوں، ذرا تم بھی میری مدد کرو۔ یہ کہہ کے عدیل نیچے اترا، اور اپنا کجاوہ ٹھیک کرنے لگا، دابغ بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگا، یہاں تک کہ جب عدیل نے کجاوہ کس لیا، تو اس نے تلوار نکالی، اور کس کے ایک ہاتھ جو مارا تو دابغ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عدیل اپنی سواری پر بیٹھ گیا، اور آہستہ آہستہ گنگنانے لگا۔

" کیا تو نے نہیں دیکھا میں نے اپنی تلوار سے دابغ پر
عظمت حاصل کر لی؟ اگرچہ وہ ایسا بدلہ تھا جس نے میرے
دل کی بھڑاس نہیں نکلنے دی۔
وادیٔ حنین میں جب چودھویں کا چاند چمک رہا تھا

میں نے اسے خوف زدہ کر دیا، ایسی تلوار سے جو فولاد کے
پانی سے ملمع کی ہوئی تھی۔
میں نے ان سے کہہ دیا، یہ راستہ تمھارے سامنے ہے،
میں نے کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی، جب کہ وہ اپنے
رہنما کے ساتھ جا رہے تھے۔"

---

(۷۵) حجاج اور ایک شاعر

ابو عمر الشیبانی کا بیان ہے کہ جب حجاج بن یوسف[1] نے عدیل کی تلاش شروع کی، تو حالت یہ تھی کہ گویا زمین اسے پھینک رہی تھی۔ جس مکان میں وہ پناہ لیتا تھا وہاں سے اسے بھاگنا پڑتا تھا، آخر وہ قبیلۂ بکر بن وائل کے پاس آیا، قبیلے کے لوگ بادیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بنو شیبان، بنو عجل، اور بنو یشکر بھی وہیں تھے، ان لوگوں نے عدیل سے اپنی کیفیت بیان کی، اور کہا،" وہ مجھے پائے گا تو مار ہی ڈالے گا، کیا تم مجھے پناہ دو گے؟ تم تو عربوں میں سب سے زیادہ معزز ہو" انھوں نے جواب دیا،" نہیں خدا کی قسم نہیں، حجاج رسوائی نہیں قبول کرے گا، ہم تمھیں اس سے مانگ لیں گے، اگر وہ راضی ہو گیا تو خیر پھر کوئی بات نہیں ہے، اور اگر اس نے انکار کر دیا، تب بھی ہم تمھیں بچا لیں گے، اور امیر المومنین سے تمھیں مانگ لیں گے"

---

[1] حجاج بن یوسف، عہدِ امویہ میں دس برس تک حجاز اور عراق کا گورنر رہا، ولید بن عبد الملک کے زمانے میں اس نے وفات پائی، بڑا ظالم اور سفاک تھا!

عدیل وہیں ان لوگوں کے پاس ٹھہر گیا۔ بکر بن وائل کے بڑے بڑے لوگ حجاج کے پاس گئے، انھوں نے اس سے کہا، "اے امیر ہم نے تیری ایک خطا کی ہے، ایسی خطا جس کی بخشش نہیں ہو سکتی، اسے ہم نے پناہ دے دی ہے، ہم آپ کے سامنے دست بستہ حاضر ہیں، اگر آپ نے اُسے ہمیں بخش دیا تو آپ کے یہ شایانِ شان ہے، اور اگر نہیں تو آپ کو اختیار ہے آپ مالک ہیں، عادل ہیں"، حجاج ہنسا، اس نے کہا، "میں نے سب خطائیں معاف کر دیں لیکن عدیل جیسے فاسق کا جُرم معاف نہیں ہو سکتا، وہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، انھوں نے کہا، "اے امیر تیری جیسی شخصیت کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے اطاعت گزاروں اور ہوا خواہوں کی درخواست استثنا کے ساتھ منظور کرے، اگر مناسب ہو تو اپنے ارشاد کو کسی استثنار سے محدود نہ کیجیے، اور سب سے پہلا عطیہ ہمیں یہ مرحمت ہو کہ عدیل ہمیں بخش دیا جائے۔ حجاج نے کہا، "اچھا میں نے اسے معاف کیا، اسے حاضر کرو، خُدا اسے سمجھے" عدیل کو فوراً حجاج کے سامنے حاضر کیا گیا۔

جب عدیل حجاج کے سامنے حاضر ہُوا تو اس نے کہا۔

" آپ امیر المومنین کے دوست ہیں اور ان کی تلوار ہیں ہر امام کے لیے کوئی نہ کوئی دوست اور ساتھی ہوتا ہی ہے، تیرے ہی دم سے اللہ نے اس خلیفہ کی مدد کی اور وہ حکومت قائم کر دی جو قریب تھا کہ مٹ جاتی۔

آپ زمین پر خالد سیف اللہ کی طرح ہیں، جب تلوار سونتیے تو اللہ کی مدد کے ساتھ سونتیے!"

حجاج نے کہا، ”شاباش، تم نے نجات پائی“ پھر اس نے اس کا وظیفہ مقرّر کر دیا، اور انعام دیا!

---

(۷۶) دلچسپ مسابقت

ابن عیاش کہتے ہیں حوشب[1] بن یزید بن حارث، بن ردیم الشیبانی اور عکرمہ بن ربعی[2] آپس میں بزرگی اور برتری کے مسئلے پر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ کھانا کھلانے، مہمان داری کے سلسلے میں اونٹوں کو ذبح کرنے میں بھی دونوں مسابقت کی فکر میں رہتے تھے۔ یہ دونوں مصعب کے لشکر میں تھے، حوشب اکثر، عکرمہ سے اپنی دولت مندی کے سبب بازی لے جایا کرتا تھا۔

بختر الفقیمہ کا غلام، عبدالعزیز بن یسار آٹے کی بوریاں لے کر آیا۔ عکرمہ اس کے پاس پہنچے، کہنے لگے، ”حوشب مجھ پر غالب آجائے گا، اپنی دولت مندی کے سبب مجھ سے بازی لے جائے گا، یہ آٹا میرے ہاتھ فروخت کردو، قیمت بعد میں لے لینا، جتنی قیمت ہوگی اتنا ہی نفع میں دے دوں گا۔ اس نے کہا، ”لے لو“ یہ کہہ کے اس نے سارا آٹا انھیں دے دیا، عکرمہ نے یہ آٹا اپنے آدمیوں کے پاس بھیج دیا، اور ان میں تقسیم کر دیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ سب گوندھ ڈالیں۔ انھوں نے

---

[1] حوشب بن یزید، بن حارث، بن ردیم، حجاج کی طرف سے کوفے کا عامل تھا۔

[2] عکرمہ بن ربعی بڑا سخی تھا، بشر بن مروان کا سکریٹری تھا، اخطل نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا ہے جو اس کے دیوان کے صفحہ ۲۱ پر موجود ہے۔

سارا آٹا گوندھ لیا، اور اسے ایک بڑے غار میں رکھ دیا، اس کے اوپر گھاس ڈھانک دی۔ عکرمہ ایک گھوڑی لایا، اسے حوشب کے گھوڑے کے پاس کھڑا کر دیا، گھوڑا جفتی کے لیے آگے بڑھا، وہ بھاگی، ان لوگوں نے گھوڑی کو ہانک کر گھوڑے کے آگے کر دیا، وہ اس کے پیچھے پیچھے لپکا یہاں تک کہ اس آٹے کے دلدل میں انھوں نے گھوڑی گرادی، گھوڑا بھی اس کے ساتھ ساتھ گر پڑا، دونوں اس میں پھنس گئے، اب عکرمہ کے لوگ باہر نکل آئے، لشکر میں انھوں نے دہائی مچانا شروع کی، "اے گروہ مسلمین دیکھو حوشب کا گھوڑا، عکرمہ کے آٹے میں غرق ہو گیا، لوگ حیرت کے ساتھ باہر آئے، یہ دیکھنے کہ آٹے میں گھوڑا کیوں کر غرق ہو سکتا ہے؟ لشکر میں کوئی آدمی بھی ایسا نہ تھا جو یہ منظر دیکھنے نہ آگیا ہو۔

لوگ گھوڑے کے پاس آئے وہ آٹے میں ڈوبا ہوا تھا، صرف سر اور گردن کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا تھا، آخر اسے رسیوں اور لاٹھیوں کے سہارے باہر نکالا گیا۔ اس واقعہ سے عکرمہ آگے بڑھ گیا اور حوشب کو خفت ہوئی۔ ہذیل بن فرخ ان دونوں کی مدح میں کہتا ہے:-

" ہم میں عکرمہ اور حوشب جیسے فیاض لوگ موجود ہیں

وہ دو ایسے نوجوان ہیں جن سے سبقت نہیں لی جاتی سکتی۔

وہ دونوں ایسے نوجوان ہیں کہ ان کے مرتبے کو کوئی

لت مند حمیری نہیں پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی سردار ان کا

مقابل ہو سکتا ہے۔"

حوشب کی مدح میں ایک شاعر کہتا ہے:-

" حوشب مال لٹانے میں حاتم سے بھی زیادہ سخی ہے،

اور (مہمانوں کے لیے) خود جو شب سے بھی زیادہ اچھے اچھے اونٹ ذبح کرتا ہے''

---

(۷۷) ایک شاعر

عبداللہ بن ابراہیم الجمحی بیان کرتے ہیں کہ اعلم صخر الغی کا بھائی تھا۔ یہ فقرائے ہذیل میں سے تھا، بھاگتا اتنا تیز تھا کہ اسے کوئی پکڑ نہیں سکتا تھا، اس کا نام حبیب بن عبداللہ تھا

ایک مرتبہ اعلم اور اس کے دونوں بھائی صخر اور صخیر روانہ ہوئے صبح ہوتے ہوتے سکاع پہاڑ کے نیچے پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اس کی بغل میں مشکیزہ دبا ہوا تھا، جس میں پانی تھا، لیکن جیسے تیز اور گرم ہوا نے خشک کر دیا تھا، پیاس کے مارے ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آ گیا۔ اعلم نے اپنے ساتھی سے کہا، ''اپنے مشکیزے میں سے کچھ پلاؤ تو شاید میں پانی کے گھاٹ پر پہنچ سکوں تم میرا یہیں انتظار کرنا، بنو عدی بن الدیل اس گھاٹ پر رہتے تھے، وہ لوگ ایک کھجور کے باغ کے پاس مقیم تھے، جو گھاٹ سے ذرا دور تھا سو وہ اسی طرف ڈھاٹھا باندھ کر روانہ ہوا، تلوار، کمان، اور تیر اس نے اپنے اور اپنے ساتھی کے مابین رکھ لیے۔ جب وہ قبیلے کے سامنے پہنچا تو آہستہ آہستہ چلنے لگا، کسی آدمی نے کہا:۔ ''یہ آدمی کون ہوگا؟'' جواب ملا، ''ہمیں تو یہ بنی مذحج بن مرہ کا آدمی معلوم ہوتا ہے'' پھر ان میں سے بعض نے کہا، ''اس نوجوان سے ملو، اور اسے پہچانو'' لوگوں نے کہا، ''اس سے مطلب؟ ایک آدمی تمہارے پاس

آ رہا ہے، تاکہ پانی پیے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ ہمیں کوئی نقصان تو پہنچائے گا نہیں، وہ ان لوگوں کی طرف سے پیٹھ کرکے جھک کے تالاب سے پانی پینے لگا۔ جب وہ سیر ہوگیا تو اس نے اپنا سر اٹھایا، اور چہرے پر نقاب ڈال لیا، اور پھر اپنے راستے پر پڑ گیا۔

ان لوگوں نے اپنے غلام کو جو گھاٹ پر تھا بلایا، اور کہا، "کیا تو نے پہچانا یہ آنے والا کون ہے؟"

"نہیں"

"تو نے اس کی صورت دیکھی؟"

"ہاں اس کا ہونٹ پھٹا ہوا ہے"

"یہ اعلم ہے"

اس کے اور گھاٹ کے مابین ایک تیر کا فاصلہ رہ گیا تھا، وہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑے، انھی میں جذیمہ نامی ایک آدمی بھی تھا۔ اس سے بڑھ کر تیز دوڑنے والا، سارے قبیلے میں نہ تھا۔ انھوں نے اسے ابھارا کہ اس کا پیچھا کرے، چنانچہ اسی کو آگے بڑھایا گیا، وہ ایسا بھاگا کہ یہ لوگ اس سے بچھڑ گئے۔ اعلم اپنی کمان، تلوار، اور تیر کے پاس سے گزرا، اور جھپٹ کر ان سب کو لے لیا، پھر وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس سے گزرا، اور انھیں پکار کر بلایا، وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہو لیے، قبیلے کے لوگ ان کی گرد بھی نہ پا سکے!

---

(۷۸) انصاف کی طلب!

ہارون بن محمد بن عبدالملک کہتے ہیں ایک روز میرے والد اپنے عمّال کے ظلم و جور کے انصاف کے لیے بیٹھے، اور قضایا فیصلہ کرتے رہے، جب مجلس برخاست ہو گئی، انھوں نے دیکھا ایک آدمی بدستور بیٹھا ہوا ہے، پوچھا:۔

"کوئی کام ہے؟"

"میں مظلوم ہوں، مجھے قریب بلائیے اور سنیے"

"آؤ، کہو!"

"آپ سے انصاف چاہتا ہوں"

"کس نے ظلم کیا تم پر؟"

"آپ نے"

"تو صاف صاف کہو نا"

"آپ کی ہیبت، آپ کی فصاحت و بلاغت، آپ کا حسنِ استدلال مجھے مرعوب کیے ہوئے ہے"

"تم پر کس طرح ظلم ہوا؟"

"فلاں گاؤں میں رہتا ہوں، وہ میرا ہی گاؤں ہے آپ کے کارندے نے اس پر زبردستی قبضہ کر لیا، مجھے کوئی قیمت بھی نہیں دی، جب بھی اس کی لگان واجب ہوئی میں نے فوراً ادا کی، تاکہ ایسا نہ ہو کوئی دوسرا آدمی آپ کے سامنے پیش کر کے میری ملک

باطل کردی جائے۔ آپ کا کارندہ وہاں کا سارا غلّہ لے لیتا ہے، پھر مجھے لگان بھی پوری پوری ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایسا ظلم ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی''

" یہ تم نے ایسی بات کہی ہے جو بغیر ثبوت و شہادت کے نہیں مانی جا سکتی"

" اگر میں کچھ عرض کروں تو چشمِ غضب سے تو محفوظ رہوں گا؟"

" محفوظ رہوگے، کہو!"

" ثبوت خود شہادت ہے، اور جب یہ فراہم ہو جائے، پھر کس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

محمد ہنسا، اس نے کہا:۔

" تم سچ کہتے ہو، تم احسان کے مستحق ہو"

یہ کہہ کر اس کا گاؤں اسے واپس کر دیا، اور یہ بھی حکم دے دیا کہ جو غلّہ لیا گیا تھا، واپس کر دیا جائے، نیز سو دینار دیے جائیں، تاکہ اس کے کوٹھار وغیرہ کا جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی ہو جائے۔

پھر محمد نے اسے اپنے مصاحبوں میں شامل کر لیا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اپنا بندۂ کرم بنا لیا۔

(۷۹) کہو تو کہہ دوں؟

عبید اللہ بن محمد بن عبد الملک کہتے ہیں، کہ جب ابراہیم بن خلیفہ مہدی، خلافت پر قبضہ کر بیٹھا، تو اس نے بعض بڑے بڑے تاجروں سے

رقمیں قرض لیں۔ میرے والد عبدالملک سے بھی دس ہزار درہم قرض لیے، اور کہا، جب رقم ملے گی واپس کردی جائے گی۔ جب مامون نے آکر خلافت لے لی اور پھر کچھ عرصے بعد اس سے خوش ہوگیا تو اب لوگ اس سے اپنی دی ہوئی رقموں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ابراہیم نے کہا، یہ رقمیں گو میں نے مسلمانوں کے لیے قرض لی تھیں، ارادہ یہ تھا کہ انھی سے وصول کیے ہوئے مال میں سے واپس کردوں گا، لیکن اب صورتِ حال ہی کچھ اور ہے، میں خلیفہ تو ہوں نہیں، خلیفہ ہے مامون۔ رقم میں کہاں سے دوں؟

ابو محمد بن عبدالملک نے مامون کو مخاطب کرکے ایک قصیدہ لکھا۔ اسے ابراہیم بن مہدی کے پاس لے گیا، سُنایا، اور کہا، "خُدا کی قسم اگر تم نے میرے والد کی رقم واپس نہ کی، تو یہ قصیدہ میں مامون تک پہنچائے دیتا ہوں، پھر بُرا نہ ماننا"

ابراہیم سٹ پٹا گیا کہ کہیں مامون تک یہ بات پہنچی اور اسے میرے گزشتہ عزائم کا علم ہوا تو نہ جانے انجام کیا ہو؟ کہنے لگا، "کچھ رقم تو ابھی لے لو، باقی میں قسط وار ادا کردوں گا" والد اس پر راضی ہوگئے۔ ابراہیم نے انھیں قسم دی کہ مامون کی زندگی بھر یہ راز افشا نہ ہونے پائے۔

والد نے اپنا وعدہ نباہا، اور ابراہیم نے اپنا کہا پورا کیا!

---

(۸۰) چھپے رُستم

عبداللہ بن ابی الشیص کا بیان ہے کہ مجھ سے دعبل[1] نے روایت کی کہ میں اپنے بھائی زرین کے ساتھ حج کرنے گیا۔ مصر کا گورنر مطلب بن عبداللہ بن مالک تھا۔ ہم نے اس کے نام کچھ سفارشی خطوط لکھوائے تھے جو ہمارے ساتھ تھے۔

ہم مکے سے مصر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک آدمی ساتھ ہوگیا، نام تھا احمد السراج، ہم سے بڑے رفق و محبت اور خاطر مدارات کے ساتھ پیش آتا رہا۔ راستے بھر ہماری خدمت چاکروں کی طرح کرتا رہا، اس طرح اس نے اپنے سے ہمیں مانوس کرلیا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا لیکن ہم سمجھ نہ سکے کہ وہ شاعر بھی ہے۔ وہ اپنی اس خصوصیت کو برابر ہم سے چھپاتا رہا، اس نے باتوں باتوں میں ہم سے ہمارا مقصدِ سفر بھی معلوم کرلیا۔ ہم نے اس سے اپنے خطوط کا بھی ذکر کردیا، پھر ہم نے اس سے کہا، "کہو تو ہم تمھیں ایک قصیدہ کہہ دیں، وہ تم مطّلب کو اپنے نام سے سُنا دینا۔ امید ہے کہ تمھیں بھی انعام واکرام

---

[1] دعبل، کنیت ابو علی، مشہور و معروف شاعر ہجو خاص موضوع، زبان کا بڑا گندہ، خلفا، وزرا، امرا، اور ان کی آل اولاد میں سے کوئی شخص بھی اس کی بدزبانی سے نہ بچا نہ اس نے اپنے محسن کو چھوڑا، نہ غیر جانب دار کو، نہ مخالف کو، مذہب شیعہ تھا، چوں کر خلفا و وزرا کی ہمیشہ ہجو کیا کرتا تھا اس لیے ان سے خائف بھی رہتا تھا، ساری زندگی راہ فرار اختیار کرتا رہا، یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں، بس یہی اس کا وطیرہ تھا، معتصم باللہ کے دورِ خلافت میں یہ بہت مشہور ہوا۔

مل جائے گا۔ اس نے بڑی مسرت سے ہمارے اس ارادے کا خیر مقدم کیا، اور بدل وجان اس پر راضی ہو گیا۔

ہم مصر پہنچے، مطلب کے حضور میں حاضر ہوئے، خطوط جو ساتھ لے گئے تھے پیش کیے، اس نے کہا، "سناؤ"! ہم نے سنایا، وہ بہت مسرور ہوا، پھر ہم نے اس سے احمد السراج کی تعریف کی، مطلب نے اسے بھی دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی، ہم خیال کر رہے تھے جو قصیدہ اس موقع کے لیے ہم نے اسے لکھ کر دیا تھا، وہ اب سنائے گا، اذن حاصل کرنے کے بعد جب وہ قصیدہ سنانے کے لیے کھڑا ہوا، تو جو قصیدہ ہم نے دیا تھا، وہ تو کم بخت نے پڑھا نہیں، اور ایک تازہ بہ تازہ، نو بنو قصیدہ مطلب کی شان میں پڑھنے لگا، بڑا زوردار اور بلند قصیدہ تھا۔

مطلب اس قصیدے کی خوش بیانی، معنویت، اور روانی سے اس درجے متاثر ہوا کہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ احمد السراج کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اسے اپنے پاس مسند پر بٹھایا، آواز دی، "یہاں آؤ" فوراً غلام حاضر ہوا، حکم دیا، "تھیلی لاؤ" تھیلی لائی گئی، حکم دیا، "کھولو" کھولی گئی، اور احمد کے سامنے "انڈیل" دی گئی، پھر ساز و یراق سے آراستہ ایک گھوڑ منگایا، وہ بھی اس کے حوالے کر دیا، اور بھی بہت سا سیم و زر انعام میں دیا، یہ سب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ہمیں بڑا غصہ آیا، غصہ اس پر آیا کہ کم بخت نے اپنی شعر گوئی ہم سے چھپائی، غصہ اس بات پر بھی تھا کہ آئے تو تھے ہم آرزوؤں کا پشتارہ لے کر اور جھولی بھر کر یہ جا رہا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ احمد السراج تو وہاں سے کامیاب و کامراں واپس ہوا، اور

ہم جیسے گئے تھے ویسے ہی خالی ہاتھ واپس آگئے!

---

(۸۱) دو ہجو گو شاعروں کی ملاقات!

میرے اور ابو سعد مخزومی کے درمیان ہجو کا بازار گرم تھا، میں اس کے خلاف زہر افشانی کرتا تھا، وہ میرے خلاف۔ ایک روز میں قلم دوات کاغذ سامنے رکھے بیٹھا، اسی کی ہجو کہ رہا تھا، اتنے میں میرا غلام آیا، کہنے لگا، "ابو سعد مخزومی دروازے پر کھڑے ہیں" میں نے کہا، "جھوٹا کہیں کا۔" "نہیں سچ سرکار" میں نے اسے حکم دیا جلدی سے قلم دوات اٹھا لے، پھر میں نے اس سے کہا، "اب بلا لاؤ" میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس پرانے دشمن سے اب معاملات صاف ہوئے جاتے ہیں۔ اب وہ گندگی جو ہمارے مابین اچھلتی رہتی تھی، بند ہو جائے گی، اگرچہ اس کی ابتدا ہمیشہ اسی کی طرف سے ہوتی رہی۔

میں سرو قد کھڑا ہو کر تعظیم بجا لایا، وہ خنداں اور مسرور اندر داخل ہوا، میں نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا، پھر میں نے کہا:-

"آج صبح جب میں اٹھا تو آپ پر نفریں بھیج رہا تھا"

"کس بات پر ابو علی؟"

"آپ کی سبقت پر جو میرے مقابلے میں فضل کے ہاں آپ کو حاصل تھی"

"اب تو میں تمہارا مہمان ہوں، تمہارے پاس ہوں"

"آپ کی کیا خاطر کی جائے؟"

"جو کچھ ہو لاؤ، کھائیں، نہ ہو تو تکلّف نہیں، میرے ہاں سے منگالو" میں نے غلاموں سے پوچھا، "کچھ کھانے کو ہے؟" انھوں نے کہا، "ہاں کچھ باسی کھانا تو رکھا ہے" کہنے لگا، "کوئی مضائقہ نہیں وہی لاؤ —— ہاں یہ تو بتاؤ، کچھ "پینے" کو بھی ہے؟ ورنہ میں اپنے ہاں سے فرابے منگالوں؟ میں نے کہا، "بیٹھیے بیٹھیے، بہت کچھ ہے پینے کے لیے" پھر اس نے اپنی چادر اُتار دی، کہنے لگا، "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ہمارے مابین کوئی غیر بھی بیٹھے"

ہم کھاتے پیتے رہے، جب اس نے جامِ شراب اٹھایا، کہنے لگا:- "اپنے غلاموں کو حکم دو، مجھے گانا سُنائیں" میں نے اپنے دو غلاموں کو اشارہ کیا، وہ گانے لگے،

ابو سعد بہت مسرور ہوا، اسے یہ گانا بہت پسند آیا- میں بھی اس کی خوشی میں برابر کا حصّہ لیتا رہا، پھر کہنے لگا-

"ابو علی میری ایک آرزو ہے پوری کروگے؟ —— اپنے ان غلاموں سے کہو میرے بارے میں تمھارے، ہجویہ اشعار گائیں"

میرے غلام میرے اس کے تعلقات جانتے تھے، انھیں میرا بہت سا ہجویہ کلام یاد تھا، لیکن میں نے کہا، "ابو سعد کیسی باتیں کرتے ہو؟ ہم دشمنی کی آگ بجھا چکے، ہماری عداوت ختم ہو چکی، شر کی دُم کاٹی جا چکی، پھر اب گڑے مُردے اُکھاڑنے سے فائدہ؟ ——"

کہنے لگا:-

"تمھیں خُدا کی قسم انھیں اجازت دو، ایسا نہ کروگے تو مجھے گراں گزرے گا- مجھے بُرا معلوم ہوتا، تو بھلا میں یہ فرمایش کیوں کرتا؟"

میں نے اپنے دل میں کہا، ابوسعد تو پاگلوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔ پھر میں نے غلاموں سے کہا، "بھئی یہ نہیں مانتے تو جو کچھ کہتے ہیں وہ سُنا دو" پھر اس نے ایک خاص قصیدہ ہجویہ کی فرمائش کی، غلاموں نے وہ بھی سُنا دیا۔ ابوسعد اپنا سر اور بازو ہلاتا رہا، تالیاں بجاتا اور داد دیتا رہا۔ سارا دن اسی جشنِ مسرت میں ختم ہوگیا، پھر وہ رخصت ہوا، غلام اسے دروازے تک پہنچا آئے۔

ایک غلام نے مجھے ایک پرچہ دیا، کہا، "یہ ابوسعد مخزومی نے دیا تھا تاکید کردی تھی کہ میں آپ کو دے دوں"

میں نے وہ پرچہ لے لیا، یہ شعر لکھے تھے:۔

" اس کے دو چہرے ہیں، بظاہر وہ میرا ابنِ عم ہے، اور بہ باطن وہ بدطینت اور بدسرشت ہے، تجھے ظاہر میں وہ خوش رکھتا ہے اور باطن میں ضرر پہنچانا چاہتا ہے، حرامی لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں ۔"

میں نے کہا، "لاؤ قلم دوات، میں نے بھی ایک زوردار ہجو لکھ ڈالی، دو تین روز بعد سرِراہ ملاقات ہوگئی، نہ اس نے مجھے سلام کیا، نہ میں نے اسے!

---

(۸۲) ایک محبِ اہلِ بیت شاعر!

محمد بن موسیٰ ضبی عتابی کی روایت بیان کرتے ہیں جو عبداللہ بن طاہر کا درباری تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایک روز ہم رات کو بیٹھے ہوئے ادب و شعر

اور شعرائے جاہلیت و اسلام کا تذکرہ کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں شعرائے عصرِ حاضر کا ذکر چھڑا، اسی سلسلے میں دعبل کا نام بھی زیرِ بحث آیا۔ اس نے کہا، "عتابی میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، جب تک میں زندہ ہوں کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا"

"آپ مجھ پر بھی بدظنی کرتے ہیں؟"

"نہیں یہ بات نہیں، لیکن میری تسکین کے لیے ضروری ہے کہ تم قسم کھا کر مجھ سے عہد کرو، تاکہ میں مطمئن ہو جاؤں"

"اگر امیر اتنے محتاط ہیں تو بہتر ہے ذکر ہی نہ کریں"

لیکن وہ کہنے پر اور مجھ سے قسم لینے پر مُصر رہا۔ آخر میں نے کہا، "جو امیر کی رائے ہو"

"کھاؤ خُدا کی قسم"

میں نے قسم کھائی۔ اس نے میری قسم، بیعت، طلاق، اور ہر قسم کھانے والی چیز سے مؤکد کی۔ پھر کہا، "کیا تم جانتے ہو دعبل مدخول النسب ہے؟" پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا، "کیا یہی بات کہنے کے لیے آپ نے اتنی کڑی قسمیں مجھ سے لے لیں!" کہا، "ہاں خُدا کی قسم اسی لیے" میں نے کہا، "یہ کیوں؟" فرمایا، "اس لیے کہ دعبل ایسا آدمی ہے جو خطرات و مہالک سے کھیلتا ہے، جو پھانسی کا تختہ اپنے کاندھے پر لیے ہوئے چلتا ہے میں یہ ڈرتا ہوں کہ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کے متعلق ایسی باتیں کہی ہیں جن سے اس پر عار آئے گی تو چاہے میں اسے یمن کی بادشاہت دے دوں، یا اسے ہتھکڑی بیڑی میں جکڑ کر باب شام کے زنداں خانے میں ڈال دوں وہ میری ہجو کرنے سے باز نہیں آئے گا"

میں نے کہا، "کیا آپ خیال کرتے ہیں وہ آپ کی ہجو کرنے کی جرأت کرے گا؟" "کیوں نہیں؟ جب اس نے ہارون رشید، امین، مامون کو نہیں چھوڑا تو میں کیا ہوں؟ وہ تو میرے باپ کی ہجو بھی کر چکا ہے، تو بھلا موقع پا کے مجھے چھوڑ دے گا؟"

میں نے کہا، "یہ بات ہے تو امیر نے مجھ سے جو قسمیں لی ہیں ان میں وہ حق بجانب ہیں" عتابی نے کہا، "دعبل میرا دوست تھا۔"

میں نے کہا، "میں جانتا ہوں لیکن امیر نے یہ کہاں سے جانا کہ وہ مدخول النسب ہے؟ وہ تو خزاعہ کے ایک بڑے گھرانے کا چشم و چراغ ہے، خزاعہ سے بڑا کوئی گھرانہ ہو سکتا ہے تو بس بنی اہبان کا گھرانہ ہو سکتا ہے"

اس نے کہا، "سُنتے جاؤ ایک زمانہ تھا کہ مسلم بن ولید کے خادموں اور شاگردوں میں دعبل بھی تھا، اس وقت تک وہ شعر کہنا نہ جانتا تھا، اس زمانے میں اس نے ایک ہجویہ شعر اپنے استاد مسلم کے خلاف لکھا، یہ شعر بعض گویّوں تک پہنچا، وہ لے اُڑے، رشید نے بھی کہیں سُن لیا، بہت محظوظ ہوا، پوچھا، "یہ کس کا شعر ہے؟" بتایا گیا دعبل بن علی نے کہا ہے، جو خزاعہ کا ایک چھوکرا ہے" رشید نے اسی وقت دس ہزار درہم اور خلعتِ فاخرہ منگوایا، فوراً یہ سب چیزیں اپنے خادمِ خاص کو مع اپنے ذاتی مرکب کے دیں اور کہا، "یہ سب چیزیں خزاعہ تک لے جاؤ، وہاں دعبل بن علی کو پوچھنا، جب وہ مل جائے، تو اسے یہ سب دے دینا اور کہنا، اگر مناسب سمجھو تو دربار تک چلو، وہ آئے تو لے آنا، ورنہ چھوڑ دینا پھر رشید نے اس گوّیے کو بھی انعام دیا، جس نے دعبل کا ہجویہ شعر گایا تھا۔

رشید کا غلام انعام و اکرام لے کر دعبل کے پاس پہنچا۔ سب چیزیں اس نے سونپ دیں اور دربار چلنے کی درخواست کی

دعبل دربار میں حاضر ہوا، خلیفہ کو سلام کیا۔ اس نے بیٹھنے کی اجازت دی، یہ بیٹھ گیا، پھر خلیفہ نے شعر کی فرمائش کی دعبل نے اپنے اشعار سُنائے خلیفہ نے اظہارِ خوشنودی کیا اور اپنے خلقۂ متوسلین میں شامل کر لیا۔

جب رشید کا انتقال ہوا تو جانتے ہو دعبل نے اس کے احسانات کا بدلہ کس طرح دیا؟ ان احسانات کا جنھوں نے اسے فقیر سے غنی، ذلیل سے بلند مرتبت بنا دیا تھا؟ اس نے ایک قصید حضرات اہلِ بیت علیہم السلام کی مدح میں کہا، اور اس سلسلے میں رشید کی خوب ہی خوب ہجو کی۔

ولیس حی من الاحیاء نعلمه	من ذی یمان و من بکر و من مضر
الا وهم شرکاء فی دمائهم	کما تشارک ایسار علی جزر
قتل و اسر و تحریق و منهبة	فعل الغزاة بارض الروم والخزر
اری امیة معذورین ان قتلوا	ولا اری لبنی العباس من عذر
اربع بطوس علی قبر الذکی اذا	ما کنت تربع من دین علی وطر
قبران فی طوس خیر الناس کلهم	و قبر شرهم هذا من العبر
ما ینفع الرجس من قرب الذکی ولا	علی الذکی من قرب الرجس من الضرر
هیهات کل امری رهن بما کسبت	له یداه فخذ ما شئت او فذر

ان اشعار میں پاکیزہ اور گندی قبروں کا اشارہ ہے حضرت رضا علیہ السلام[1]

---

[1] سنہ ۲۰۳ھ میں حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا شہر طوس میں انتقال ہوا، مامون نے اپنے باپ ہارون رشید کی قبر کے پاس انھیں دفن کیا۔

(تاریخ مختصر الاول صفحہ ۲۲۳)

اور ہارون رشید کی قبروں کی طرف پھر اس نے مامون کو بھی نہیں چھوڑا۔
سُنو کہتا ہے:۔

انی یکون ولیس ذاک بکائن یرث الخلافۃ فاسق عن فاسق
ان کان ابراھیم مضطلعًا بھا فلتصلحن من بعدہ لمخارق

جب مامون نے یہ پڑھا، ہنسا، اور کہا، "میں نے دعبل کی ہجوگوئی کی خطا معاف کردی، کیوں کہ اس نے ابراہیم کو مخارق کے ساتھ خلافت اور ولایت عہد میں برابر کردیا۔ پھر میرے والد کو لکھا کہ دعبل کو امان دے دی جائے۔ اسے مال ومنال سے سرفراز کریں، اگر چاہے تو وہیں رہے، ورنہ جہاں جی چاہے مال و دولت لے کر چلا جائے۔ والد نے ایسا ہی اسے لکھ دیا، وہ والد پر بھروسہ کرتا تھا۔ ان کے پاس آگیا، والد نے اسے دولت دی، نوازا، سرفراز کیا، اور مامون کے عزم سے بھی مطلع کردیا۔ دعبل مامون کے دربار میں حاضر ہوا، سلام گزار ہوا، مامون نے کہا، اپنا یہ شعر سُناؤ۔

مدارس ایات خلت من تلاوۃ ومنزل وحی مقفر العرصات[2]

---

[1] مامون نے اپنے بعد حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس لیے کہ بنو عباس میں وہ کسی کو بارِ خلافت سنبھالنے کا اہل نہیں دیکھتا تھا، لیکن بنو عباس کو یہ گراں گزرا، انھوں نے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ لیکن حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کی وفات کے بعد اہلِ بغداد نے ابراہیم کو چھوڑ دیا۔ اب وہ مامون کے خوف سے چھپا چھپا پھرنے لگا۔ کچھ عرصے بعد مامون نے اسے معاف کردیا۔ ——— مخارق ایک مشہور گوّیا۔

[2] یہ قصیدہ بہترین قصائد میں شمار کیا جاتا ہے، اہلِ بیعت علیہم السلام کی شان میں اس نے بڑا زورِ بیان صرف کیا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۱ پر)

دعبل یہ قصیدہ سُناتے ہوئے ہچکچایا۔ مامون نے کہا، ڈرو مت تمھیں اماں دی گئی، میں یہ قصیدہ سُن چکا ہوں، لیکن اب تمھاری زبان سے سُننا چاہتا ہوں۔

دعبل نے اپنا یہ قصیدہ شروع سے آخر تک سُنایا۔ حالت یہ تھی کہ مامون زار زار رو رہا تھا، روتے روتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر مامون کے انتقال کے بعد دعبل نے اس کی بھی ہجو لکھی اور اس کے احسانات و انعامات کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا۔

(۸۳) معرکہ خیز مناظرہ

ابو محمد الیزیدی کا بیان ہے کہ مہدی کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے کوئی چار مہینے پہلے ہم ایک شہر میں اس کے ساتھ مقیم تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا، کسائی بھی ہمارے ساتھ تھا، مہدی نے مسائل عربیۃ پر گفتگو کا آغاز کیا، اس وقت ایک مغنیّہ کا چچا عیسیٰ بھی مہدی کے پاس موجود تھا۔ مہدی نے کہا، "ہم یزید اور کسائی کو بُلانا چاہتے ہیں" بس اس زمانے میں مہدی

(صفحہ ۲۵۰ کا بقیہ نوٹ) خراسان میں اس نے یہ قصیدہ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے دس ہزار درہم عطا فرمائے، وہ درہم جن پر حضرت کا اسم گرامی کندہ تھا۔ نیز اپنے لباسِ مبارک میں سے ایک خلعت بھی دیا، اہل قم نے اس لباس کی تیس[۳۰] ہزار درہم قیمت دینی چاہی، لیکن دعبل بیچنے پر راضی نہ ہُوا۔ پھر ان لوگوں نے ڈاکہ ڈال کر چھین لیا، مگر ایک آستین واپس کر دی، جو مرنے کے بعد اس کے کفن میں رکھ دی گئی!

کے ماموں یزید منصور کے پاس تھا، اور کسائی، حسن الحاجب کے پاس۔
ہمارے پاس خلیفہ کا قاصد آیا۔ میں جب بابِ خلافت پر پہنچا تو کسائی کو
بھی وہاں دیکھا۔ وہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا، "ابو محمد!
میں تمھارے شر سے خُدا کی پناہ مانگتا ہوں" میں نے کہا، "خُدا کی قسم تم
مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے، میں ہی تم سے آگے رہوں گا"

جب ہم مہدی کے پاس پہنچے وہ مجھ سے مخاطب ہوا، اور کہا، "یہ
کیا بات ہے "بحرین" کی طرف نسبت کرنا ہوتی ہے تو "بحرانی" کہتے ہیں
"حصنین" کی طرف نسبت ہو تو "حصنی" کہتے ہیں، "حصنانی" کیوں نہیں
کہتے؟ میں نے عرض کیا، "خُدا امیر المومنین کو سلامت رکھے، اگر بحرین کی
طرف نسبت دیتے ہوئے "بحری" کہیں تو شبہہ ہوگا یہ نسبت "بحر"
کی طرف ہے یا "بحرین" کی طرف؟ رہا حصنین کا معاملہ سو کوئی دوسری جگہ
"حصن" تو کہلاتی نہیں، لہٰذا، اس کے منسوب کو "حصنی" کہہ دیتے ہیں،
اس لیے کہ اس میں کسی غلط فہمی کا امکان نہیں" دربار میں عمر بن زریع بھی
حاضر تھا۔ میں نے سُنا، کسائی اس سے کہہ رہا ہے، "اگر امیر نے مجھ سے پوچھا
ہوتا تو میں اس سے بھی اچھی توجیہہ بتاتا" یہ سُن کر میں نے مہدی سے
کہا: "خُدا امیر کو سلامت رکھے، یہ کسائی کہتا ہے اگر آپ نے اس سے
دریافت فرمایا ہوتا، تو جو جواب میں نے دیا ہے، یہ اس سے بھی بہتر جواب
دیتا" مہدی نے کہا، "اچھا اب ہم پوچھتے ہیں"!

کسائی نے کہا، جب "حصنین" کی طرف نسبت کرتے ہیں تو چونکہ
اس میں دو "نون" ہیں اس لیے "حصنی" کہتے ہیں کہ ایک نون کی ثقالت کم
ہو جائے، برعکس اس کے بحرین میں صرف ایک نون ہے لہٰذا اس کے

منسوب کو "بحرانی" کہتے ہیں، میں نے کہا، "خُدا امیر کو سلامت رکھے" پھر "بنی جنان" کے آدمی کو کس طرح نسبت دیں گے؟ کسائی کے اس قیاس کی بنا پر تو اسے "جنی" کہنا چاہیے، اس لیے کہ "جنان" میں بھی دونوں ہیں اور اگر "جنّی" کہیں تو پھر جب "جن" کی طرف نسبت دیں تو کیا کہیں گے؟

مہدی نے مجھ سے اور کسائی سے کہا "تم دونوں اس موضوع کے علاوہ کسی اور مسئلے پر مناظرہ کرو تاکہ ہم سُنیں"!

ہم دونوں نے چند مسائل پر مناظرہ شروع کیا۔ خوب ردوکد ہوتی رہی، میں نے کہا، " ان من خیر القوم او خیرھم نیتہ زید" اس جملے کی ترکیب کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا، لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا، اگر جواب دو گے تو بھی غلطی کرو گے؟ احسن نامی ایک شخص نے اس طویل سکوت سے کچھ سمجھ لیا۔ اس نے کہا " ان من خیر القوم او خیرھم نیتہً زیداً" ہونا چاہیے، میں نے کہا، "خُدا امیر کو سلامت رکھے، یہ حضرت بھی چوک گئے" مہدی نے کہا، "کیونکر؟" میں نے کہا اس لیے کہ اس شخص نے "خیر" کی "ر" کو پیش دے دیا، اور "انّ"[1] کا اسم بعد میں لایا، پھر پیش کے بعد زبر دے دیا" شیبہ بن ولید نے کہا، احسن نے " او" سے " بل" مراد لیا ہے، لہٰذا پیش، دے دیا، اصل بات یوں ہے، کسائی نے کہا، "ہاں میرا بھی یہی مطلب تھا" میں نے کہا، "اے امیر ان سب سے چوک ہوئی، اگر " او" یا "بل" کی

---

[1] "انّ" عربی کا وہ حرف ہے جو کسی اسم سے پہلے آئے تو اسے زبر دیتا ہے، اور خبر کو پیش! مثلاً اِنَّ زیداً عالمٌ "!

وجہ سے زید کو پیش دیا تو بھی غلط، پھر تو یوں ہونا چاہیے "بل خیرھم زیداً"
مہدی نے کہا، "کسائی تم میرے پاس ایک مرتبہ مسلمۃ النحوی وغیرہ کے ساتھ
آئے تھے، اس دن تو میں نے تمھیں اتنا درماندہ نہیں دیکھا تھا"

تھوڑی دیر کے بعد مہدی نے کہا، "یہ دونوں بلند پایہ عالم ہیں،
ان کا فیصلہ تو کوئی بہت ہی فصیح اعرابی کر سکتا ہے، جس کے سامنے یہ مختلف
فیہ مسائل پیش کیے جائیں۔ وہی معقول جواب دے سکے گا۔ ابو محمد
کہتا ہے، پھر مہدی نے فصحائے اعراب میں جو سب سے زیادہ فصیح شخص
تھا اسے بلایا جب تک اعرابی آئے میں سر جھکائے بیٹھا رہا، مہدی اپنے
ماموں منصور بن یزید بن منصور سے بہت محبت کرتا تھا، وہ بھی حاضرِ دربار
تھا، میں نے کہا، "خدا امیر کو سلامت رکھے" اشعار ذیل میں یہ شعر کس
طرح پڑھا جائے گا؟

"اے سائل! میں اسے اس شخص کے بارے میں بتا دوں
جو مقام صفا میں ہے اور صاحب حسب و نسب ہے۔
وہ قبیلۂ حمیر ہے، جس کی سرداری کا بڑے بڑے ذی شان
عربوں نے اعتراف کیا ہے، اور بلاشبہ ان میں کا بہتر، اور
شریف تر یقینی طور پر ابو کرب ہے"

مہدی نے مجھ سے کہا، یہ تم کس طرح پڑھ رہے ہو؟ میں نے
کہا، "تو پھر "خیرٌ ھم بتّۃً ابو کربٌ[1]" سہی، گویا، " انّ خیرھم بتّۃً ابو کربٌ"
سمجھیے، کسائی نے کہا، "خدا کی قسم اس نے اب یہ کہا ہے اور پہلے وہ
کہا تھا"

---

[1] ابو کرب الیمانی یکے از ملوک حمیر اس کا نام اسعد بن مالک الحمیری تھا!

ی مسکرایا، اس نے کہا، "کچھ سمجھتے بھی ہو؟ تم یزیدی کی تائید
د"

نے میں وہ اعرابی آ گیا، جسے مہدی نے بُلوایا تھا، تمام مسائل اس
نے رکھے گئے، اس نے جتنے جوابات دیے سب میری تائید میں
خوشی سے دیوانہ ہو گیا، جوشِ مسرت میں میں نے اپنی کلاہ زمین
دی۔ میں نے کہا، "میں ابو محمد ہوں" شیبہ نے کہا، "کیا امیر
پر اپنی کنیت رکھو گے؟" مہدی نے کہا، "یہ اس نے کسی بُری
ے نہیں کہا۔ ظفرمندی اور کامیابی کے وقت ایسا ہی ہو جاتا ہے
یہ ہر بھی کہ یہ جیت گیا" میں نے کہا، "خدائے بزرگ و برتر
کے دہنِ مبارک سے وہ الفاظ نکلوائے ہیں جن کے آپ اہل
دوسرے کے منہ سے وہ جن کا وہ مستحق ہے"!
ب ہم باہر نکلے تو مجھ سے شیبہ نے کہا، "کیا تم نے امیرالمومنین
منے مجھے برسرِ غلط نہیں ٹھہرایا؟ کیا تم مجھے جانتے نہیں؟" میں
"تم نے جو کچھ کہا میں نے سُن لیا مجھے امید ہے تمھیں اس کا
ے گا" صبح ہوتے ہوتے میں نے متعدد پرچیاں لکھیں، کوئی دیوان
ں تھا جس میں ایک آدھ پرچی میں نے شامل نہ کر دی ہو، جس
اشعار تھے جو میں نے اس کی شان میں کہے تھے، صبح کو لوگوں کی
پر میرے یہ اشعار تھے:۔

" زندگی سعی و کوشش کے ساتھ بسر کر، تجھے کوئی
احمق نقصان نہیں پہنچا سکتا، کامیاب زندگی وہی بسر کرتا
ہے جو سراپا عمل ہوتا ہے۔

توسعی وکوشش کے ساتھ زندگی بسر کر خواہ ہبنقۃ القیسی
(احمق) ہو، خواہ جہالت میں شیبہ بن ولید۔
ای شیبہ، او بکری کے بچے تو بنی قعقاع میں سے ہے، تجھ
میں بُردباری اور سلامت روی نہیں ہے۔
اور نہ تو کوئی تیرے اندر بھلائی کی خصلت ہے کہ تو نے
اسے بردباری اور سخاوت کے ذریعے سے محفوظ رکھا ہو۔
سوا اس کے کہ تو گا بجا اچھا لیتا ہے، دف اور عود بھی
خوب بجا لیتا ہے۔
تیرا تو کام یہی ہے۔ ایسے لوگوں کو زمانہ اٹھائے پھرتا ہے
خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں!"

---

(۸۴) یاد دہانی

ابو محمد الیزیدی کہتے ہیں کہ ہارون رشید نے مجھے انعام دیے جانے کا حکم دیا۔ وہ سن میں در ود فرما تھا۔ میں عاصم غسانی سے ملنے گیا، جو یحیی بن خالد کے پاس مقیم تھا۔ میں نے اس سے کہا، "امیرالمومنین نے مجھے رُپیہ دلوایا ہے وہ سن میں بہ نفس نفیس موجود ہیں جیسا کہ آپ کو علم ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ ابو علی یحیی بن خالد سے امیرالمومنین کے اس حکم کا ذکر کریں تاکہ وہ جلدی سے مجھے رُپے دے دیں۔ اس نے کہا، "اچھا"، دو روز کے بعد میں پھر اس کے پاس گیا، اس نے ذرا بے رُخی کے ساتھ کہا، "تمھارے کام کا مناسب موقعہ نہیں ملا"، میں نے کہا، "خدا آپ

کو بزرگی عطا کرے، ذرا موقع نکالیے نا" میں جب باہر نکلا تو ایک آدمی نے جو اس مجلس میں موجود تھا، مجھ سے کہا، "ابو محمد! یہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس کتّے کے پاس آتے ہو، اور اپنی حاجت طلب کرتے ہو" میں نے کہا، "کیوں کیا ہوا؟" اس نے کہا، "جب تم چلے گئے تو میں نے سُنا یہ کہہ رہا تھا اگر میرے ہاتھ میں دجلہ اور فرات ہوں تو بھی اسے ایک چلّو تک پانی نہ پلاؤں" پوچھا گیا، "خدا آپ کو سلامت رکھے یہ کیوں؟ وہ تو بہت معزز اور عالم ہے" کہا، "اس لیے کہ وہ قبیلۂ مضر سے ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی مضری کسی یمانی کو پسند کرتا ہو" میں نے یہ سُن کر طے کر لیا اب اس سے کوئی تقاضا نہ کروں گا۔

دوسرے دن میں پھر اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا، "خدا تمھیں بزرگی عطا کرے، کہو میرا کام کیا؟" اس نے کہا، "تم تو اس طرح باتیں کرتے ہو جیسے تمھارا کچھ قرض میرے اوپر آتا ہو" اب مجھے یقین ہو گیا اس کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا، سب صحیح تھا۔ میں نے کہا، "اللہ میاں میری یہ ضرورت تمھارے ہاتھوں پوری نہ کریں، میں اگرچہ تم سے بار بار کہوں لیکن زندگی بھر یہ کام تم سے انجام نہیں پائے گا۔ خدا کی قسم میں اب کبھی سلام میں پیش قدمی نہیں کروں گا، اور اگر تم نے سلام میں پہل کی، تو جواب بھی نہیں دوں گا" پھر میں نے اپنے کپڑے سنبھالے، اور چل دیا۔ میں چل رہا تھا اور سوچ رہا تھا یہ کام اب کیوں کر بنے گا؟ اتنے میں ایک سوار میرے پاس آیا۔ اس نے کہا، "مجھے آپ کے پاس ابو علی یحییٰ بن خالد نے بھیجا ہے، تاکہ میں آپ کو ان کے حضور میں پیش کروں اور وہ آپ سے مل لیں" میں قاصد کے ساتھ یحییٰ کے پاس پہنچا۔ قریب

پہنچ کر میں نے اسے سلام کیا، پھر میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا، "امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے ان کے بیٹے صالح کے لیے کسی اتالیق کی تلاش کے لیے کہوں۔ میں آپ کو ایک واقعہ سُناتا ہوں، یہ واقعہ مجھ سے میرے والد خالد بن برمک نے بیان کیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اپنے بیٹے کے لیے اتالیق کی جستجو کی۔ اس سے کہا گیا یہاں تو ایک عیسائی عالم ہے، دوسرا مسلمان ہے، لیکن اس کا علمی مرتبہ عیسائی سے فروتر ہے۔ حجاج نے کہا، "مسلمان کو میرے پاس لاؤ" جب وہ آیا تو اس نے کہا، "تمھیں نہیں معلوم، ہم سے کہا گیا ہے کہ نصرانی تم سے زیادہ قابل ہے، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میری اولاد کا اتالیق ایسا شخص ہو جو شریعتِ اسلامی اور معاملات دینی بھی انھیں نہ سمجھا سکے، تم میں اگر ذرا بھی عقل ہو تو تم میری اولاد کو ایک دن میں بمقابلۂ نصرانی کے ایک ہفتے کے برابر سکھا سکتے ہو، ایک ہفتے میں تم اتنا بتا سکتے ہو جتنا وہ ایک مہینے میں، ایک مہینے میں تم برق بنا دو گے جتنا وہ ایک سال میں" پھر مجھ سے یحییٰ نے کہا، "ابو محمد! مناسب یہی ہے کہ دین کو ہر چیز پر مرجح رکھو"۔ میں نے کہا، "میں آپ کا مطلب سمجھ گیا!" پھر میں نے حسن بن سور کی سفارش کی، اس نے انھیں رکھ لیا، پھر اس نے پوچھا، "کہاں سے آرہے ہو؟" میں نے اسے عاصم کا سارا واقعہ سُنایا، میں نے کہا، "یہ حالات پیدا ہوگئے اب میں حیران ہوں کہ کس طرح تقاضا کروں؟" وہ ہنسا، اس نے کہا، "تم جعفر برمکی (یعنی یحییٰ کا لڑکا) سے ملو، وہ امیر المومنین کو یاد دلا دے گا، یا مجھی سے یاد دہانی کر دے گا" پھر میں یحییٰ سے رخصت ہو کر چل کھڑا ہوا۔ میں نے جعفر کی مدح میں راستے ہی میں چند اشعار کہے۔

" اے سائل کیا میں جعفر کے کرم اور اس کے عادات و خصائل
بیان کروں؟
یحییٰ کا بیٹا جعفر ایسا شخص ہے جس کے گوشت پوست
میں سخاوت رچی ہوئی ہے۔
اس کے اوپر کوئی کام رُکا نہیں رہتا، جو بات وہ کہتا ہے
وہ بخشش ہی کی ہوتی ہے۔
جو اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اسے اس
کی خاکِ قدم پر بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔"

میں جعفر کے پاس پہنچا اور اسے سارا واقعہ سنایا، اپنے اشعار سنائے،
یہ بھی بتایا اس کے والد نے مجھے کیا ہدایت کی ہے۔ اس نے کہا، "تم دو
شعر ایسے کہو، جن میں اپنی حاجت کا ذکر ہو۔ جب تک میں غسل وغیرہ سے
فارغ ہوں، اس اثنا میں تم شعر لکھ لو، میں انھیں ساتھ لے جا کر دونوں
کو یاد دلا دوں گا" میں نے کہا، "میرے آقا بہت بہتر" میں نے لکھنا
شروع کیا۔

" جو اپنا وعدہ پورا کرتا ہے وہ مستحق ستائش ہے، وہ اللہ کی
مخلوق پر اس کا نائب ہے۔
وہ وارث نبیؐ ہے، اس کا حق کوئی نہیں مار سکتا۔
وہ اچھی باتوں میں اپنی اچھائیوں کی طرف منسوب ہوتا ہے
اور سچائیوں میں اپنی سچائی کی طرف۔
جس کی اطاعت فرض ہے، جس کی غلامی وحی سے
ثابت ہے

وہ بہت سی اُلجھنوں کو سُلجھاتا ہے، جن کے سُلجھانے پر لوگ قادر نہیں"

جعفر نے یہ اشعار لے لیے، رشید کے پاس گیا، اور اس سے یہ اشعار پڑھوائے۔ اس نے اسی وقت رُپے دینے کا فرمان لکھ دیا۔ ہیں نے اسی دن اس پر قبضہ کر لیا

---

(۸۵) حضرت عمرؓ کی رحم دلی!

عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ کلاب بن امیہ الاسکر[1] نے مدینے کی طرف ہجرت کی، یہ زمانہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی خلافت کا تھا۔ ایک عرصے تک وہ مدینۂ منورہ میں مقیم رہا۔ ایک روز طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام رحمہما اللہ سے ملاقات ہوئی، ان دونوں سے اس نے پوچھا:۔

"اسلام میں سب سے افضل کون کام ہے؟"

"جہاد"

کلاب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا، ان سے فوج میں بھرتی ہونے کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے ایک پلٹن میں داخل کر لیا۔

کلاب کا باپ ایک کہن سال مرد بیمار تھا، جب کلاب کو گئے ہوئے عرصہ ہو گیا، باپ تاب مفارقت نہ لا سکا، اس نے ایک طویل قصیدۂ فراقیہ لکھا

---

[1] امیہ بن الاسکر، شاعر، بہادر۔ مخضرم، جاہلیت اور اسلام، دونوں زمانے دیکھے تھے بہت پُرگو اور بلند پایہ شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔

قصیدے کے اشعار حضرت عمرؓ فاروق تک بھی پہنچ گئے، مگر انھوں نے کوئی خاص اثر نہیں لیا، نہ کلاب کو میدانِ جنگ سے واپس بلایا۔ ایک مدّت اور گزر گئی، امیہ شدّتِ غم اور وفورِ الم سے گویا دیوانہ ہوگیا، ایک روز وہ مسجدِ نبویؐ میں حاضر ہوا، حضرت عمرؓ وہیں تشریف رکھتے تھے، ان کے اردگرد مہاجرینِ کرام اور انصارِ عظّام مجتمع تھے۔ امیہ سامنے جاکر کھڑا ہوگیا، اور ایک دوسرا قصیدہ سُنایا جو سوز و حرمان کی بولتی ہوئی تصویر تھا، ایک ایک حرف سے، حسرت، تمنّا، بے چارگی اور مہر پدری کا اظہار ہو رہا تھا، الفاظ کی نشست، خیالات کی روانی، ترکیب کی چستی، اور جوش، اثر، درد اور رقّت کی ایسی کیفیتیں اس میں پنہاں تھیں کہ اور تو اور خود حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہوگیا، فوراً حکم بھیجا کلاب مدینے واپس بھیجا جائے۔

جب کلاب واپس آیا تو حضرت عمر کے حضور میں حاضر ہوا، آپ نے پوچھا:۔

"اپنے باپ کی تم بہت خدمت کرتے تھے؟"

"میں ان کے تمام کام انجام دیتا تھا، میں انھیں دُودھ دوھ کر پلاتا تھا، اس طرح کہ پہلے اُونٹنی کو خوب کھلا پلا لیتا تھا پھر اس کے تھن دھوتا تھا، پھر دُودھ دوھتا تھا، پھر اپنے باپ کو پلاتا تھا"

حضرت عمر نے اسی وقت آدمی بھیج کر امیہ کو بُلوایا۔ امیہ اس حالت میں لایا گیا کہ ضعف سے قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا، بصارت زائل ہو چکی تھی، گُھل کے کانٹا ہوگیا تھا، حضرت نے پوچھا:۔

"ابو کلاب کیسے ہو؟"

"جیسا امیرالمومنین دیکھ رہے ہیں"

"کوئی ضرورت ہو تو کہو"؟

"میری تمنّا ہے کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ کلاب کو دیکھ لوں، اس کی خوشبو سونگھ لوں، اسے اپنے سینے سے لگا لوں"

حضرت عمرؓ پر پھر گریہ طاری ہوا، انھوں نے امیہ سے ارشاد فرمایا۔

"جو کچھ تمھاری تمنّا ہے، خُدا نے چاہا ابھی پوری ہوگی"

پھر حضرت نے کلاب کو حکم دیا، کہ جس طرح وہ اپنے باپ کے لیے اونٹنی کا دُودھ دوہا کرتا تھا، دوھے، اور حضرت کے پاس بھیج دے۔ کلاب نے ایسا ہی کیا حضرت نے برتن اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور فرمایا، "یہ لو ابو کلاب!" امیہ نے برتن لے لیا، منہ کے پاس لے گیا، کہا، "امیرالمومنین خُدا کی قسم اس برتن سے مجھے کلاب کی خوشبو آ رہی ہے"

حضرت عمر یہ سُن کر رونے لگے، فرمایا، "ہاں! کلاب یہ تمھارے سامنے موجود ہے، تمھارے لیے ہم نے اسے واپس بُلا لیا" امیہ جلدی سے کلاب کے پاس پہنچا، اسے سینے سے لگایا، اور خوب پیار کیا۔ حضرت اور حاضرین کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ حضرت عمرؓ نے کلاب سے کہا، "اب تم اپنے والدین کا دامن نہ چھوڑنا، یہی تمھارا جہاد ہے"

پھر حضرت نے اس کے اور امیہ کے مصارف کے لیے بیت المال سے ایک رقم منظور کی، جب تک امیہ زندہ رہا، کلاب دل و جان سے اس کی چاکری کرتا رہا۔ ◦

---

(۸۶) حافظے کا کمال!

علی بن عباس نوبختی، بحتری[۱] سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے ابو تمام[۲] کو ابو سعید محمد بن یوسف کے ہاں دیکھا، میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا، وہی لے کر میں وہاں گیا تھا۔

امیر ابو سعید نے میرا قصیدہ سُنا، بہت خوش ہوئے، فرمایا "نوجوان شاعر تو نے خوب کہا، بہت خوب کہا" اسی مجلس میں ایک شریف و وجیہ شخص بھی بیٹھا تھا۔ حاضرینِ مجلس میں سب سے ممتاز، سب سے الگ گھٹنے پر گھٹنا رکھے متمکن تھا، وہ میری طرف مخاطب ہوا، اور کہا۔

"میاں صاحب زادے تمھیں شرم نہ آئی، میرے شعر اپنے بنا کر سُنا رہے ہو؟"

ابو سعید نے اس سے پوچھا، "سچ؟ یہ اشعار تمھارے ہیں؟"

"میں سچ کہتا ہوں، یہاں آنے سے پہلے اس چھوکرے نے یہ شعر مجھ سے سُنے اور اب اپنا لیے"

---

[۱] البحتری ۔ ولید بن عبید اللہ بن بحتری، کنیت ابو عبادہ، شاعر فاضل، فصیح اللسان زود گو، خیال و بیان پُر کیف۔ اشعار کی شہرت دُور دُور پھیلی ہوئی، اربابِ ذوق و نظر اسے خاتم الشعرا کہتے ہیں، ہجو کے میدان میں سُست گام تھا، دوسرے اصنافِ شعر کا امام ہر وقت میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتا تھا، سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ اوّل درجے کا بخیل تھا۔

[۲] ابو تمام ۔ حبیب بن اوس، الطائی، شاعرِ بے بدل، ہر حلقے میں کلام مقبول، سہلِ ممتنع اس کا امتیازِ خصوصی، دقیق معنی اس کا جوہر، اپنے رنگ کا یکتا اور اپنے طرز کا موجد گزرا ہے۔

یہ کہ کر اس شخص نے میرا وہ سارا قصیدہ فر فر سُنا دیا، جو ابھی ابھی میں سُنا چکا تھا۔ قصیدہ اس روانی سے اس نے سُنایا کہ میں خود شک اور تذبذب میں پڑ گیا کہ یہ شعر کس کے تھے جو میں نے سُنائے؟ اس کے یا میرے؟ میں حیران و پریشان اس کا منہ دیکھ رہا تھا اور شعر سُن رہا تھا۔

پھر ابو سعید میری جانب مخاطب ہوا، کہا، "اے نوجوان تجھے یہ زیبا نہ تھا، تجھے ہمارا شرفِ تقرب حاصل ہے، تیرے لیے ہمارے دل میں محبت ہے، تجھے ایسی فریب کاری سے بے نیاز رہنا تھا۔ میں نے بڑی سخت قسمیں کھائیں، اور یقین دلایا کہ یہ شعر میرے ہی ہیں، میں نے ہی کہے ہیں، میری ہی طبع رسا کا نتیجہ ہیں۔ نہ میں نے انھیں کسی سے سُنا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے کہے، نہ میں نے کہیں سے نقل کیے، لیکن میری ان باتوں پر کسی نے بھی کان نہ دھرا، سب مجھے جھوٹا سمجھتے رہے میں اتنا شرمندہ ہوا جی چاہتا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

اب وہاں بیٹھنا لاحاصل تھا۔ میں سر جھکائے ہوئے اٹھا، پانو رکھتا کہیں تھا پڑتا کہیں تھا ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ مجھے واپس طلب کیا گیا۔

وہی آدمی پھر میری طرف مخاطب ہوا، کہنے لگا، "بیٹے وہ اشعار تمھارے ہی تھے۔ خُدا کی قسم وہ میرے کہے ہوئے شعر نہیں ہیں نہ میں نے تمھارے علاوہ کسی اور سے سنے، میں نے تمھیں ذرا سبق دینا چاہا تھا، تم نے میری توہین کی تھی، تم نے میرے سامنے لب کشائی کی جرأت کی"۔ ابو سعید نے جب یہ سُنا تو خوش ہوا اور ہنسنے لگا۔

پھر ابو تمام نے مجھے بلایا، گلے سے لگایا۔ معانقہ کیا، اس کے بعد میں ابو تمام کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ اس سے بہت کچھ سیکھا، اور اسی کی پیروی کو اپنا شعار بنا لیا۔

---

(۸۷) مامون کا سمجھدار محاسب!

ابراہیم بن رباح راوی ہیں کہ میں خلیفہ مامون الرشید کے ذاتی حساب کتاب کا کام کرتا تھا۔ ابراہیم بن اسحٰق موصلی نے ایک روز اس کے سامنے عُریب[1] کا ذکر کیا۔ خلیفہ نے فوراً اس کی خریداری کا حکم دے دیا ایک لاکھ درہم میں وہ خرید لی گئی۔ مامون نے مجھے حکم دیا کہ عُریب، اور اس کے ساتھ ایک لاکھ درہم اسحٰق موصلی کو دے آؤں میں نے ایسا ہی کیا، اب میں اس سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ یہ رقم حساب میں کس طرح دکھاؤں ؟ کیا درج کروں ؟

میں نے رجسٹر میں لکھ دیا کہ ایک لاکھ درہم کے جواہرات خریدے گئے، اور ایک لاکھ درہم دلّالوں اور صاف کرنے والوں کو دیے گئے۔

فضل بن مروان نے یہ حساب دیکھ کر اس کی تصدیق۔ مامون سے چاہی اس نے انکار کیا، پھر فضل نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا، "بات وہی ہے جو تم رجسٹر میں دیکھ رہے ہو" مامون نے کہا، "جواہرات کی صفائی اور دلّالوں کا کمیشن ایک لاکھ درہم ؟" پھر اس نے مجھے قریب بلایا، میں نے چپکے سے کہا" یہ وہ رقم ہے جو عُریب کے خریدنے

---

[1] مشہور مغنیہ، شاعرہ بھی تھی، اس کے اشعار ایک خاص پایہ رکھتے تھے۔

اور اسحٰق کو عطیہ دینے میں صرف ہوئی ہر، آپ ہی ارشاد فرمائیے امیرالمومنین یہ بہتر تھا کہ ساری تفصیل لکھی جاتی یا یہ مناسب تھا کہ اس طرح بات بنا دی جاتی؟ یہ لکھنا کہ ایک مغنّیہ ایک لاکھ درہم میں خریدی گئی، اور ایک گویّے کو ایک لاکھ درہم انعام کی مد میں دیے گئے" مجھے اچّھا نہیں معلوم ہُوا۔

مامون یہ سُن کر ہنسا، کہا، "تم نے ٹھیک کیا؟" پھر فضل بن مروان سے کہا، "ای نبطی! میرے اس خزانچی سے کبھی مت اُلجھنا!"

---

(۸۸) حُسنِ طلب!

حرمی زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے چچا نے فرمایا، ایک بار خلیفہ منصور نے جب وہ حج کے عزم سے روانہ ہو رہا تھا، حکم دیا ایک ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو مدینۂ منورہ، وہاں کے رہنے والوں، وہاں کے گلی کوچوں سے خوب واقف ہو۔ مدینے کا ایک انصاری عرصۂ دراز سے ربیع کے پاس ٹِکا ہُوا تھا، اس سے ربیع نے کہا، "تیار ہو جاؤ، امیرالمومنین کو ایک تمھارے ہی ایسے آدمی کی ضرورت ہر، میں تمھیں ان کے ساتھ کیے دیتا ہوں لیکن دیکھو اس کا خیال رکھنا کہ اپنی طرف سے کچھ نہ بولنا۔ جو وہ کہیں سُننا، جو پوچھیں بتانا۔ کوئی بات نہ چھپانا ان پر وقت بے وقت اپنی ضرورتوں کا اظہار بھی نہ کرتے رہنا۔ صبح ہوئی منصور نے فجر کی نماز پڑھی، اور ربیع سے پوچھا، "کہو آدمی لائے؟" اس نے کہا، "جی ہاں یہ موجود ہر!" منصور اس انصاری کو لے کر

روانہ ہوگیا۔ وہ جو کچھ پوچھتا تھا، انصاری اس کا جواب دیتا جاتا تھا، یہاں تک کہ قافلہ مدینے کے قریب پہنچ گیا، شہرِ رسولؐ کے در و دیوار نظر آنے لگے، منصور نے انصاری سے پوچھا:۔

"تم کون ہو؟"

"مجھے آپ نہ پہچان سکیں گے"

"تمھارے اہل و عیال ہیں؟"

"نہ میں نے اب تک شادی کی، نہ میرا کوئی خادم ہے"

"تمھارا گھر کہاں ہے؟"

"ہے ہی نہیں"

"امیرالمومنین نے تمھارے لیے چار لاکھ درہموں کا حکم دیا ہے"

یہ سنتے ہی انصاری خوشی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگیا، فوراً اس نے جھک کر پاؤں چوم لیے۔

جب وہ چلنے لگا، تو ربیع سے کہا، "ابوالفضل میرے لیے امیرالمومنین نے کچھ حکم دیا ہے؟"

"کیا"

"جو کچھ حکم دیا ہو اس کو جلد پورا کر دینا"

"مجھے تو کوئی حکم نہیں ملا"

بے چارہ انصاری نوجوان خاموش ہو رہا، کچھ دنوں کے بعد منصور نے ربیع سے پوچھا:۔

"کہو اس نوجوان انصاری کا کیا حال ہے؟"

"حاضر ہے"

"اس سے کہو کل پھر ہمیں سیر کرائے"

ربیع نے نوجوان سے کہا، خلیفہ کل یہاں سے کوچ کر جائے گا، کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے کچھ وصول کر لو، ورنہ اگر وہ چلا گیا تو یوں ہی ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ نوجوان انصاری خلیفہ کے ساتھ چل پڑا، راستے بھر سوچتا رہا کس طرح حرفِ مطلب زبان پر لائے، یہاں تک کہ سیر ختم ہونے کو آئی، خلیفہ نے اپنی قیام گاہ کا رُخ کیا۔ جب انصاری نے یہ دیکھا کہ خلیفہ نکلا جاتا ہے تو اس نے عرض کیا

"امیرالمومنین یہ عاتکہ کا گھر ہے"

"عاتکہ کون؟"

"جس کی تعریف میں احوص نے قصیدہ کہا ہے"

"تو؟"

"سنیئے تو، کہتا ہے:-

"جس آدمی کو تیرا وسیلہ حاصل ہے وہ سوا نفع کے کس چیز کی توقع کر سکتا ہے؟

میں تو یہ دیکھتا ہوں تو جو کچھ کہتا ہے کرتا بھی ہے، حالانکہ بہت سے لوگ کہتے تو بہت کچھ ہیں، کرتے خاک نہیں"

منصور ہنسا، کہا، "خدا تجھے غارت کرے، کم بخت کیسی پتے کی بات کہہ گیا۔۔۔۔۔۔ ربیع اسے ایک ہزار درہم دے دو"

انصاری نے کہا، "امیرالمومنین آپ نے تو چار لاکھ فرمائے تھے"

منصور نے کہا، "وہ ایک ہزار جو مل جائیں، ان چار لاکھ سے جو نہ ملیں بہتر ہیں"

(۸۹) رقابت!

حمّاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ابی سلمہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس حاضر ہوا، اور کہنے لگا، "امیرالمومنین، میری تمنّا ہے میری اس طرح عزّت افزائی کی جائے کہ میرا اور اسحٰق موصلی کا درجہ ایک کردیا جائے۔ میں اور وہ ایک ہی ساتھ آپ کے حضور میں حاضر ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میری یہ گزارش قبول فرمالیں۔" ہارون نے کہا، "کیا مضائقہ ہے؟"

اسحٰق کہتے ہیں، جب دربار میں میری حاضری کا دن آیا، تو ابراہیم میرے گھر پر آیا، دروازہ کھٹکھٹایا، میرے خادم نے مجھے اطلاع دی، کہ ابراہیم آیا ہے۔ میں نے کہا، بُلا لاؤ، لیکن اس نے اندر آنے سے انکار کردیا۔ آدمی سے کہا، "اسحٰق سے کہ دو، تم باہر نکلو" مجھے اس کی یہ بات بُری معلوم ہوئی، پھر بھی میں باہر آیا، میں نے پوچھا، "کیا ہے، کیوں گرج رہے ہو؟" اس نے کہا، "امیرالمومنین نے تمھیں یاد فرمایا ہے، اور حکم دیا ہے کبھی گھر میں بغیر میرے داخل نہ ہونا، نہ کہیں اور بغیر میرے جانا، چلو، اٹھو، سوار ہو" مجھے اس کی یہ باتیں بُری تو بہت معلوم ہوئیں لیکن حکمِ حاکم، گیا اس کے ساتھ، دن بھر اپنی اس توہین پر افسردہ اور مضمحل رہا۔

پھر میں فضل بن ربیع کے پاس گیا، ان سے شکایت کی انھوں نے کہا، "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ امیرالمومنین تمھارا درجہ اتنا پست

کر دیں۔ چلو میرے ساتھ" میں فضل کے ساتھ خلیفہ کے ہاں پہنچا، خلیفہ سے فضل نے کہا، "یا امیرالمومنین، اسحٰق، اس کی خدمتیں، اس کے باپ کے حضور پر حقوق، حضور ہی پر نہیں امیرالمومنین مہدی پر بھی' —— ان سب کا تقاضا یہ تو نہیں تھا کہ اس کی ابراہیم بن ابی سلمہ کے مقابلے میں توہین کی جائے ؟" خلیفہ نے کہا، "خُدا کی قسم میں نے تو ایسا نہیں کیا" فضل نے کہا، "اسحٰق میرے پاس گریہ کناں آیا، اور یہ ساری داستان سُنائی، اس نے تو قسم کھالی ہے' چاہے اسے قتل کر دیا جائے لیکن وہ یہ سلوک برداشت نہیں کر سکتا"

ہارون نے کہا،" نہیں بھائی، میرا یہ ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ بات یہ ہوئی ابراہیم بن ابی سلمہ میرے پاس آیا، اور اس نے مجھ سے یہ یہ باتیں کیں' میں نے کہا' یہی سہی" لیکن میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اسحٰق کی توہین کی جائے، یا اس پر اس طرح کی پابندیاں عائد کی جائیں، یا اسے ناجائز طور پر مجبور کیا جائے، تم اسحٰق سے کہہ دو' وہ جب چاہے میرے پاس آئے۔ تنہا آئے، ابراہیم کے ساتھ کبھی نہ آئے" فضل نے اس گفتگو سے مجھے اطلاع دی۔ میں خوش خوش واپس آگیا۔

اب کے پھر جب دربار میں جانے کی میری باری آئی' ابراہیم آیا، اور وہی پہلی باتیں اس نے پھر کیں۔ میں نے آدمی سے کہا، "کہہ دے اے خبیث ابنِ خبیث۔ نہ میں تیرے ساتھ جاؤں گا، نہ تو میرے ساتھ جا سکتا ہے" میں نے جی بھر کے صلواتیں سُنائیں۔ خادم باہر آیا، اس نے میرا پیام ابراہیم کو سُنا دیا، وہ سمجھ گیا میں ایسی باتیں بغیر کسی سہارے کے نہیں کہہ سکتا تھا، میں نے خلیفہ سے استصواب کر لیا ہے۔ وہ نادم ہوا،

خادم سے اس نے کہا، "کہہ دینا، آپ اتنے برہم کیوں ہو گئے؟ میرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ساتھ ساتھ لطف سے راستہ کٹے گا، اگر انھیں یہ پسند نہیں، نہ سہی۔" یہ کہا۔ اور چلا گیا۔ پھر کبھی اس نے میرا پیچھا نہیں کیا۔

---

(۹۰) دراندازی!

حمّاد، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مامون نے بغداد میں آنے کے بعد بیس مہینے تک غنا و موسیقی سے کنارہ کشی رکھی۔ ایک دن بھی گانا نہیں سُنا، سب سے پہلے جس شخص نے اس کے سامنے گانے کی ہمّت کی وہ عیسیٰ بن رشید تھا۔ شروع شروع میں مامون نے یہ وطیرہ رکھا کہ خفیہ طور پر جب جی چاہتا عیسیٰ کا گانا سُن لیا کرتا، اسی طرح چار سال کی مدّت گزر گئی۔

اب وہ گانے کی طرف زیادہ مائل ہوا، گویّوں سے کھلے بندوں سُننے لگا۔ جب اس کا جی چاہتا، مجھے پوچھتا، میں اس کے حضور میں حاضر ہوتا، اور اس کے مرغوب گانے اسے سُناتا۔

ایک روز ایک درانداز نے کہا، "امیرالمومنین ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو خلافت تک سے گھمنڈ کرتا اور نخرے دکھاتا ہے؟" مامون نے کہا ——— وہ سمجھ گیا اشارہ میری طرف ہے ——— "اچھا یہ بات ہے؟ وہ شاید اس لیے حد سے تجاوز کر رہا ہے کہ میں اس کی قدر افزائی کرنے لگا ہوں۔"

اب مامون نے میرا ذکر چھوڑ دیا، مجھے بُلاتا بھی نہیں تھا۔ اس کی

داد و دہش کے دروازے میرے لیے بند ہو گئے۔ ظاہر ہے اس سے مجھے غیر معمولی نقصان پہنچا۔

ایک روز میرے پاس علویہ آیا، کہنے لگا، "مجھے اجازت دیتے ہو کہ امیر المومنین سے تمہارا ذکر کروں؟ آج ہم لوگ وہاں بلائے گئے ہیں" میں نے کہا، "یوں ٹھیک نہیں، یہ کرو، جو اشعار میں تمھیں سناتا ہوں وہ اسے سناؤ، پوچھے گا، کس کے ہیں؟" بس راستہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی مرحلے سے اپنی مہم کا آغاز کر دینا" اس نے کہا، "اچھا سناؤ" میں نے اپنے مخصوص راگ کے ساتھ اپنے چند شعر سنائے۔

علویہ مامون کی مجلس میں گیا، وہاں پہنچ کر اس نے گانا شروع کیا۔ وہی اشعار گائے جو اسحٰق نے اسے تلقین کیے تھے۔ ابھی پورے شعر ہوئے بھی نہیں تھے کہ مامون نے پوچھا "علویہ! یہ کس کے شعر ہیں؟"

"یا سیدی، آپ کے ایک بندۂ درگاہ کے، جو نہ جانے کس جرم کے نشانۂ جور بنا۔ جو بغیر کسی خطا کے مردودِ بارگاہ قرار دیا گیا۔"

"تم اسحٰق کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

"جی ہاں، امیر المومنین"

مامون نے فوراً اسحٰق موصلی کو طلب کیا۔ اسحٰق کا بیان ہے، میں عند الطلب فوراً حاضرِ دربار ہوا۔

خلیفہ نے مجھ سے کہا، "قریب آؤ" میں قریب پہنچا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے، میں قدموں پر گر پڑا۔ اس نے مجھے اٹھایا، سینے سے لگایا۔ میری عزت و توقیر بڑھائی، اس کا پچھلا اُنس و سلوک پھر تازہ ہو گیا، وہ مجھ سے پھر اس طرح گھل مل گیا کہ کبھی دو جگری دوست اس

طرح گھل مل کر ملیں اور بیٹھیں گے"!

(۹۱) "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!"

ابن کلبی کی روایت ہے، ہوازن کے دو آدمی پڑوس میں رہتے تھے، جن کے نام عمرو، اور ابن عامر تھے۔ یہ لوگ بنی مرہ بن عوف بن ذبیان میں سے تھے، انھوں نے اپنے قبیلے میں خون ریزی کی تھی۔ قیس بن عاصم المنقری[۱] نے بنی مرہ بن عوف بن ذبیان پر ڈاکہ ڈالا۔ بنی مرہ کے جن آدمیوں کو اس نے قید کیا، ان میں عامر بھی تھا۔ قیس بن عاصم کے پاس بنی مرہ کے جتنے لوگ قید تھے وہ سب فدیہ دینے کے بعد رہا کر دیے گئے۔ عامر بھی چھڑا لیا گیا لیکن ہوازنی رہ گیا، اس کے بھائی نے بنی مرہ کے بڑے لوگوں کے سامنے فریاد کی مگر کسی نے بھی نہ سُنی۔ پھر عکاظ[۵۲] کے میلے کا وقت آیا۔ ایک روز وہ منازل مذحج کے پاس پہنچا، اس نے برجستہ فریاد منظوم کا سلسلہ شروع کیا:-

---

[۱] قیس بن عاصم بن سنان .... بن منقر، شاعر بہادر، دلیر، بڑے بڑے دعاوے بولنے والا اور چڑھائیاں کرنے والا، ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانے دیکھے۔

[۵۲] زمانۂ جاہلیت سے دستور چلا آ رہا تھا کہ "سوقِ عکاظ" کے نام سے ایک بڑا میلہ لگتا تھا، جس میں مرد اور عورت جمع ہوتے تھے، دادِ عیش و طرب دیتے تھے، زندگی کے مسائل حل کرتے تھے، قضایا کا فیصلہ کرتے تھے، لڑتے اور دوست بنتے تھے، خطیب اپنی آتش نوائی کا، شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کا پہلوان اپنے زورِ بازو کا مظاہرہ کرتے تھے، عوام "معمول" کی طرح خطیب اور شاعر کے اشاروں پر چلتے تھے

" میں نے سنان، ابنِ عوف اور حارث سے فریاد کی، میں نے
حصین اور ہاشم تک اپنی التجا پہنچائی، لیکن وہ گونگے بنے بیٹھے
رہے۔ زمانے کی مصیبتیں بہت ہیں، بھائیوں میں کوئی نہیں
جو انھیں بانٹ لے، آہ! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ہر کوئی جو اس
وقت ان کے حالِ زار پر توجّہ کرے ہے کوئی جو غلاموں کو آزاد کرائے؟"

اس نے سُنا وادی سے ایک آواز آرہی ہے:۔

" اے شخص! جس کی فریاد صدا بصحرا ثابت ہوئی، تجھے چاہیے
کہ اس قبیلے کے پاس پہنچے، جو مصیبت کی گرہیں کھول دیتا ہے
تو مذحج کے اس قبیلے کے پاس جا، جو خوشی اور غضب ہر
حالت میں مہربان رہتا ہے، تو یزید بن عبدالمدان سے فریاد
کر، قیس سے فریاد کر، عمرو بن معدی کرب سے فریاد کر، یہ لوگ
اپنے مال و دولت کے لوٹنے پر تیرے بھائی کو چھڑائیں گے،
ان کا سا تو سارے عرب میں مشکل سے کوئی اور پائے گا۔"

وہ آواز پر چلا، لیکن وادی میں اسے کوئی بھی نظر نہ آیا، وہ مکشوح
(قیس بن عبد) کے پاس پہنچا کہ شاید وہ اس کی مراد کو پہنچے۔ اس نے قیس
سے کہا، "میرا بھائی قیس بن عاصم کے پنجے میں گرفتار ہے، میں نے سنان
بن ابی حارثہ بن عوف حارث بن ظالم، ہاشم بن حرملہ سے فریاد کی، مگر
میں داد کو نہ پہنچا۔ پھر عکاظ کے میلے میں، میں پہنچا کہ شاید وہاں کوئی ایسا
مرد مل جائے جو میرے بھائی کو چھڑا دے، میں منازل مذحج کے پاس
پہنچا، وہاں میں نے فریادِ منظوم کا سلسلہ شروع کیا، وادی سے ایک آواز
آئی، اس نے مجھے اس اس طرح ہدایت کی، اب میں آپ کے پاس آیا ہوں

اور درخواست کرتا ہوں میرے بھائی کو چھوڑ دیجیے۔

مکشوح نے اس سے کہا، "خدا کی قسم قیس بن عاصم ایسا آدمی ہے جس سے میں نے کبھی کوئی بھلائی سرزد ہوتے دیکھی ہی نہیں۔ نہ وہ میرا پڑوسی ہے لیکن میں اس پر تیار ہوں کہ تمھارے بھائی کو اس سے خرید لوں، وہ کتنی ہی گراں قیمت پر بیچے اس کی پروا نہیں۔

پھر وہ عمرو بن معدی کرب کے پاس گیا۔ عمرو نے پوچھا، "تم مجھ سے پہلے بھی کسی کے پاس گئے تھے؟"۔ اس نے کہا، "ہاں قیس بن مکشوح کے پاس گیا تھا"۔ اس نے کہا، "پھر میرے پاس کیوں آئے؟ اسی کے پاس جاؤ"!

عمرو سے رخصت ہو کر وہ یزید بن عبد المدان کے پاس آیا، اور گویا ہوا، "اے ابا النضر! مجھ پر یہ یہ گزری" اس نے کہا، "آؤ آؤ خوش آمدید میں ابھی قیس بن عاصم کے پاس پیام بھیجتا ہوں اگر اس نے تمھارا بھائی مجھے عطا کر دیا، میں اس کا شکریہ ادا کروں گا، ورنہ میں اس پر حملہ آور ہوں گا، یہاں تک کہ تمھارا بھائی چھوٹ جائے۔ یہ بھی نہ ہوا تو نجران میں بنی تمیم کے جتنے قیدی ہیں وہ سب تمھیں دے دوں گا، تم انھیں فروخت کر کے اپنے بھائی کو چھڑا لینا۔ اس نے کہا، "ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے"!

یزید نے قیس کو حسب ذیل پیام بھیجا:-

"اے قیس قبیلۂ بنی جشم کے اسیر کو یہاں بھیج دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو، تو میرے غصے سے محفوظ نہیں رہے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اسیر سے حسنِ سلوک کر اور اسے واپس کر دے۔"

یہ پیام لے کر ایک قاصد، قیس بن عاصم کے پاس پہنچا۔ اس نے

پیام سُنایا، اور کہا، "ابوعلی! یزید بن عبدالمدان نے آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے اس جشمی کو رہا کر دیجیے، اس کے بھائی نے اشراف بنی جشم سے فریاد کی عمرو بن معدی کرب کے سامنے گڑگڑایا، مکشوح بن مراد سے التجا کی، لیکن اپنی مراد کو نہیں پہنچا، پھر اس نے میرا دامن پکڑا، تم اگر درخواست بھیجتے کہ مضر کے تمام قیدیوں کو رہا کر دو تو میں ضرور ایسا کرتا۔"

قیس نے حاضرینِ مجلس سے جو بنی تمیم کے افراد تھے، کہا، "یہ یزید بن عبدالمدان کا قاصد ہے یزید مذحج کا سردار ہے، اس کا کہنا مانتے ہو تو بولو یہی موقعہ ہے۔ خوب سوچ لو" لوگوں نے کہا، "مناسب تو یہ ہے کہ دام خوب بڑھا دیے جائیں، بہت بڑی رقم لے کر قیدی کو چھوڑا جائے"

قیس نے کہا، "تمھاری یہ رائے بالکل مہمل ہے، کیا تم جنگ سے خوف زدہ نہیں ہو؟ یہ نہیں جانتے لڑائی کا پانسہ ہمیشہ موافق نہیں آتا؟" لوگوں پر قیس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ اپنی بات پر اڑے رہے، قیس نے کہا، "اچھا اس قیدی کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، اور جو دام چاہو لگالو"

قیدی بنی سعد کے ایک آدمی کے پاس قید تھا۔ قیس نے یزید کو سارا ماجرا لکھ دیا، اور یہ بھی بتا دیا کہ قیدی اگر اس کے قبضے میں ہوتا یا بنی منقر کے ہاتھ میں ہوتا تو فوراً بھیج دیا جاتا، لیکن وہ بنی سعد کے ایک آدمی کے پاس ہے اور وہ راضی نہیں ہوتا۔

یزید نے بنی سعد کے اس آدمی کے پاس پیام بھیجا، "یہاں قیدی کو لے کر تشریف لے آئیے، جو دام آپ مانگیں گے دے دیے جائیں گے" سعدی یزید بن عبدالمدان کے پاس آیا، یزید نے کہا، "فرمائیے کیا نذر کروں؟" اس نے کہا، "سَو اونٹ"!

یزید نے کہا، "تم پست ہمت ہو، خُدا کی قسم ای برادر! میں تو سمجھتا تھا ہمارے مال و دولت میں سے تم کوئی بہت بڑی چیز مانگو گے، لیکن ای تیمی، تو، تو بہت ہی دون ہمت نکلا"

یہ کہہ کر اس نے سنّو اونٹ دے دیے، قیدی اور اس کا بھائی، دونوں اس کے پاس رہنے لگے، زندگی بھر وہیں نجران میں مزے کرتے رہے!

---

(۹۲) کنجوس!

خلیفہ مہدی، مروان[1]، اور سلم[2] الخاسر پر بہت داد و دہش کرتا رہتا تھا جو کچھ دیتا تھا دونوں کو برابر، سلم تو درِ خلافت پر ٹھاٹھ سے آتا تھا، جسم پر لباس فاخرہ، گھوڑے کی قیمت دس ہزار درہم ہوگی، بدن پر بڑے قیمتی ریشمی کپڑے، بہترین مشک اور عنبر کی خوشبو سے معطر!

---

[1] مروان بن سلیمان، بن یحیٰی بن ابی حصفہ، کنیت ابوالسمط بہت بہتر شاعر تھا۔ معن بن زائد کی مدح میں بڑے پُر زور قصیدے اس نے کہے ہیں، خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید کی مدح میں بھی اس نے خوب خوب کہا ہے۔

[2] سلم بن عمرو، بصری دولتِ عباسیہ کے نامور اور ماہرِ فن شعرا میں سے تھا، اسے "خاسر" اس لیے کہنے لگے کہ اسے باپ سے وراثت میں ایک مصحف ملا تھا، اسے اس نے فروخت کر دیا، قیمت جو ملی اس سے ایک طنبور خرید لیا۔ ایک روایت یہ بھی کہ باپ کافی دولت چھوڑ کر مرا تھا، ساری دولت پسرِ سعادت مند نے ادب و شعر پر صرف کر دی۔ لوگوں نے اس پر "خاسر" کہنا شروع کیا، یہی لقب پڑ گیا، ابراہیم موصلی اور ابوالعتاہیہ سے اس کی بڑی دوستی تھی۔

اب مروان کی سُنیے، اس دھج سے تشریف لاتے تھے کہ بدن پر موٹے جھوٹے اُون کا ایک لبادہ پڑا ہوُا، معمولی سوت کی قمیص، عمامہ بھی معمولی، دستانے اور موزے بھی گھٹیا قسم کے، خوشبو کا کہیں آس پاس پتا نہیں۔ مروان روز گوشت نہیں کھاتا تھا، کبھی کبھار جب بہت جی چاہا کھالیا۔ جب گوشت کھانے والا ہوتا، غلام سے کہتا، "جاؤ ایک کلّہ لے آؤ" وہی پکواتا اور کھالیتا۔

لوگوں نے اس سے کہا، "یہ کیا بات ہے، ہم جب تمھیں دیکھتے ہیں، چاہے جاڑے کا موسم ہو یا گرمی کا، اس کے علاوہ تمھیں اور گوشت ملتا ہی نہیں؟"

اس نے کہا، "میں کلّہ اس لیے منگاتا ہوں کہ غلام اس میں چوری نہیں کرسکتا، نہ چُرا کے کھا سکتا ہے۔ کلّے کی معیّن چیزیں ہوتی ہیں، جن میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، مثلاً اگر زبان غائب ہو، یا کان چٹ کرجائے یا آنکھیں نگل لے، یا اور کوئی عضو اُڑا دے تو فوراً معلوم ہوجائے گا، فلاں چیز کم ہے، یہ بات ہے جو میں کلّہ ہی منگواتا ہوں!

---

(۹۳) گویّا شہزادہ

عبداللہ بن عباس ربیعی کہتے ہیں، ہم ایک روز ابراہیم بن مہدی کے پاس موجود تھے اس روز اس نے تمام اچھے اچھے گانے والوں کو بلایا وہ خود بیٹھا ہوُا ایک آدمی سے شطرنج کھیل رہا تھا، اس نے بڑے اچھے لہجے میں گانا شروع کیا۔

قال لی احمد ولم یدر مابی

وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، جب گا چکا تو مخارق نے بھی گانا شروع کیا، وہ بہت ہی اچھا گایا۔ ہم سب بہت لطف اندوز ہوئے، ابراہیم سے بھی وہ بڑھ گیا۔ اب پھر ابراہیم نے تان لگائی، اور کچھ ایسے ڈھنگ سے گایا کہ مخارق سے بھی اچھا رہا، جب وہ فارغ ہوا تو مخارق پھر گانے لگا، خوب گایا، کوئی تال سُر ایسا نہیں تھا جسے اس نے چھوڑا ہو۔ پھر ابراہیم نے اسی کو گانا شروع کیا، اس طرح کہ مخارق سے بھی بڑھ گیا۔

میں نے دیکھا مسرت سے اس کے دونوں مونڈھے ہل رہے تھے بلکہ سارا جسم متحرک تھا، یہاں تک کہ وہ گا چکا۔ مخارق اسے سکتے کے عالم میں دیکھتا رہا، اس کا رنگ اُڑ گیا، اُنگلیاں لرز رہی تھیں۔ مجھے خیال ہوا، دربار کا دربار چکر کھا رہا ہے، جب ابراہیم گانے سے فارغ ہوا، تو مخارق کے آگے بڑھا اس کے ہاتھ چومے، اور کہا، "خدا مجھے آپ پر قربان کرے، بھلا میں آپ سے کہاں بازی لے جا سکتا ہوں" پھر دن بھر مخارق کچھ نہیں گایا، خدا کی قسم وہ گویا کچھ کھویا کھویا سا تھا!

---

(۹۴) شاعر میدانِ جنگ میں!

ابو دلامہ[۱] کہتے ہیں کہ ایک بار میں خلیفہ منصور یا خلیفہ مہدی کے حضور

---

[۱] ابو دلامہ۔ زند بن الجون، کنیت ابو دلامہ، مشہور شاعر، ابو دلامہ کہتے ہیں ایک پہاڑی کا نام بھی ہے، جہاں عہدِ جاہلیت میں عرب اپنی (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸۰ پر)

اس طرح پہنچا کہ نشے سے بدمست ہو رہا تھا، خلیفہ نے قسم کھائی کہ کسی جنگ میں بھیج کر مجھے سزا دیں گے، روح بن حاتم المہلبی مجھے خوارج سے مقابلے کے لیے میدانِ جنگ میں لے گیا!

جب دونوں صفیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں، میں نے روح سے کہا، "اگر مجھے آپ کا گھوڑا مل جائے، آپ کے اسلحہ میرے قبضے میں ہوں، تو میں آپ کے دشمن کا اس طرح مقابلہ کروں کہ آپ خوش ہو جائیں" وہ ہنسا، کہنے لگا، "خدا کی قسم یہ دونوں چیزیں میں ابھی تمھیں دیتا ہوں، اور پھر دیکھتا ہوں تم کس طرح اپنی شرط پوری کرتے ہو؟" یہ کہ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا، لگام میری طرف بڑھا دی، جو اسلحہ زیبِ تن کیے ہوئے تھا وہ بھی اُتار دیے، اور مجھے سونپ دیے۔ اپنے لیے اس نے دوسرا گھوڑا منگایا، اور دوسرے اسلحہ زیب بر کر لیے۔ جب مطلوبہ چیزیں مجھے مل گئیں، میری طمع زائل ہو گئی، آنکھیں کھل گئیں، رزمگاہ کا ہولناک منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ میں نے کہا، "اے امیر! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں، میں نے دو شعر کہے ہیں انھیں سُن لیجیے۔ اس نے کہا، "سُناؤ" میں نے سُنائے، اس نے کہا، "چھوڑو ان باتوں کو" اتنے

(صفحہ ۲۸۹ کا بقیہ نوٹ) لڑکیوں کو زندہ دفن کیا کرتے تھے۔ عہدِ بنو امیہ کا آخری زمانہ اس نے دیکھا تھا لیکن فروغ نہ حاصل کر سکا۔ عہدِ بنو عباس میں اس نے ترقی کی۔ خلفائے عباسیہ کے دربار میں یہ "یارِ شاطر" کے فرائض انجام دیتا تھا، وہ لوگ اس کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ خلیفہ منصور نے تو اسے اتنا نوازا کہ کوئی شاعر لطف و نعمت سے اس درجے سرفراز نہیں کیا گیا ہوگا۔ بہت بددین، لامذہب، تارک فرائض اور محارم کے ارتکاب پر جری شخص تھا، اپنی بے راہ روی پر شرمندہ بھی نہیں تھا، جو کچھ کرتا تھا ڈنکے کی چوٹ کرتا تھا۔

میں خوارج کی صف سے ایک آدمی جو نہایت زبردست تھا دعوت مبارزت دیتا ہوا باہر نکلا، روح نے مجھے حکم دیا، "ابو دلامہ اس کے مقابلے کے لیے تم جاؤ" میں نے کہا، "اے امیر آپ کیوں میری جان کے درپے ہوئے ہیں؟" اس نے کہا، "خدا کی قسم تمہی کو جانا پڑے گا" میں نے کہا، "اے امیر یہ آج کا دن میرے لیے آخرت کا پہلا اور دنیا کا آخری دن ہے، خدا جانتا ہے میں بھوک سے بے تاب ہو رہا ہوں حکم دیجیے کھانا لایا جائے، کچھ کھا لوں پھر میدان کا رُخ کروں" روح نے حکم دیا فوراً دو چپاتیاں اور ایک بھُنی ہوئی مرغی میرے سامنے لائی گئی۔ یہ دونوں چیزیں لے کر میں میدانِ جنگ کی طرف چل کھڑا ہوا، حریف نے مجھے دیکھا، میری طرف متوجہ ہوا، وہ میری طرف لپکا، میں نے کہا، "بھائی اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟ سُنو تو؟" وہ ٹھہر گیا، پھر میں نے کہا، کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا پسند کرو گے جو تمھیں قتل کرنا نہیں چاہتا؟"

"ہرگز نہیں"

"کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے جو تمھارا ہم مذہب ہے"

"قطعاً نہیں"

"کیا یہ جائز ہے کہ تم اپنے دین کی دعوت دیے بغیر کسی سے مقاتلہ کرو؟"

"نہیں! تجھ پر خدا کی لعنت، بھاگ یہاں سے!"

"میں نہیں بھاگوں گا میری بات سُنو"

"اچھا کہو! کیا کہتے ہو؟"

"کیا میرے تمھارے مابین کبھی عداوت تھی؟ کوئی جھگڑا تھا؟

کوئی منافشہ تھا؟ اچھا کیا ہمارے تمھارے گھر میں کوئی تنازعہ تھا؟"

"نہیں خُدا کی قسم نہیں"

"میرا جہاں تک تعلق ہے میں تو تمھارے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں، تمھارا مذہب قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، تمھارا دین اختیار کیے لیتا ہوں، جو تمھارے متعلق بد ارادہ رکھتے ہیں ان کا دشمن"

"جزاک اللہ، اچھا اب تم جاؤ"

"میرا" ماحضر" تو قبول فرمائیے، آئیے ہم دونوں ساتھ ساتھ کھائیں ساتھ ساتھ کھانے سے محبت بڑھتی ہے، اہلِ لشکر بھی دیکھ لیں کہ حریف، حلیف کیسے بن جاتے ہیں؟"

"اچھی بات!"

میں نے روٹیاں اور مرغی پیش کی۔ ہم دونوں مزے لے لے کر کھانے لگے۔ اہلِ لشکر یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، اور ہنسی سے بے حال ہوئے جا رہے تھے، جب ہم کھا پی چکے، اس نے مجھے رخصت کر دیا، میں نے کہا، "دیکھو بھائی ایک بات اور سُن لو، میرے لشکر کا سردار ایک ہی گاؤدی ہے، اگر تم میدان میں ڈٹے رہے اور طلب مبارزت کرتے رہے تو اس میں میری سبکی ہے، اور وہ مجھے سخت سُست بھی کہے گا، اور یہ جتنا مجھے بُرا معلوم ہو گا اتنا ہی تمھیں بھی بُرا لگے گا۔ کوئی ہرج نہ ہو تو مہربانی کر کے آج تو لوٹ ہی جاؤ، کل جسے چاہنا لڑنے کو بلا لینا۔ اس طرح میرے سر سے تو بلا ٹل جائے" اس نے کہا، "کوئی مضائقہ نہیں" یہ کہ کر وہ اپنے لشکر میں چلا گیا، اور میں اپنے لشکر میں چلا آیا۔

میں نے روح سے کہا، "کہیے بندہ پرور، دیکھ لیا آپ نے میرا کارنامہ؟ میں نے تو اپنے حریف کو "پسپا" کر دیا، اب کسی دوسرے کو بھیجیے! دیکھوں وہ کیا کرتا ہے؟" روح خاموش ہو گیا!

پھر جب دوسرا آدمی لشکرِ خوارج سے نعرۂ جنگ لگاتا ہوا، للکارتا ہوا باہر نکلا، تو روح نے پھر مجھ سے کہا، "جاؤ" میں نے کہا:-

"میں روح سے پناہ مانگتا ہوں، وہ مجھے میدانِ جنگ میں بھیج رہا ہے، ایسا نہ ہو میرے سبب میرے قبیلۂ بنو اسد کو رسوا ہونا پڑے، لڑائی کا میدان تو دو ٹوک فیصلہ کرتا ہے، روح اور جسم کا تعلق منقطع ہوتے وہاں کچھ دیر لگتی ہے؟ تم کو مہلب سے موت کا اشتیاق ورثے میں ملا ہے، مگر مجھے تو نہیں ملا۔"

وہ ہنسا اور خاموش ہو گیا!

---

(۹۵) ایک خارجی کا حشر

ولید بن طریف الشیبانی خارجیوں کا سردار تھا۔ بڑا بہادر بے حد نڈر حد سے زیادہ بے باک۔ شماسیہ کے رہنے والے اس کے ظلم و جور کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، اس کی شوکت روز افزوں ترقی پر تھی، دن اسی طرح گزرتے رہے، ہارون رشید نے اس کی سرکوبی کے لیے یزید بن مزید الشیبانی کو بھیجا۔ وہ اسے داؤں پیچ میں لانے کی ترکیبیں کرنے لگا، برامکہ یزید بن مزید سے خفا تھے، انھوں نے امیرالمومنین کو بھڑکایا،

اور کہا: "یزید، ولید کو قابو میں لانے سے گریز کرتا ہے، ورنہ ولید کی طاقت ہی کیا ہے؟ اسے طرح طرح کی اُمیدیں دلائی گئیں ہیں، وہ کسی اچھے موقع کا منتظر ہے، رشید نے حالتِ غضب میں اسے لکھوایا:۔ "اگر میں کسی اور خادم کو اشارہ کروں تو وہ اس سے زیادہ کرگزرے گا۔ جو تم اب تک کر سکے تم چکنی چُپڑی باتیں بناتے ہو، تم متعصب بھی ہو، خدا کی قسم اگر تم نے ولید کے معاملے میں تاخیر کی، تو میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو تمھارا سر لے کر میرے پاس آئے گا۔" وہ ولید سے جمعرات کی شام کو رمضان کے مہینے میں ملا۔ کہتے ہیں کہ یزید بہت پیاسا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنی انگشتری اپنے منہ میں ڈال لی، اور اسے چوسنے لگا، اور کہنے لگا، "اے اللہ یہ تو بڑی سخت ہے، تو اسے نرم کردے" اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "تم پر میرے ماں باپ قربان یہ خوارج ہیں۔ ان پر کرارا حملہ کرنا چاہیے۔ تم ڈھالوں کے سایے میں ثابت قدم رہو۔ جب ان کا حملہ ختم ہو جائے تو ان پر حملہ آور ہو۔ یہ جب شکست کھاتے ہیں پھر نہیں ٹھہرتے۔ واقعہ بھی یہی تھا، انھوں نے یزید پر پوری قوت سے حملہ کیا۔ وہ اور اس کے ساتھی ثابت قدم رہے۔ پھر انھوں نے حملہ کیا۔ خوارج بھاگ کھڑے ہوئے۔ کہتے ہیں اسد بن یزید اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا، جب تک غور سے نہ دیکھا جائے، دونوں میں تمیز کرنا مشکل تھا۔ ان دونوں میں مابہ الامتیاز یہ تھا کہ یزید کے چہرے پر ایک چوٹ کا نشان تھا، جو اس کی کنپٹی سے چہرے تک تھا۔ اسد بھی اپنی صورت ایسی ہی بنانا چاہتا تھا، جب اس پر حملہ ہوا، تو اس نے اپنا چہرہ ڈھال سے نکال لیا، اس کے بھی تقریباً ویسا ہی نشان پڑ گیا۔ اگر خط ذرا اور سیدھا پڑتا تو بالکل

کا سا نشان ہو جاتا۔

نے ولید کا پیچھا کیا، بہت دور جانے کے بعد اسے پایا اور

مار دی، ولید جب مقابلے کے لیے نکلا تو اس نے کہا:۔

ں ولید بن طریف ہوں، کوئی بڑے سے بڑا بہادر بھی

مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تمھارے جور و ستم نے مجھے گھر سے

ہے۔"

اس کے تلوار لگی، اور اس کا سر اُتار اگیا تو اس کی بہن لیلیٰ

آئی وہ زرہ اور جوشن پہنے ہوئے تھی، وہ لوگوں کو برانگیختہ

پہچان لی گئی۔ یزید نے کہا، "اسے چھوڑ دو" پھر وہ لیلیٰ کے

ں کے گھوڑے کی پیٹھ پر نیزہ مارا، اور کہا، "شرم کر، خدا

ں کو حیا دے۔ تو نے سارے خاندان کو رسوا کر دیا، وہ نادم

واپس چلی گئی۔ وہ کہہ رہی تھی:۔

ے درخت تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سرسبز و شاداب ہے؟

تجھے ابن طریف کا غم ہی نہیں ہے۔

وہ ایسا نوجوان تھا جس کا توشہ تقوی تھا جس کا سرمایہ

ے تھے یا تلوار۔ جس کا خزانہ بہترین گھوڑے تھے، دُبلے

اور باریک ہونٹوں والے"۔

ید جب کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ تو برامکہ نے اسے رشید

ہیں دیا، رشید اس پر (گزشتہ تاخیر کے سبب) بہت خفا تھا

ہا، "امیرالمومنین کی قسم، میں گرمیاں اور سردیاں یا تو اپنے

پر گزار دوں گا، یا اذنِ باریابی حاصل کروں گا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی

خلیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے بلا لیا، وہ حاضر ہوا۔ جب اسے امیرالمومنین نے دیکھا تو ہنسے، مسرور ہوئے کہنے لگے، "اے اعرابی مرحبا" یزید دربار میں پہنچ گیا۔ خلیفہ نے اسے عزت سے بٹھایا اور اس کی تعظیم کی۔ اس کی دشواریوں کو بھی اس نے محسوس کیا، اس کی نیت کی خوبی بھی اس نے بھانپ لی، شعرا نے اس کارنامے پر اس کی مدح لکھی۔ سب سے بہتر مدح مسلم بن ولید نے لکھی، وہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے:-

"وہ لڑائی کی ہماہمی میں بھی متبسم نظر آتا ہے، جب کہ بڑے بڑے بہادروں کا پتا پانی ہوتا ہے۔

وہ مصیبت کے وقت محتاج کو پورا دینے والا ہے، گویا وہ اجل ہے۔ جو آرزووں کی طرف رواں ہے۔

وہ اپنے رفق سے ان چیزوں کو بہ سہولت حاصل کر لیتا ہے، جن کے حاصل کرنے میں لوہے لگ جاتے ہیں، جس طرح موت مستعجل ہوتی ہے، لیکن آتی ہے وقفہ دے کر۔

لوگ اس کی قیام گاہ کے اِرد گرد گھومتے رہتے ہیں، جس طرح وہ گھر جہاں تمام راستے آکر ملتے ہیں

وہ دشمنوں کی روحوں سے موت کی مہمان نوازی کرتا ہے، جس طرح میزبان اچھے اونٹوں کی چربی سے مہمان داری کرتا ہے۔

وہ اپنی تلوار کا نیام سرکش لوگوں کے سروں سے بناتا ہے اور نیزوں کا تاج کھوپڑیوں سے بناتا ہے۔

جب وہ اپنی تلوار سونتتا ہے، تو اس کے ساتھ ساتھ

موت بھی جسم اور کھوپڑیوں پر رواں ہو جاتی ہے۔
تم اس کی تکذیب نہیں کر سکتے کہ بزرگی کا خزانہ بنی شیبان کی وراثت ہے۔
شریکی (یزید کا جد) کسی پر فخر نہیں کرتا ہے، بلکہ خود فخر کو اس پر فخر ہے !"

---

(۹۶) سعادت مند بھتیجا!

معن[1] بن زائدہ کی بیوی اپنے شوہر کے بھتیجے یزید بن مزید سے بہت جلتی تھی۔ ایک روز اس سلسلے میں وہ اپنے شوہر کو بھی جلی کٹی سُنانے لگی:۔
"تم یزید کا تو بہت خیال کرتے ہو اور اپنے لڑکوں کی بات بھی نہیں پوچھتے۔ یزید کا ذکر تو بڑے شان دار الفاظ میں کرتے رہتے ہو، اور اپنی اولاد کو اگر یاد بھی کرتے ہو تو بُرے الفاظ سے، تم ہی انھیں بڑھاؤ گے تو بڑھیں گے"
معن نے جواب دیا، "بات یہ ہے کہ یزید بھی کوئی غیر نہیں ہے میں اس کا چچا ہوں، وہ میرا بھتیجا ہے، بیٹے ہی کی جگہ اسے بھی سمجھو، یہ سچ ہے کہ میں اسے بہت چاہتا ہوں وہ میرے گوشۂ دل سے بہت

---

[1] معن بن زائدہ، بن عبداللہ بن زائدہ، بن مطر بن شریک بن عمرو الشیبانی ۔ یزید بن مزید بن زائدہ الشیبانی کا چچا۔ عرب کے حاتم صفت لوگوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔

قریب ہی، کیوں؟ اس لیے کہ میں اپنے بیٹوں میں وہ بات نہیں دیکھتا جو یزید میں دیکھتا ہوں۔ ان میں وہ بھلائیاں نہیں پاتا جو یزید میں نظر آتی ہیں۔ اس کی ان باتوں کو دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ میرا کوئی نہ ہوتا تو بھی مجھے اتنا ہی عزیز ہوتا۔ اگر وہ میرا دشمن ہوتا تو بھی میں اسے محبوب رکھتا —— تمھیں میری باتوں کا یقین نہیں آیا؟ اچھا ذرا رات ہونے دو میں اپنی یہ باتیں ثابت کیے دیتا ہوں پھر تم مجھے ملامت نہیں کرو گی، میری ان باتوں کا تم خود بھی اعتبار کرنے لگو گی۔

معن نے خادم کو حکم دیا، زائد، عبداللہ، اور فلاں فلاں کو بلاؤ اس نے اپنے لڑکوں کے بھی نام لیے اور انھیں بھی بلوایا، وہ لوگ بڑے ٹھاٹھ سے عمدہ لباس سے ملبوس زرتار چپل پہنے ہوئے، اعلیٰ درجے کی خوشبو لگائے ہوئے خراماں خراماں آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

پھر معن نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا، تاکہ وہ سب کو دیکھ سکے، اور اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ پھر خادم کو حکم دیا یزید کو بلاؤ، یزید اپنی طلبی کا حکم سنتے ہی فوراً افتاں و خیزاں حاضر ہوا، اس طرح کہ سلاح جنگ سے آراستہ پیراستہ۔ نیزہ اس نے مجلس کے دروازے پر رکھا، خود سامنے آیا، اور مؤدب طور پر کھڑا ہو گیا۔

معن نے جب اسے دیکھا، پوچھا، "ابوزبیر (یزید کی کنیت ابوزبیر اور ابوخالد تھی) یہ کس سج دھج سے آئے ہو؟"

یزید نے جواب دیا، "میرے پاس آپ کا قاصد پہنچا۔ میں نے سوچا کوئی خاص بات ہو گی جو اس وقت یاد فرمایا۔ بہتر یہ ہے کہ مسلح ہو کے چلوں، اگر جنگ و پیکار کے لیے ضرورت ہوئی تو میں تیار ہی ہوں، اور

اگر یہ بات نہ ہوئی تو سلاحِ جنگ کے اُتارنے میں دیر کتنی لگتی ہے؟"
معن نے ان سب کو رخصت کر دیا، اس کی بیوی نے کہا:۔
"بے شک تمھارا خیال یزید کے بارے میں صحیح تھا میں غلطی پر تھی!"

---

(۹۷) شریف دشمن!

طاہر[1] اور اس کے بیٹے عبداللہ کے سپہ سالاروں میں ایک صاحب تھے محمد بن فضل الخراسانی، بہت بڑے ادیب، اعلیٰ درجے کے مدبر اور سیاست داں علوم متداولہ میں کامل۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن طاہر نے ایک قصیدہ کہا جس میں اپنے باپ اور اہلِ خاندان کے بہادرانہ کارناموں پر اظہارِ فخر کیا گیا تھا۔ اس پر بھی فخر کیا گیا تھا کہ انھی لوگوں نے مخلوع[2] کو قتل کر کے شورش ختم کی تھی۔ محمد بن یزید الاموی الحصنی نے اس اظہارِ فخر پر بڑی ترش روئی سے نکتہ چینی کی تھی۔ اس نے عبداللہ کو بُرا بھلا کہا، گالیاں دیں، اس کے مزعومات وخیالات کی دھجیاں بکھیریں۔

---

[1] طاہر بن حسین بن مصعب ذوالیمینین، اسی نے مامون کی طرف سے امین سے جنگ کی تھی اور کامیاب ہوا تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ تھا اسے خلفا کے حضور میں جو وقار، اعزاز اور اکرام حاصل تھا اسے عام وخاص سب جانتے ہیں، علاوہ ازیں ادیب بھی بہت بڑا تھا، ساتھ ہی ساتھ دلیر اور شجاع بھی تھا۔

[2] مخلوع، یعنی خلیفہ ہارون رشید کا بیٹا، اور مامون کا سوتیلا بھائی امین، جسے مامون نے قتل کرا دیا تھا!

کچھ عرصے کے بعد عبداللہ مصر کا گورنر ہوگیا، شام کا نظم و انصرام بھی اسی کو سپرد ہوا، حصنی کو جب یہ خبر ملی اس نے سمجھ لیا اب اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، بھاگے گا تو بھی اس کے پنجے سے محفوظ نہیں رہے گا، جہاں کہیں بھی جائے گا اس کے قبضے میں بہرحال آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے کہیں فرار ہونے کا خیال ترک کردیا، اور اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ یہ ضرور کیا کہ اپنے حرم کو حفاظت سے کہیں اور بھیج دیا، باقی جو کچھ مال و دولت اور اثاثہ تھا اسے جوں کا توں رہنے دیا، کوٹ کے دروازے کھول دیے اور اپنی جگہ بیٹھ گیا!

ہمیں عبداللہ بن طاہر سے اس کا پورا اندیشہ تھا کہ وہ ضرور حصنی پر چھاپہ مارے گا، اور اس کی سابقہ بدکلامی کا بدلے کر رہے گا۔ رات کو مجھے عبداللہ نے بلایا۔ کہا ”آج کی رات یہیں گزارو، اپنا گھوڑا تیار رکھو“ میں نے ایسا ہی کیا، جب رات کا بڑا حصہ گزر گیا، اپنے خادموں اور مصاحبوں کو حکم دیا ”جب تک سورج نہ نکل آئے یہاں سے ہلنا مت۔“ جب صبح ہونے لگی، عبداللہ گھوڑے پر سوار ہوا، میں اور پانچ اس کے دوسرے معتمد علیہ خادم اس کے ساتھ تھے۔ ہم سب لوگ چل دیے اور پو پھٹتے پھٹتے حصنی کے دروازے پر پہنچ گئے، دیکھتے کیا ہیں؟ دروازہ کھلا ہوا ہے اور سامنے وہ پورے اطمینان اور دلجمعی سے بیٹھا ہوا ہے۔

عبداللہ اس کے قریب گیا، سلام کیا، اور گویا ہوا ”تم اتنے اطمینان سے بیٹھے ہو؟ دروازے تک چوپٹ کھلے ہوئے ہیں؟ ارے تم قلعہ بند بھی نہیں ہوئے؟ عبداللہ بن طاہر کا لشکر تمھاری سرکوبی کے لیے آرہا ہے، وہ تمھارے خلاف بھرا بیٹھا ہے، کچھ تو احتیاط ان حالات

کے پیشِ نظر کرنی چاہیے تھی، بندۂ خدا؟"

حصنی نے جواب دیا، "تم جو کچھ کہتے ہو مجھے اس کا احساس ہے، میں نے اپنے معاملے پر خوب غور کیا، اور محسوس کیا، میں عبداللہ کا گنہگار ہوں۔ میں نے حد سے تجاوز کیا، اسے گالیاں دیں، بُرا بھلا کہا، اب اگر میں راہِ فرار اختیار کروں تو کہاں جاؤں؟ جہاں جاؤں گا پکڑا جاؤں گا۔ میں نے یہ کیا کہ اپنی بیٹیوں اور بیبیوں کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا، تاکہ وہ بے آبروئی اور ذلت سے بچی رہیں اور میں راضی برضا ہو کر یہیں بیٹھ رہا۔ جو کچھ میرے پاس مال و دولت ہے اسے بھی میں نے نہیں چھپایا۔ مجھے یقین ہے اگر دشمن مجھے قتل کرے گا تو اس کا غصّہ دھیما پڑ جائے گا، پھر وہ حد سے آگے نہیں بڑھے گا، پھر وہ میرے حرم کی جستجو نہیں کرے گا"

یہ سُن کر عبداللہ بن طاہر بے ساختہ رونے لگا، روتے روتے اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس نے حصنی سے کہا،

"تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"خُدا کی قسم نہیں"

"میں ہوں عبداللہ بن طاہر"

یہ کہہ کر اس نے کہا، "تم مطمئن رہو، تمھاری عزّت، آبرو، جان، مال سب خُدا کی حفاظت میں ہیں، میں اپنے لشکر سے بھی پہلے تمھارے پاس اسی لیے پہنچا اور تنِ تنہا پہنچا کہ ہمارے تمھارے معاملات سُلجھ جائیں تو اچھّا ہے، وہ سُلجھ گئے میں نے تمھیں معاف کیا"

حصنی کی آنکھیں بھی اشک آلود ہو گئیں، عبداللہ نے اس کو گلے

سے لگایا، اور کہا، "بھائی میرے قصیدے میں تمھارے خفا ہونے کی کیا بات تھی ؟ خُدا مجھے تم پر قربان کرے، میں نے اپنے اشعار میں اپنے باپ اور اہلِ قبیلے پر اظہارِ فخر کیا تھا لیکن تمھارے حسب ونسب پر کوئی چوٹ نہیں کی تھی۔ تم پر اپنی مشیخت نہیں ظاہر کی تھی، ایک ایسے شخص کے قتل پر اظہارِ افتخار ضرور کیا تھا جو اگرچہ تمھاری قوم میں سے تھا، لیکن تمھارے قوم کے آدمیوں نے بھی مل کر اس کا خون بہایا تھا۔ تمھارے لیے بہتر یہ تھا کہ ان اشعا پر خاموش رہتے، خاموش نہیں رہ سکتے تھے تو خواہ مخواہ نازیبا باتیں منہ سے نہ نکالتے۔ جس سے اچھے بھلے دل بُرے ہوئے۔

حصنی نے کہا، "یا امیر آپ مجھے معاف کر چکے، اب ان باتوں کا ذکر نہ کیجیے"

عبد اللہ نے کہا، "اچھا چھوڑو ان باتوں کو، چلو آج ہم تمھارے گھر میں مہمان بن کر ٹھہریں گے تمھیں ہماری دعوت کرنی ہوگی"۔

حصنی خوش خوش اٹھا، دعوت کے اہتمام و انتظام میں مصروف ہوگیا، بڑی ٹھاٹھ دار دعوت دی، ہم نے خوب کھایا، خوب پیا۔

عبد اللہ نے قلم دوات منگایا اور تین سال کا خراج حصنی کو بخش دیا، اور اس سے فرمایا، "اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ یہیں اپنے ہاں رہو" اس نے کہا، میں تو امیر کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، پھر وہ ہمارے ساتھ مصر میں رہنے لگا اور ایک مدّت دراز تک امیر عبد اللہ کے ساتھ مصر میں رہتا رہا۔

(۹۸) عمرو بن عاصیہ کا قتل!

محمد بن حسن بن درید ابو حاتم سے اور وہ ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن عاصیہ السلمی ثم البھزی[1] نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہذیل بن مدرکہ پر حملہ کیا۔ اس قبیلے کے ایک خاندان بنو سلیم بن معاذ پر وہ غارت گری کا ارادہ رکھتے تھے، ہذیل کی ایک عورت نے جو بنی بہز میں بیاہی ہوئی تھی، اپنے لڑکے سے کہا، "بیٹے اپنے ماموں کے پاس فوراً جاؤ انھیں ہوشیار کردو کہ ابن عاصیہ السلمی ان پر بھی حملہ آور ہوگا"

لڑکا راتوں رات اپنے ماموں کے پاس پہنچا، انھیں ابنِ عاصیہ کے ارادوں اور کیفیت سے آگاہ کردیا۔ وہ لوگ فوراً صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے تیار ہوگئے۔ عمرو بن عاصیہ نے اسی طرف کا رُخ کیا، صبح ہوتے ہوتے اس قبیلے کے پاس پہنچ گیا، چھاپہ مارنے سے پہلے اس نے احتیاطاً دیکھ بھال شروع کی، اس نے محسوس کیا، یہ لوگ کچھ خائف ہیں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میں دیکھتا ہوں یہ لوگ سہمے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ ہم سے ڈرا دیے گئے ہیں، پھر وہ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چھپ رہا، تاکہ انھیں جب غافل پائے اپنے ساتھیوں کو لے کر ان پر حملہ آور ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد ابنِ عاصیہ اور اس کے بعض ساتھیوں کو شدّت کی پیاس لگی۔ اس نے اپنے رفیقوں سے کہا، "تم میں کوئی ایسا

---

[1] بنی سلیم کا ایک خاندان!

آدمی ہو جو اپنے دوستوں کو پانی پلائے؟" ساتھیوں نے جواب دیا، "نا بھائی ہمیں تو باہر جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے" کوئی بھی اس پر راضی نہ ہوا کہ باہر جائے اور پانی لائے۔

اب ابنِ عاصیہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں ایک مشکیزہ تھا، اس نے ارادہ کیا خود بھی پانی پی آئے اور اپنے ساتھیوں کے لیے بھی لے آئے۔

ہذیل کے لوگوں نے پوشیدہ طور پر نگرانی کرنے کے لیے باؤلی پر ایک آدمی مامور کر دیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ عمرو بن عاصیہ کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھے، وہ لوگ سمجھ رہے تھے عمرو اور اس کے ساتھی لاکھ چھپیں لیکن انھیں پیاس تو لگے گی، اور بالآخر سب کو یا کچھ کو باؤلی پر آنا ہی پڑے گا۔ عمرو بن عاصیہ ادھر سے گزرا، جدھر ایک بوڑھا آدمی اور دو نوجوان اس کی تاک میں بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے جب عمرو کو دیکھا تو نوجوان لپکے کہ اسے جالیں اور کام تمام کر دیں۔ بوڑھے نے کہا، "ٹھہرو! اس نے تمھیں نہیں دیکھا ہے لہٰذا ابھی اور انتظار کرو، اور رُکے رہو"

اتنی دیر میں ابنِ عاصیہ باؤلی کے پاس پہنچ گیا، اس نے داہنے بائیں ایک نظر ڈالی کوئی بھی نظر نہ آیا۔ پھر مشکیزہ سنبھالا اور باؤلی کے اندر اُتر گیا، خود پانی پی کے مشکیزہ بھرنا شروع کیا، قریب قریب اسے بھر چکا تھا کہ وہ بوڑھا اور دونوں نوجوان پہنچ گئے، انھوں نے کہا، "ابنِ عاصیہ! خدا تجھے سمجھے، لے اب سنبھل!" بوڑھا اتنا کہنے نہ پایا تھا کہ ابنِ عاصیہ نے ایک تیر بوڑھے پر چلا ہی تو دیا، جو اس کے پانو میں لگا، وہ لڑکھڑایا، اور گر پڑا۔ اس کے ساتھی دونوں نوجوان اس کے پانو سے تیر نکالنے لگے۔

اتنے میں موقع پا کے ابنِ عاصیہ باؤلی سے باہر نکل آیا، ابھی آگے نہیں جانے پایا تھا کہ ان نوجوانوں نے دبوچ لیا، اور گرفتار کر لیا۔

ابنِ عاصیہ نے ان سے کہا، "پہلے مجھے پانی پلاؤ، پھر جو تمھارا جی چاہے مجھ سے سلوک کر لینا"۔ لیکن ان نوجوانوں کو اس پر رحم نہ آیا۔ انھوں نے اسے پانی نہیں پلایا اور تلوار مار مار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس حادثے پر عمرو بن عاصیہ کی بہن نے اپنے بھائی کی ہلاکت اور واقعہ کی افسوس ناک نوعیت پر ایک دردانگیز مرثیہ لکھا، جو بہت مشہور ہوا۔

---

(۹۹) جیسے کو تیسا!

عمارہ بن قابوس کہتے ہیں، ایک دفعہ میں ابو زائد طائی سے ملا۔ میں نے اس سے پوچھا، "کیوں ابو زائد سچ کہنا، کبھی تم نعمان بن منذر سے بھی ملے ہو؟" اس نے کہا، "ملا ہوں؟ اور اس کے پاس گھنٹوں بیٹھا ہوں" میں نے کہا، "اچھا ذرا اس کا سراپا تو کھینچو"! اس نے کہا، "قد ٹھنگنا، آنکھیں نیلی، رنگ سُرخ و سفید" میں نے کہا، "یہ تو کہو اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم نے اس طرح اس کا سراپا کھینچا ہے تو کیا وہ خوش ہو کر تمھیں سرخ اونٹوں کی دولت سے مالا مال کر دے گا؟ اس نے کہا، "جی نہیں سرخ کیا وہ تو کالے اونٹ بھی نہیں دینے کا میں نے شاہانِ غسان کو دیکھا ہے، ملوکِ حمیر کو بھی میں نے دیکھا ہے، بہت سے بادشاہوں کو دیکھا ہے، لیکن یہ کچھ عجیب کینڈے کا ہے"

ابوزید نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:۔
ایک روز نعمان اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا، ہم لوگ بھی حاضر تھے، اس طرح خاموش بیٹھے تھے کہ کیا مجال ذرا بھی کوئی ہل تو لے۔ اتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص اٹھا، اس نے کہا، "میں محتاج ہوں کچھ مرحمت فرمائیے"۔ نعمان نے اسے گھور کر دیکھا اور کچھ دیر تک اسی طرح دیکھتا رہا، پھر اسے پاس بلایا۔ وہ آیا اور بالکل اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ نعمان نے ترکش اٹھایا اور اس میں سے تیر نکالے اور وہی ترکش مارنا شروع کر دیا۔ ہم لوگ اس غریب کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز برابر سن رہے تھے، اس کی ڈاڑھی خون سے رنگ گئی تھی، اس کا سینہ خون سے لت پت ہو گیا تھا۔ پھر حکم دیا، "ہٹاؤ اسے یہاں سے" وہ وہاں سے ہٹایا گیا، ہم لوگ چپ چاپ گم سم بیٹھے ہوئے تھے۔
اب ایک دوسرا آدمی اٹھا، اس نے کہا، "مجھے کچھ مرحمت ہو!" نعمان نے چند لمحوں تک اسے بھی گھور کر دیکھا، پھر حکم دیا، "اسے ایک ہزار درہم دے دیے جائیں"۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اس نے روپے لیے اور چلتا بنا۔

پھر نعمان نے آگے پیچھے، دائیں بائیں ایک نظر ڈالی اور کہا، "ایسے آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اسی گھاٹ پر ذبح کیا جائے، اور اس کا خون بہہ کر وادی میں پہنچے؟" ہم لوگوں نے کہا، "جو آپ کی رائے ہو وہی مناسب ہے" نعمان نے ایک آدمی کو طلب کیا وہ آیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ پھر کہا، "جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی کنہ و علت معلوم کرنے کے لیے کوئی صاحب مجھ سے سوال نہ کریں"

ہم نے کہا، "کس کی ہمت ہے جو آپ سے کچھ پوچھنے کی جرأت کر سکے؟"

پھر نعمان نے خود بخود کہا:-

(۱) جس آدمی کو میں نے مارتے مارتے لہولہان کر دیا، اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں ایک بار اپنے والد کے ساتھ سیر و شکار کے لیے نکلا۔ اس شخص کی مکان کی طرف سے گزر ہوا، یہ اپنے دروازے پر کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں دودھ یا شراب سے بھرا ہوا ایک برتن تھا، مجھے پیاس لگی تھی، میں نے ارادہ کیا اس کے ہاتھ سے برتن لے لوں اور پی جاؤں اس نے اسے پٹک دیا، میرا چہرہ اور سینہ تر بتر ہو گیا، میں نے خدا سے اس وقت عہد کیا کہ اگر اس پر مجھے قابو ملا، تو اس شخص کی ڈاڑھی اور سینہ کو اس کے چہرے کے خون سے رنگوں گا۔

(۲) وہ شخص جسے میں نے ایک ہزار درہم دے دیے اس کے میرے اوپر احسانات تھے، میں تلافی کی فکر میں تھا، پہلے پہل جب اس نے سوال کیا میں اسے پہچان نہیں سکا تھا، پہچاننے کے بعد میں نے درہم اسے دے دیے۔

(۳) جس شخص کو میں نے ذبح کیا اس کا ماجرا بھی سن لو:-

شام میں میرا ایک جاسوس ہے اس نے مجھے اطلاع دی کہ جبلہ بن ایہم غسانی نے اس اس طرح کا ایک آدمی تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ موقع پا کر وہ تمہیں تمام کر دے۔

میں عرصے سے اس کی تاک میں تھا، آج وہ مل گیا، اور میں نے اسے ختم کر دیا۔

(۱۰۰) گدائے متکبّر!

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ایک دفعہ عمر بن ربیعہ[۱] مدینے میں آیا، اور مہینے بھر تک ٹھہرا، پھر وہ مکّے گیا۔ احوص[۲] بھی اس کے ساتھ تھا، دونوں نے ساتھ ساتھ عمرہ کیا۔ زبیر کثیر کے ایک ندیم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ دونوں روحا[۳] پہنچے مجھے طلب کیا، میں مقام عرج میں جاکر مل گیا۔ ہم لوگ ساتھ ساتھ روانہ ہوئے اور ودان[۴] پہنچے، جہاں نصیب[۵]

---

[۱] عمر بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی، مشہور، پُرگو اور زبردست شاعر۔

[۲] احوص انصاری، پورا نام عبداللہ بن محمد، لقب احوص، یہ لقب اس لیے پڑ گیا کہ یہ شخص تنگ چشم تھا۔ کنیت ابو محمد، اگر دنی الاخلاق نہ ہوتا تو اس کا شمار چوٹی کے لوگوں میں ہوتا۔ کلام بہت سادہ، رواں، اور مؤثر ہوتا تھا، اس کے اشعار حلاوت وعذوبت کے اعتبار سے ایک خاص پایہ رکھتے ہیں۔ اس باب میں بہت کم لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، ہجوگو بھی بہت بڑا تھا، ولید بن عبدالملک نے اسے ایک مرتبہ دُرّے لگوائے، پھر جلاوطن کرکے دہلک میں نظر بند کر دیا۔ پھر یزید بن عبدالملک نے ایک عرصۂ دراز کے بعد اسے پروانۂ رہائی مرحمت کیا، اس کا اعزاز و اکرام کیا، اور تیس ہزار درہم عطا کیے۔

[۳] مدینے سے ۴۱ میل پر ایک آباد اور پُر رونق گانو۔

[۴] مکّے اور مدینے کے مابین ایک قریہ۔

[۵] ایک عرب خاندان کا غلام، جسے عبدالعزیز بن مروان نے خرید لیا، یہ بہت بڑا شاعر تھا، اس کی فصاحت و بلاغت کا سکّہ بیٹھا ہوا ہے۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۹ پر)

نے ان دونوں کو روک لیا۔ ان کے لیے اونٹ ذبح کیے اور بڑی توقیر کی،
یہاں سے پھر ہم نے کوچ کیا، اب نصیب بھی ہمارے ساتھ تھا۔
جب ہم لوگ کلیہ[۱] پہنچے، سب کے سب کثیر[۲] کے گھر کی طرف چل کھڑے ہوئے، معلوم ہوا قدید[۳] میں وہ ایک خیمے میں متمکن ہے۔ مجھ سے ابنِ ابی ربیعہ نے کہا، "جاؤ کثیر کو بلا لاؤ" نصیب بیچ میں بول اٹھا، "وہ بڑا احمق ہے، بڑا متکبر ہے، ہرگز نہیں آئے گا" عمر اپنی بات پر اڑا رہا، اس نے پھر کہا، "جاؤ اسے بلا لاؤ" میں اس کے پاس گیا، اور عمر کا پیام پہنچا دیا۔ اس نے کہا، "ابنِ ابی ربیعہ سے کہہ دو، اگر تم قرشی ہو تو میں بھی قرشی ہوں، اگر تم شاعر ہو تو میں بھی شاعر ہوں" میں عمر کے پاس پہنچا، اس نے کہا، "کہو کیا خبر لائے؟" میں نے کہا، "وہی جو نصیب نے کہا تھا" عمر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میں نے اس کی گفتگو دہرا دی، عمر یہ گفتگو سن کر

(صہ ۲۹۸ کا بقیہ نوٹ) ہجو بالکل نہیں کرتا تھا۔ بہت پاکیزہ سرشت آدمی تھا، ملوک و امرا بھی اس کا احترام کرتے تھے، مرثیے خوب کہتا تھا، اور مدحیہ قصائد میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

[۱] کلیہ مکّے اور مدینے کے درمیان ایک قریہ جہاں نصیب رہتا تھا۔

[۲] کثیّر بن عبدالرحمٰن کنیت ابوصخر، اسے ابنِ ابی جمعہ بھی کہتے تھے، ابو جمعہ اس کا نانا تھا، کثیّر بہت بڑا شاعر تھا، ابنِ سلام نے اس کا شمار طبقۂ اولیٰ کے شاعروں میں کیا ہے۔ جریر فرزدق اور اخطل وغیرہ کی صف میں اسے رکھا ہے۔ تناسخ کا قائل تھا اور حماقت کی حد تک اس خیال پر قائم تھا۔ آلِ مروان کو اگرچہ اس کی یہ دینی کج روی معلوم تھی، بایں ہمہ وہ اس کے اعزاز و اجلال کا خیال رکھتے تھے، ان کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ کثیّر بہت بدصورت بھی تھا، پستہ قد بھی تھا، اس کی وفات ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں ہوئی، یہ یزید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔

[۳] مکّے اور مدینے کے درمیان ایک پُرفضا، شاداب، اور باغ و بہار مقام۔

بہت ہنسا، اس کے رفقا بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ پھر وہ لوگ اٹھے، اور میرے ساتھ کثیرؔ کے خیمے میں گئے۔ ہم نے دیکھا وہ ایک مینڈھے کی کھال پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے، خدا کی قسم اس کا سا فراخ دل قرشی میں نے نہیں دیکھا۔

---

(۱۰۱) خون کا بدلہ!

ابنِ اعرابی بیان کرتے ہیں کہ بنی سعد بن عجل کے دو اشخاص وائل اور سلیط نے خالد بن مالک بن ربعی النہشلی کے چچا عامر بن ربعی کو قتل کر دیا۔ اس زمانے میں خالد نعمان کے پاس رہتا تھا، اس کے ساتھ اس کا ایک عزیز قریب اسود بن یعفر بھی اقامت پذیر تھا۔

ایک روز نعمان خالد بن مالک کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سے پوچھا، "عربوں میں تم ایسے کن بہادروں کو جانتے ہو جو اپنے اقران و اماثل کی نگاہ میں وزن رکھتے ہوں، اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہلکے پھلکے ہوں؟" خالد نے کہا، "آپ بہتر جانتے ہیں۔" نعمان بولا، ہاں میں جانتا ہوں۔ ایک تو یہ اسود بن یعفر اور دوسرے تمہارے چچا عمر بن ربعی کے قاتل وہی عجلی نوجوان وائل اور سلیط!" یہ سُن کر خالد کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، نعمان کا اس گفتگو سے مطلب ہی یہ تھا کہ خالد کو وائل اور سلیط کے قتل پر اکسائے، اسود بھی بہت برانگیختہ ہو رہا تھا، اس نے خالد سے کہا، "اے ابنِ عم! جب تک میں آپ کے چچا کا بدلہ نہ لے لوں شراب میرے اوپر حرام ہے۔" خالد نے بھی یہی قسم کھائی، دونوں یہی عزم لے

کر ساتھ ساتھ چل کھڑے ہوئے۔

یہ دونوں کاظمہ کے میدان میں پہنچے، بنی زید ابن نہشل بن دارم کے آدمی کو انھوں نے ٹوہ لینے بھیجا، اس آدمی کا نام عبید تھا عبید گھوم پھر کر واپس آیا، اور اس نے خبر دی کہ کاظمہ کا میدان حجاج اور تجّار سے بھرا ہوا ہے، وہاں وائل اور سلیط بھی ہیں۔ یہ سُن کر، یہ فرزندانِ نہشل وہاں پہنچے اور آواز دی۔ تم میں سے جو لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہوں وہ جائیں حج کریں، جو لوگ تاجر ہوں وہ جائیں اپنے کاروبار کی فکر کریں" جب حجاج اور تجار چلے گئے تو اسود اور خالد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وائل اور سلیط سے مقابلہ شروع کیا، دونوں بے چارے قتل ہو گئے، انھیں ہزان بن زہیر نے قتل کیا، لیکن اسود کا دعوی تھا کہ وائل کو اس نے قتل کیا۔ پھر وہ نعمان کے پاس آیا، نعمان نے اسے دیکھا اور تبسّم کیا، کہا، "اسود تمھاری منّت پوری ہو گئی" اس نے کہا، "ہاں میں نے اپنی نذر پوری کر لی"

ایک عرصۂ دراز تک اسود بن یعفر نعمان کے وابستگانِ دولت میں شامل رہا، اس کی مصاحبت کرتا تھا، وہیں کھاتا پیتا تھا۔

کچھ عرصے کے وہ بہت سخت بیمار پڑا، نعمان نے مزاج پُرسی کے لیے اپنا ایک آدمی اس کے پاس بھیجا، اسود نے اس سے کہا، "میں اس کی پروا نہیں کرتا، مرنے کے بعد مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا، ہر شخص موت کا راستہ طے کرتا ہے"

---

(۱۰۲) خالد قسری اور فرزدق

محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ خالد قسری[1] نے مالک بن منذر کو لکھا کہ وہ فرزدق کو پکڑ کر اس کے پاس بھیج دے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ فرزدق نے اس کی اور مبارک[2] کی ہجو کی تھی۔ مالک نے فرزدق کو گرفتار کر کے قید کر لیا اسے لے کر قبیلۂ مجاشع[3] کے پاس گزارا۔ فرزدق نے لوگوں سے کہا، "اے لوگو! گواہ رہو میرے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں ہے، یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مالک نے عمر بن یزید بن اسید کو گرفتار کیا تھا، اور اس کی گردن لپیٹ دی تھی، پھر اسے راتوں رات جیل لے گئے، وہ اپنا سر گھمارہا تھا اور اس کے ساتھی کہہ رہے تھے، "اپنا سر سیدھا کر" جب وہ لوگ اسے جیلر کے پاس لے گئے، تو اس نے کہا "میں تم سے میت تو نہیں لے سکتا" انھوں نے اس سے جیل کی کنجی لے لی، اور عمر کو جیل میں ڈال دیا۔ اس حالت میں کہ وہ بالکل مردہ ہو چکا تھا، پھر یہ مشہور کر دیا گیا کہ عمر نے اپنی انگوٹھی چوس لی جو زہریلی تھی۔ لہٰذا وہ مرگیا۔ لوگ اس واقعہ پر چہ می گوئیاں کرنے لگے، اسی اثنا میں سبطہ بن فرزدق آگیا۔ فرزدق نے اس سے پوچھا، "کیوں بیٹے کوئی نئی خبر؟" کہا، "جی ہاں عمر بن زید

---

[1] خالد بن عبداللہ القسری۔

[2] مبارک نہر کا نام ہے جو بصرے میں تھی، جسے خالد قسری امیر عراقین نے ہشام بن عبدالملک کے لیے کھدوایا تھا۔

[3] بنو مجاشع، فرزدق کی قوم۔

نے اپنی انگوٹھی چوس لی، اس میں زہر تھا وہ مرگیا، فرزدق نے کہا، "خدا کی قسم میرے بچے اگر تو واسط[1] میں نہ ملا، تو تیرا باپ ضرور انگوٹھی چوس لے گا،، پھر اس نے کہا:-

"کیا بغیر کسی خطا قصور کے ابوحفص[2] عبداللہ کا قتل ظلم نہیں ہے؟ وہ کشتۂ عداوت ہے۔ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، وہ مار دیا گیا حالاں کہ وہ امام کا وفادار تھا۔"

عمر نے خالد کی مخالفت کی، جو ہشام سے اہلِ یمن کی طاعت کا وصف بیان کرتا تھا۔ ان کی حسن موالات اور نصیحت پزیری کا حال کہتا تھا، عمر نے تالی بجائی، جس کی آواز دربار تک پہنچی، اس نے کہا، "یاامیرالمومنین یہ دروغ گو ہے، یمنی لوگ نہ اطاعت کیش ہیں نہ نصیحت کے قبول کرنے والے۔ کیا وہ لوگ آپ کے دشمن، یزید بن مہلب اور ابن اشعث کے ساتھی نہیں ہیں؟ خدا کی قسم کوّا بولنے بھی نہیں پاتا ہے کہ یہ اس پر جھپٹتے ہیں۔ یاامیرالمومنین ان لوگوں سے بچیے" اتنے میں بنوامیہ کا ایک آدمی اٹھا، اس نے عمر بن یزید سے کہا، "خدا تجھ پر رحم کرے، تجھے اچھی جزا دے۔ تو نے اپنی قوم کی اچھی ترجمانی کی۔ اس کے لیے موقع پیدا ہو گیا، لیکن میرا خیال ہے، یہ شخص عنقریب عراق کا والی ہو جائے گا۔ یہ ٹھہرا مکار اور حاسد، اگر یہ گورنر ہو گیا تو تجھے ضرور تکلیف پہنچائے گا۔ عمر نے اس کے قول کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے گمان تھا خالد اس پر ہاتھ نہیں ڈالے گا، لیکن جب وہ گورنر ہو گیا، تو اس نے بے تامل اسے قتل کرا دیا۔

---

[1] جزیرے میں ایک قریہ کا نام واسط ہے۔

[2] ابوحفص، عمر بن یزید الاسیدی کی کنیت ہے۔

مالک نے فرزدق کو خالد کے پاس بھیج دیا، جب وہ وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا وہ تو حج کرنے گیا ہے، اور اپنا قائم مقام اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو عراق پر کر گیا ہے، اسد نے اسے قید کر دیا، جریر نے اسد سے فرزدق کی سفارش کی۔ اس نے کہا، "اگر امیر مناسب سمجھیں تو فرزدق کو مجھے بخش دیں" اسد نے کہا، "تم اس کی سفارش کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا، "خدا آپ کو سنوارے، یہ بھی اس کے لیے باعث ذلت ہے" اسد کے بیٹے منذر نے بھی سفارش کی۔ آخر اس نے فرزدق کو چھوڑ دیا، اس پر اس نے کہا:۔

"فرزدق پر اس کا احسان ایسا ہی ہے جیسے ماں کا احسان اپنے بچے پر۔
تو نے مجھے ایسے گہرے گڑھے میں سے نکالا ہے جو گویا اسّی گز گہرا تھا"

جریر نے بھی اپنی سفارش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"تو اس قیدی کو رہا کر دے، اگرچہ یہ شکر گزار نہیں ہے، اور اس کو ہتھکڑی اور بیڑی سے نجات دلا دے، وہ ضرور اپنی اصلیت پر آئے گا، کیونکہ خبث اس کی سرشت میں ہے، اگرچہ وہ وعدہ بھی کر لے"

(۱۰۳) شاعر فرزدق اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

عثمان بن خالد بیان کرتے ہیں کہ فرزدق[1] ایک دفعہ مدینۂ منورہ میں حاضر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سارا مدینہ عام قحط سالی کے سبب زیر و زبر ہو رہا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ فرزدق آیا ہے، بہت سے لوگ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس پہنچے، اور ان سے عرض کیا، "اے امیر! فرزدق ہمارے مدینے کی سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے، آپ جانتے ہیں قحط سالی کا زمانہ ہے، لوگ ویسے ہی تنگ ہو رہے ہیں، مال و دولت کا پتا نہیں، روزمرّہ کا کام چلانا مشکل ہو رہا ہے، اس حالت میں فرزدق کی جیبیں سیم و زر سے بھرنا کس کے لیے ممکن ہے؟ لہٰذا ہماری امیر سے درخواست ہے کہ اسے ہدایت کردی جائے نہ کسی کی مدح کرے نہ ہجو، لوگ کہاں سے لائیں گے جو اسے دیں"

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فوراً فرزدق کو پیام بھیجا، تم اس قحط سالی کے نازک وقت ہمارے مدینے میں آئے ہو، لوگ تنگ حال ہو رہے ہیں کوئی اتنا مقدور نہیں رکھتا کہ شاعر کی خدمت کرسکے۔ میں تمھیں چار ہزار درہم بھیجتا ہوں، ان پر قناعت کرو، نہ کسی کی مدح کرو

---

[1] نام ہمام بن غالب، فرزدق تخلص، یہی نام پڑ گیا، کنیّت ابو فراس، جس سال جریر کی وفات ہوئی اس کا بھی انتقال ہوا (۱۱۱ھ ۷۲۹ء)

بہت مشہور شاعر تھا، اس کے زورِ کلام، شکوہِ الفاظ اور چستیِ بندش کا بڑے بڑے لوہا مانتے آئے ہیں۔ یہ ان مسلمان شاعروں میں سے ہے جنھوں نے عہدِ جاہلیت کا نظارہ نہیں کیا، مسلمان پیدا ہوا، مسلمان مرا، دولتِ امویہ نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔

نہ ہجو، چپ چاپ چلتے بنو،

فرزدق نے حضرت کی بھیجی ہوئی رقم لے لی، اس کا گزر عبداللہ بن عمرو بن عثمان کی طرف ہوا۔ اس نے دیکھا عبداللہ اپنے گھر کے سامنے ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہے، سرخ ریشم کی ایک چادر اوڑھے ہوئے، سرخ ریشم کا ایک جبّہ پہنے ہوئے، فرزدق وہیں ٹھٹھک گیا، اور برجستہ چند مدحیہ اشعار اسے سنانے لگا۔

عبداللہ اشعار سن کر جھومنے لگا، فوراً کھڑا ہوا اپنی چادر فرزدق پر ڈال دی، اپنا جبّہ اسے پہنا دیا، اور دس ہزار درہم انعام دیے۔

ایک آدمی داد و دہش کا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا، وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرزدق کے لیے ایک قسم کا حکم امتناعی جاری کر رکھا ہے۔ وہ فوراً امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔

حضرت نے فوراً فرزدق سے کہلوایا "میں نے تمھیں پہلے ہی ہدایت کر دی تھی کہ نہ کسی کی مدح کرنا، نہ ہجو کرنا، اس طرح تم لوگوں سے روپیہ کھینچو گے، اور لوگ اس وقت اس کی مقدرت نہیں رکھتے کہ ایسے کاموں پر روپے صرف کریں۔ اب تم فوراً مدینے سے باہر چلے جاؤ! اگر تم نے خلاف ورزی کی تو تمھیں عبرت انگیز سزا دی جائے گی" یہ پیام سن کر وہ چل کھڑا ہوا، چلتے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا:۔

"میرے لیے تین دن کا وقت مقرر کر دیا کہ چلے جاؤ، جیسے قوم ثمود کو ہلاکت کی مہلت تین دن کے بعد دی گئی تھی" یہ شعر جریر نے سنا تو کہا[1] (یہاں کا فٹ نوٹ صفحہ ۳۰۷ پر ملاحظہ ہو)

" تجھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے نکال دیا تو تو اس
قابل ہو کہ اگر مسجد میں گھسے تو وہاں سے بھی نکال دیا جائے۔
تو نے خود اپنے آپ کو بدبخت ثمود سے تشبیہ دی، تو ایسا گمراہ
ہو جو کبھی راہ یاب نہیں ہو سکتا!

نوک جھوک (۱۰۴)

اصمعی کا بیان ہو، بنی تمیم کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن عاصم تھا یوم کلاب کے موقعہ پر نکلا تاکہ ملوکِ یمن میں کسی کو گرفتار کر کے فدیہ حاصل کرے۔ وہ اسی خیال میں جا رہا تھا کہ اس نے دعلۃ الجرمی کو دیکھا، وہ بہت بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ قیس نے کہا:۔

" داہنی طرف رہو "

" میں اپنے بائیں طرف ہوں "

" افسوس! کیا تم یمنی ہو؟ "

" عراق مجھ سے بہت دور ہو "

" تو اس برس اپنے اہل و عیال کا منہ نہ دیکھ سکے، نہ میں انھیں

(صہ ۳۰۶ کا نوٹ) جریر بھی ان شعرا میں ہو جو عہد اسلام کی پیداوار ہیں۔ اس نے بھی جاہلیت کا زمانہ نہیں دیکھا، عہد اموبیہ میں اس نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی، جریر کا نام ابن عطیہ الخطفی ہو، کنیت ابو حزرہ اس کا انتقال سنہ ۱۱۱ھ مطابق سنہ ۷۲۹ء میں ہوا۔ بڑے پائے کا شاعر تھا، اس کی فصاحت و بلاغت اور معنی آفرینی ایک مسلّم حقیقت ہو۔ جریر اور فرزدق زندگی بھر ایک دوسرے کی ہجو کہتے رہے۔

دیکھوں"

دعلہ اپنے گھوڑے پر جا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا گھوڑا تھک گیا ہے تو وہ اُتر پڑا، اور اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا، وہ گاتا ہوا جا رہا تھا۔ جب چلتے چلتے وہ تھک گیا، تو اُچکا اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا، اور نکلا ہوا چلا گیا، قیس نے اس باب میں اس سے سوال کیا۔ وہ پہچان گیا تھا یہ دعلۃ الجرمی ہے، اس نے اس سے درگزر کیا اور اسے چھوڑ دیا، دعلہ نے اسی بارے میں کہا ہے:۔

"میں یمن کے عقاب اور گدھ کی سی تیزی سے نکل بھاگا
اس طرح کا فرار کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا!

---

(۱۰۵) خلیفہ مہدی اور ایک شاعر

مؤمل[۱] بیان کرتے ہیں کہ میں مہدی کے حضور میں حاضر ہوا وہ اس وقت رے میں اقامت پذیر تھا یہ اس کی ولایت عہد کا زمانہ تھا میں نے اس کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا، اس نے خوش ہو کر مجھے اسی وقت بیس ہزار درہم عطا کیے۔

مہدی کے باپ خلیفہ ابوجعفر منصور کو بغداد میں پرچہ گزارا کہ امیر

---

[۱] مؤمل المحاربی کوفے کا رہنے والا، مشہور شاعر، امویوں اور عباسیوں کے دور میں اس نے بڑا نام پیدا کیا، پھر مہدی کے وابستگانِ دولت میں شامل ہو گیا، اس کے اشعار بہت پاکیزہ ہوتے تھے۔

مہدی نے ایک شاعر کو بیس ہزار درہم دے دیے" منصور نے مہدی کو ایک عتاب نامہ بھیجا اور اس حرکت پر اسے خوب ملامت کی۔

کچھ دنوں کے بعد میں نے بغداد کا قصد کیا، خلیفہ منصور کو خبر مل گئی کہ شاعر مؤمل بغداد آرہا ہے، اس نے فوراً اپنا ایک آدمی نہروان کے پُل پر بٹھا دیا، جو آیندو روند سے نام اور پتا پوچھتا رہتا تھا کوئی آگے نہیں بڑھ پاتا تھا جب تک اس کا نام اور پتا نہ دریافت کرلیا جائے۔ جو قافلہ بھی ادھر سے گزرتا تھا، اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا، یہاں تک مؤمل کی باری آگئی، اس سے پوچھا گیا۔

"تم کون ہو؟"

"میں مؤمل بن امیل، امیر مہدی کا ندیم ہوں"

"تم ہی کو تو ہم تلاش کر رہے تھے"

مؤمل کہتا ہے، یہ سُن کر قریب تھا میری حرکتِ قلب بند ہو جائے۔ ابو جعفر منصور کی دہشت اس طرح مجھ پر چھا گئی، میں فوراً گرفتار کرلیا گیا۔ اور ربیع کے پاس پہنچایا گیا۔ اس نے مجھے خلیفہ ابو جعفر منصور کے حضور میں پیش کیا، منصور سے ربیع نے کہا، "امیرالمومنین یہی وہ شاعر ہے جس نے امیر مہدی سے بیس ہزار درہم اینٹھ لیے" میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں اور کانپتے ہوئے جسم سے اسے سلام کیا۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا، "گھبراؤ مت تمھارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہوگی" پھر پوچھا، "مؤمل بن امیل تم ہی ہو؟" میں نے دست بستہ عرض کیا، "ہاں امیرالمومنین مؤمل بن امیل میں ہی ہوں" فرمایا "تمھیں ایک بھولا بھالا چھوکرا مل گیا، اور تم نے اسے دھوکا دیا؟"

میں نے عرض کیا، "ہاں امیر المومنین میں ایک حاتم صفت نوجوان کے پاس پہنچا، اسے میں نے دھوکا دیا، اور وہ دھوکا کھا گیا"۔ خلیفہ نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اسے وہ قصیدہ سناؤں جو مہدی کے لیے میں نے کہا تھا۔

میں نے لہک لہک کے خلیفہ کو اپنا قصیدہ سنایا۔ خلیفہ نے فرمایا "ہاں اچھا قصیدہ ہے، لیکن اتنا گراں مایہ نہیں کہ اس کی قیمت بیس ہزار درہم ہو" پھر فرمایا، "تمھارا وہ مال کہاں ہے؟" میں نے کہا، "یہ حاضر ہے" خلیفہ نے ربیع کو حکم دیا، کہ ان بیس ہزار درہموں میں سے چار ہزار مؤمل کو دے دیے جائیں باقی خزانۂ عامرہ میں داخل کر دیے جائیں۔

ربیع نے ایسا ہی کیا چار ہزار درہم مجھے دے دیے اور باقی ضبط کر لیے۔

ایک مدّت گزر گئی، خلیفہ منصور اس جہان فانی سے عالم باقی کی طرف کوچ کر گیا۔ اب مہدی خلیفہ تھا، ابنِ ثوبان اس کا وزیرِ حضوری تھا، جو اس کی خدمت میں ضروری کاغذات پیش کیا کرتا تھا۔

خلیفہ مہدی رصافہ میں بغداد کے ایک طرب خیز مقام پر جلوس فرماتا تھا۔ یہاں وہ لوگوں کی شکایات سننے کے لیے بیٹھا کرتا تھا، سامنے ایک ٹوکری رکھی تھی، جس میں لوگ اپنی عرضیاں اور پرچیاں ڈالتے تھے۔ جب وہ بھر جاتی خلیفہ کے سامنے بڑھا دی جاتی۔ ابنِ ثوبان حکم حاصل کرنے کے لیے رقعہ پیش کرتا، خلیفہ ملاحظہ کرتا اور حکم صادر فرماتا خلیفہ کے سامنے میرا رقعہ بھی پہنچا، اس نے اسے پڑھا، اور ہنسا، ابن ثوبان نے اس سے کہا، "امیر المومنین کیا بات ہے؟ آپ تبسّم کناں کیوں

ہیں؟" امیر المومنین نے کہا، "میں اس کا سبب سمجھتا ہوں" یہ کہہ کر حکم دیا، مؤمل کو بیس ہزار درہم دے دیئے جائیں، میں نے درہم لیے اور چلا آیا۔

---

(۱۰۶) ایک تاریخی تلوار!

حضرت حسنؒ بن محمدؒ بن عبد اللہؒ بن حسنؓ بن علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی میرے والد کے پاس آیا، وہ اس زمانے میں سویقہ میں پناہ گزیں تھے، ابھی انھوں نے خروج نہیں کیا تھا۔ اعرابی کے پاس ایک تلوار تھی، جس پر زنگ چڑھا ہوا تھا، اس نے کہا "یا ابنِ رسول اللہ میں وادیٔ قدید میں اپنے اونٹوں کا گلّہ چرا رہا تھا، اس میں ایک مست اونٹ بھی تھا، میں نے اسے مارا وہ مجھ سے جلنے لگا، مجھے اس کا خیال بھی نہیں تھا، ایک روز مجھے تنہا پاکر اس نے انتقام کا ارادہ کیا، جب میں اس کی طرف آیا تو وہ اور میرے قریب آگیا، یہاں تک کہ اس قربت کے سبب اس کے منہ کا جھاگ میرے سر پر ٹپکنے لگا، مجھے یہ گراں گزرا، میں نے زمین پر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ شاید کچھ مل جائے تو اسے اس سے ہٹادوں، اتنے میں میری نظر اس تلوار پر پڑی، یہ پانی میں پڑے پڑے اتنا زنگ کھا گئی تھی کہ میں سمجھا کوئی گیلی لکڑی ہے، میں نے ہاتھ بڑھا کر اٹھالیا، دیکھتا ہوں تو تلوار! اسی سے میں نے اونٹ کو اپنے پاس سے دور کیا، خدا کی قسم مجھے اس کا خواب وخیال بھی نہیں تھا کہ اس سے میں یہ کام لے سکوں گا، میں نے اونٹ کے نتھنوں اور ٹھوڑی پر اس کی ضرب لگائی، میں نے اندازہ کر لیا یہ بہت اچھی تلوار ہے۔

غالباً یہ ان لوگوں میں سے کسی کی ہے جو جنگِ قدید میں قتل ہوئے تھے، یہ تلوار میں ای ابنِ رسولؐ اللہ آپ کو نذر کرتا ہوں۔

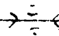
میرے والد نے تلوار لے لی، اس تحفے سے وہ بہت خوش ہوئے، اعرابی ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا، اسی اثنا میں والد کی بکریوں کا ریوڑ چرکر واپس آگیا، جس میں تین سو بکریاں مع اپنے چرواہوں کے تھیں، والد نے اس سے کہا: "ای اعرابی اس تلوار کے بدلے میں یہ بکریوں کا ریوڑ اور یہ چرواہے سب تیرے"

والد نے مدینے سے لوہار کو بلوایا، وہ آگیا: اسے حکم دیا کہ "تلوار پر صیقل کرکے اسے ٹھیک کردے" اس نے درست کردیا، بہترین تلوار نکل آئی۔ پھر ان کے ارشاد کے مطابق اس کی میان تیار کی گئی، وہ تلوار انھوں نے میری بہن فاطمہ بنتِ محمد کو دے دی۔ جس روز وہ شہید ہوئے یہ تلوار ان کے ہاتھ میں نہیں تھی، تلوار میری بہن کے پاس محفوظ رہی، ایک روز میں ان کے پاس گیا، وہ ینبوع میں مقیم تھیں، وہاں اہلِ بیت کی جماعت میں بیٹھی تھیں، اس وقت وہ اپنے ابنِ عم حسن بن ابراہیم کے پاس تھیں، وہاں سے اٹھ کر ہمارے پاس آگئیں، وہ بہت سنجیدہ اور باوقار تھیں، اپنے گھر والوں کے سامنے اس طرح بیٹھی تھیں جس طرح مرد بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان سے باتیں بھی کرتی تھیں، وہ ہم سے باتیں کرنے لگیں۔ اپنے غلام کو انھوں نے حکم دیا کہ اونٹ ذبح کیا جائے تاکہ اس کے گوشت سے ہمارے لیے کھانا تیار کیا جائے، میں نے دیکھا اونٹنی کھجور کے درخت کے سایے میں بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں وہ تیزی سے لپکتی ہوئی نمودار ہوئیں، انھوں نے کہا، "میں اس اونٹنی

میں ضرب لگانے کی اچھی جگہ دیکھ رہی ہوں" پھر اپنی تلوار منگوائی اور کہا،
"اے حسن، تجھ پر تیری بہن قربان! یہ تلوار تیرے باپ کی ہے، اسے لے لے
اس کا دستہ مضبوط پکڑ، پھر اس اونٹنی کی کونچ پر مار، میں نے تلوار لے لی،
اونٹنی کو بٹھایا وہ بیٹھ گئی، پھر تلوار لگائی، اور خدا کی قسم چاروں جوڑ ایک
ہی وار میں کاٹ دیے، تلوار، تیزی میں مجھ سے بھی سبقت لیے جا رہی
تھی۔ اس نے اتنی تیزی سے کاٹا کہ کاٹتی ہوئی زمین میں دھنس گئی۔ مجھے
اندیشہ ہوا، اگر اسے کھینچتا ہوں تو کہیں ٹوٹ نہ جائے، آخر میں نے زمین
کھود کر اسے نکالا۔

اس موقع پر مجھے نمر بن تولب[۱] کا قول یاد آیا۔

" زمانے نے نمر[۲] کی تلوار کی برتری کو قائم رکھا، جس کے
علامات نمایاں اور ممتاز ہیں۔
وہ تلوار کے سبب زمین کھودنے لگے، جو ہاتھ پاؤں
اور کھوپری کو کاٹتی ہوئی زمین میں دھنس گئی تھی "



---

۱ نمر بن تولب العکلی، شاعر، جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے اس نے دیکھے
تھے۔ عرب کے مشہور تر بن فیاضوں اور بہادروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔
شاعر بھی بہت فصیح اور خوش گو تھا۔
۲ قبیلے کا نام۔

(۱۰۷) چوروں کی کہانی!

ابوالہثیم کا بیان ہے۔ مالک بن الریب، ابوحردبہ اور شنظاظ[1] ایک مرتبہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، کہنے لگے، آؤ ہم ایک دوسرے کو، اپنی چوری کی کوئی عجیب و غریب واردات سنائیں۔

ابوحردبہ نے کہا۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات جو میں نے کی اور بڑی عجیب چوری جو مجھ سے سرزد ہوئی، وہ سنو! ایک دفعہ ہم جتھا بنائے ہوئے سفر کر رہے تھے، ہمارے ساتھیوں میں ایک شخص اپنے کجاوے پر بیٹھا تھا، جو مجھے بہت پسند آیا، میں نے اپنے ایک دوست سے کہا، خدا کی قسم یہ کجاوہ میں چرا کر رہوں گا خواہ مجھے کتنے ہی چھل فریب سے کام لینا پڑے۔ میں کجاوے والے کی طرف نگاہ جمائے رہا، کچھ دیر بعد میں نے دیکھا وہ اونگھنے لگا۔ میں نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اصل راستے سے کترا کر اسے ایسی جگہ لے گیا جہاں اگر وہ فریاد و زاری کرتا تو بھی کوئی سننے والا نہ ملتا۔ میں نے اونٹ کو تو بٹھا دیا، پھر کجاوے والے کو پچھاڑا، اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کس کے باندھے، اور کجاوہ لے لیا!

---

[1] یہ لوگ تمیمی تھے۔ بڑے پکے چور تھے، اور تو اور یہ حاجیوں کو بھی نہیں چھوڑتے تھے۔ ان پر موقع محل دیکھ کر چھاپہ مارا کرتے تھے۔ شنظاظ بنی ضبہ میں سے تھا، اسلامی دورِ حکومت میں یہ لوگ پکڑے گئے اور انھیں پھانسی دے دی گئی۔ شنظاظ تو اپنے فن کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ مثل پڑ گئی، "شنظاظ سے بڑھ کر چور کوئی نہیں"۔
ان لوگوں کی داستانیں اور حکایتیں بڑی دل چسپ ہیں۔

میں اپنے ساتھیوں میں آیا، اہلِ قافلہ اپنے ایک رفیقِ سفر کے یکایک گم جانے سے بہت پریشان تھے، اور بار بار "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہہ رہے تھے، میں نے پوچھا:-

"کیا بات ہے؟"

"ہمارا ایک ساتھی کھو گیا؟"

"میں اس کا پتا چلا لوں گا"

لوگوں نے مجھے انعام واکرام دینے کا وعدہ کیا۔ میں انھیں لے کر چلا، اور وہیں لے جاکر کھڑا کر دیا، جہاں وہ بندھا ہوا پڑا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا:-

"یہ کس حال میں ہو؟"

اسے سچا واقعہ بتاتے ہوئے اپنی ہیٹی معلوم ہوئی، کہنے لگا، نہ جانے کیا ہوا میں ذرا اونگھ گیا تھا، آنکھ کھلی تو ایک نہ دو پورے پچاس مسلح اور تنومند آدمی مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ میں بھی کب پیچھے ہٹنے والا تھا، ڈٹ کر مقابلے میں کھڑا ہو گیا، اور خوب جم کر لڑا، لیکن ایک اور پچاس کا مقابلہ کیا، وہی مجھ پر غالب آئے، پھر جو کچھ ہوا وہ تو دیکھ ہی رہے ہو"______ مجھے اس کی لاف زنی پر بڑی ہنسی آئی، اس کے ساتھیوں نے مجھے انعام اکرام دیا، اور اس کو لے کر چلے گئے۔

پھر ابوحردبہ نے کہا، اچھا اب میرا ماجرا سنو! میرے سامنے سے ایک آدمی گزرا، اس کے ساتھ ایک اونٹ تھا، ایک اونٹنی تھی، جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا، میں نے طے کر لیا اس سے یہ دونوں چیزیں لے کر رہوں گا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بھی اونگھنے لگا۔ میں چپکے سے اٹھا، اونٹ کھولا اور

سیدھا قصیم کی طرف چل کھڑا ہوا، (یہ وہ جگہ تھی جہاں یہ لوگ چوری کا مال جمع کیا کرتے تھے) تھوڑی دیر کے بعد وہ بیدار ہوا، تو دیکھتا ہے، اونٹ غائب، وہ اپنی اونٹنی پر سے اُترا، اسے کجاوے سے باندھا، اور خود اونٹ کی تلاش میں چل کھڑا ہوا۔ میں تو تاک میں تھا ہی، وہ اُدھر گیا اور میں نے جھٹ سے اونٹنی کو بھی کھولا، اور اسے بھی لے کر چلتا بنا۔

پھر لوگوں نے شظاظ سے کہا، اب تم اپنی چوری اور کارگزاری کی کوئی عجیب و غریب واردات سناؤ۔ اس نے کہا، سُنو۔ پھر وہ گویا ہوا، بصرے میں ایک آدمی تھا، اس کی بنتِ عم بڑی مال دار تھی، وہی اس کا ولی اور نگراں تھا، اس کی متعدد بیویاں تھیں، یہ دیکھ کر بنتِ عم نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ اگر وہ اس سے شادی نہیں کرتی، تو کسی اور سے بھی نہیں کرنے دے گا، لڑکی کی منگنی بصرے کے ایک دولت مند آدمی سے ہو چکی تھی، لیکن ان حالات کے پیشِ نظر اس شخص نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

کچھ عرصے بعد، اس کا ابن عم حج کرنے گیا، واپسی میں بصرے کے قریب کوہ سنام کے سامنے وہ بیمار پڑا، اور مر گیا۔ وہیں قریب ہی دفن کر دیا گیا۔ اب لڑکی کا بیاہ اس آدمی سے ہو گیا، جس سے منگنی ہو چکی تھی۔

شظاظ کہتا ہے، کچھ لوگوں نے بصرے سے کوچ کیا، ان کے ساتھ اچھا خاصا ساز و سامان تھا، میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، یہاں تک کہ ایک جگہ انھوں نے پڑاؤ کیا، رات ہوئی، وہ لوگ سو گئے۔ میں دبے پاؤں پہنچا، اور بہت سامال اپنے قبضے میں کر لیا، لوگ ہوشیار ہو گئے اور میں پکڑ لیا گیا، اور بُری طرح پٹا گیا، جو کچھ میرے ساتھ تھا اسے

بھی چھین لیا گیا، میرے کپڑے تک اُتار لیے گئے، پھر مجھے ننگا بچا کر کے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

اب میں حیران تھا کیا کروں؟ سوچتے سوچتے مجھے اس آدمی کی قبر یاد آئی، جو اپنی بنتِ عم سے شادی کرنا چاہتا تھا، میں سیدھا وہیں پہنچا، میں نے لوحِ مزار اُکھاڑی، پھر ایک چھوٹی سی سُرنگ قبر کے اندر تک بنائی، چُپ چاپ اندر داخل ہو گیا، لوح پھر سے برابر کر دی، بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا قبر کو ذرا بھی چھیڑا نہیں گیا ہے۔ دھر سے اتفاقاً اس آدمی کا گزر ہوا جس نے مرحوم کی بنت عم سے شادی کی تھی، جب وہ قبر کے پاس سے گزرا، تو ٹھہر گیا، اور اپنے ایک رفیق سے کہا، دیکھو یہ اس کی قبر ہے جو اپنی بنت عم سے شادی کرنا چاہتا تھا، اور جو اب میری بیوی ہے، میرا جی چاہتا ہے اس کی قبر میں اُتروں اور دیکھوں اپنی بنتِ عم کی میرے ساتھ شادی ہونے پر کچھ حمیت اس میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں؟

تنطاظ کہتا ہے، میں اس کی باتیں سُن رہا تھا، آواز سے میں نے پہچان لیا کون ہے؟ میں فوراً قبر سے برآمد ہوا، میں نے کہا، "ہاں ربِّ کعبہ کی قسم! میری حمیت اس کی (بنتِ عم کی) شادی نہیں برداشت کر سکتی۔ بے سان گمان قبر سے مردہ نکلتے، اور اسے باتیں کرتے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، ہوش و حواس جاتے رہے وہ بے ہوش ہو کر تڑ سے گر پڑا۔

میں پورے اطمینان سے اس کے اونٹ پر بیٹھ گیا، اس پر ہر طرح کا ساز و سامان تھا، نقد کی اچھی خاصی تعداد تھی، یہ سب کچھ لے کر میں فرار ہو گیا، اور اس طرح میں نے مصیبت سے نجات پائی۔

میں نے سُنا بصرے میں لوگ چہ می گوئیاں کرتے تھے، اور قسمیں کھا کھا کر بیان کرتے تھے کہ قبر سے میت نکلی اور اس نے اس آدمی کو ڈرایا جس نے اس کی بنتِ عم سے اس کی خلاف مرضی شادی کرلی تھی۔ لوگ سُنتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ عقل مند ان باتوں کا مذاق اُڑاتے تھے اور سادہ لوح جھرجھری لے کر خاموش ہوجاتے تھے۔ مجھے ساری حقیقت معلوم تھی، ٹھٹھا لگاتا تھا، اس طرح جیسے مجھے بڑا تعجب ہو رہا ہے۔

دوستوں نے فرمایش کی، یہ واقعہ ہے تو دلچسپ، مگر کچھ اور بھی سُناؤ، میں نے کہا ایک اس سے بھی پُرلطف واقعہ سُنو!

میں گلیوں میں چکر لگا رہا تھا کہ کہیں موقعہ ملے تو چوری کروں، خُدا کی قسم میں چکر لگاتا رہا، لیکن کہیں چوری کا موقعہ نہیں ملا۔ سامنے ایک درخت تھا، جس کے نیچے سوار اور مسافر آکر قیلولہ کیا کرتے تھے، وہیں ایک سائے دار جگہ تھی۔ میں نے دیکھا ایک آدمی اپنے گدھے پر سوار اسی درخت کی طرف جا رہا ہے، میں نے کہا:۔

"سُنتے ہیں آپ؟"

"ہاں کہو"

"جہاں آپ قیلولہ کرنے والے ہیں بڑی خطرناک جگہ ہے، جانور تو وہاں رہتے ہی نہیں پلتے ہیں، غائب ہوجاتے ہیں، میں پہلے سے آپ کو چوکنا کیے دیتا ہوں"

اس نے میری بات سُنی کی اَن سُنی کردی اور جا کے وہیں لیٹ گیا۔ میں دیکھتا رہا، دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ سو گیا۔ میں اس کے

گدھے کی طرف بڑھا، اسے اپنے قبضے میں کیا، اس کی ذرا سی دُم کاٹ دی اور دونوں کان بھی، گدھے کو تو میں نے ایک جگہ چھپا دیا اور یہ چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں۔

میں چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ جب وہ شخص جاگا تو دیکھا گدھا ندارد، اس کی تلاش میں اٹھا، دفعتہً اس کی نظر گدھے کے کٹے ہوئے کان اور دُم پر پڑی، یہ دیکھ کر دہ سہم گیا، اور نہ جانے کیا سوچ کر، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا، اور مُڑ کر بھی نہ دیکھا، شاید وہ ڈر رہا تھا اس کا بھی وہی حشر نہ ہو جو گدھے کا ہوُا مجھے موقعہ مل گیا، میں نے اس کی ساری جمع جتھا اپنے قبضے میں کی، اونٹ پر اسے بار کیا، اور اپنے بال بچوں میں شاداں و فرحاں پہنچ گیا۔

ابو الہیثم کہتے ہیں، ایک آدمی کو پھانسی دی جا رہی تھی، حجاج نے پوچھا،

"یہ کون ہے؟"

"دیدہ دلیر چور شنظاظ"

"خدا کی قسم یہ اسی عقوبت کا مستحق ہے"

شنظاظ کو سوُلی پر لٹکا دیا گیا، اور اس کا چراغِ حیات ہمیشہ کے لیے گُل ہو گیا، جو ایک عرصۂ دراز تک لوگوں کو لوٹتا کھسوٹتا، تباہ و برباد کرتا، اور طرح طرح سے نقصان پہنچاتا رہا تھا۔

---

(۱۰۸) قصۂ ربطِ ماضی!

قبیلۂ بنی عامر نے قبیلۂ بنی نہد پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن عجلان[1] کی بیوی ہند نے بنی عامر کے ایک غریب اور خراب حال غلام سے کہا:۔

"میں تجھے پندرہ اونٹنیاں انعام دوں گی تو میرے قبیلے تک چلا جا! بنو عامر کی چڑھائی سے پہلے تو انھیں خبردار کر دے"

"بہت خوب" غلام نے جواب دیا۔

ہند نے فوراً سامانِ سفر تیار کیا، اپنے شوہر کی ایک تیز رفتار سانڈنی سواری کے لیے دی، کچھ کھجوریں ساتھ کر دیں، دودھ سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ بھی دے دیا۔ غلام ہوا سے باتیں کرتا ہوا چل پڑا، دودھ راستے میں ختم ہو گیا، وہ جب منزل پر پہنچا تو قبیلے کے لوگ تلاشِ معاش اور سامانِ معیشت کی جستجو کے سلسلے میں باہر گئے ہوئے تھے۔ صرف عورتیں ہی عورتیں تھیں، وہ اس حال میں پہنچا کہ اس کی زبان خشک ہو رہی تھی، قبیلے والوں نے جب اس سے بات کی تو اس میں

---

[1] عبداللہ بن عجلان، عہدِ جاہلیت کا مشہور شاعر، قبیلۂ بنی نہد کا ایک ممتاز فرد، اپنی قوم میں سردار مانا جاتا تھا۔ ایک روز وہ شراب کے نشے میں اتنا مبہوت تھا کہ اپنی بیوی ہند کو طلاق دے بیٹھا، بعد میں وہ اس حرکت پر بہت پشیمان ہوا، آخر اسی غم میں مر بھی گیا۔ طلاق کے بعد ہند نے بنو عامر کے ایک شخص سے شادی کر لی تھی، اس قبیلے سے اور بنو نہد سے ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔

اتنی سکت بھی نہ تھی کہ جواب دے سکتا، صرف زبان کی طرف اشارہ کیا، اور خاموش ہو گیا۔ خراش بن عبداللہ نے فوراً دُودھ اور مکھن منگوایا، اور گرم کر کے اسے پلا دیا۔ جب اس کی زبان تر ہو گئی، تب جا کر اس میں اتنی توانائی آئی کہ بات کر سکے۔ غلام نے کہا، "میں ہند کا بھیجا ہوا قاصد ہوں، تمھیں بنو عامر کے حملے سے ہوشیار کرنے آیا ہوں"

بنو نہد نے تیاریاں مکمل کر لیں، اور منتظر ہو بیٹھے۔ جب ان پر بنو عامر نے چڑھائی کی، تو وہ بھی گھوڑوں پر سوار ہو میدان میں پہنچ گئے، بڑے گھمسان کا رن پڑا، بنو عامر کو شکست ہوئی، بنو نہد جیت گئے، عبداللہ بن عجلان نے کہا:۔

"میری آنکھ کو یہ کیسی تکلیف ہے؟ اسے کوئی غم پہنچا ہے یا تنکے کی کھٹک نے آنسو جاری کر دیے ہیں؟

وہ گھر ویرانہ بن گیا، وہ زبور یمانی (کرم خوردہ کتاب) کی طرح دکھائی دیتا ہے، جس کی سطریں پڑھی نہ جاتی ہوں۔

وہاں میں نے ہند کو اور اس کی ان سہیلیوں کو یاد کیا جن کے سبب آدمی جھوٹ بھی بول سکتا ہے، اور اپنے آقا کی نافرمانی بھی۔

کوئی رونے والی ایسی نہیں ہے، جو اپنے عاشق کو یاد کرے، اس کے غم میں روئے، اور اس کی آہوں کا تار نہ ٹوٹے۔

وہ مجھ سے زیادہ رو رہی ہو، جب میں نے دیکھا اس کا اُونٹ صبح صبح ہانکا جا رہا ہے۔

کیا ہند کو نہیں معلوم کہ اس کی قوم نے، بنو عامر سے کیا
برتاؤ کیا، جب ڈرانے والا دوڑتا ہوا آیا تھا؟
انھوں نے ہم سے کہا، ہم تم سے مقابلہ پسند کرتے
ہیں، ہم تمھاری زین کو سلام کرتے ہیں، اور اس کی زیارت
کرتے ہیں۔
ہم نے کہا، پھر تو ہم بھی اس وقت تک نہ واپس
ہوں گے، جب تک ہمارے مضبوط نیزوں سے خون نہ
ٹپک رہا ہو۔"

---

(۱۰۹) شہرِ حیرہ[1]

سلیمان بن بشر بن عبد الملک کہتے ہیں، کوفے کا ایک والی بنو امیہ کے دور میں، شہر حیرہ کی برائیاں کیا کرتا تھا۔ کسی عقیل و فہیم آدمی نے کہا:-
"آپ ایسے شہر کی برائیاں کرتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت اور عہدِ اسلام میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کیے رہا؟"
"اس کے وہ کون سے فضائل ہیں؟ کہو تو؟"
"حیرہ کی آب و ہوا، اس کی سرسبزی اور شادابی، اس کی ہر چیز بہتر اور عمدہ، جہاں جانور بھی آرام پائیں، اور چوپائے بھی۔

---

[1] کوفے سے تین میل کے فاصلے پر یہ شہر آباد تھا، اپنے عہد میں بڑا آباد، بارونق، اور پُرفضا شہر تھا، اس کی تعریف میں بڑی بڑی کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ شاعروں نے بھی اس کی مدح میں طبع آزمائی کی ہے، عرب کا مشہور تاریخی قصر خوانق اس سے ایک میل مشرق میں واقع ہے۔

وہاں کے ٹیکرے، وہاں کی وادیاں، وہاں کے پہاڑ، باغ، زمین، دریا، کونسی چیز ہے جو جاذبیت نہ رکھتی ہو؟ وہ ایسا شہر ہے جہاں بادشاہوں کے سر بہ فلک محلات اور مزارات ہیں۔ وہ ان کی زندگی کا گہوارہ بھی تھا اور مرنے کے بعد گوشۂ قبر بھی۔

خدا تمھیں راہِ راست پر لائے، تم وہاں اس طرح پہنچے کہ بے مایہ تھے اور اس طرح واپس ہوئے کہ زردار تھے۔ تم نے جب اسے دیکھا تو خالی ہاتھ تھے پھر اسی نے تمھیں تونگر بنا دیا"

"اچھا تم نے اس کے جو فضائل بیان کیے، ان کا ثبوت؟"

"ثبوت؟ ثبوت یہ کہ تم میرے پاس آؤ، لذاتِ عیش میں سے جو کچھ تم طلب کروگے میں تمھیں دوں گا، خدا کی قسم تم حیرہ میں ہوگے تو تمھاری کوئی تمنا باقی نہ رہے گی"

"اچھا تو جو کچھ کہتے ہو کر دکھاؤ"

"ابھی لیجیے"

پھر اس نے بہترین کھانے تیار کیے، اعلیٰ درجے کے کلیجے، مچھلی، ہرن، نیل گائے، خرگوش، تیتر، پھر اس نے وہاں کے بنے ہوئے پیالوں میں پانی پلایا، شراب بھی وہیں کے بنے ہوئے برتنوں میں پلائی، اعلیٰ درجے کے قالینوں پر بٹھایا، خدمت کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا، خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، جو وہاں کے رہنے والوں میں سے نہ ہو۔ وہ ایسے تاباں تھے جیسے چمکتے ہوئے موتی۔ ان کی زبان حیرہ کی زبان تھی، وہی لہجہ، وہی تلفظ، پھر حنین اور اس کے ساتھیوں نے اپنے ہاں کے ایک بڑے شاعر عدی بن زید[1]

---

[1] عدی بن زید عہدِ جاہلیت کا ایک فصیح و بلیغ شاعر مذہباً عیسائی تھا (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۷ پر)

اور اعشیٰ ہمدون[1] کے اشعار گائے، جو کچھ سُنایا وہ انھی کا کلام تھا، پھر اس نے حیرہ کے پھل پھول سے تواضع کی، انھوں نے شراب پی، پھل کھائے اور کہا:۔

"کہیے کیا آپ نے کسی بات کے بارے میں بھی مجھ سے مدد طلب کرتے دیکھا، جو کچھ بھی آپ نے کھایا، پیا، لُطف اٹھائے، آرام کیا، سُنا، کیا، یہ کچھ حیرہ کے علاوہ کہیں اور بھی مل سکتا ہو بتائیے؟"

"نہیں خُدا کی قسم نہیں، تم نے اپنے شہر کی خوب تعریف کی، اپنی اس ذمّے داری سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے، خُدا تم کو اور تمھارے شہر کو برکت عطا کرے"

(صہ ۳۲۳ کا بقیہ نوٹ)، اصمعی اور ابوعبیدہ اس کے متعلق کہا کرتے تھے "عدی بن زید شعرا میں اس طرح نمایاں ہو، جیسے ستاروں میں سہیل، یہ یمامہ کا رہنے والا تھا، اس کے دادا ایوب نے کسی کو قتل کر دیا، اور بھاگ کھڑا ہوا، پھر وہ حیرہ پہنچا، اور وہیں رہ پڑا۔ کچھ عرصے بعد دربارِ شاہی تک رسائی ہو گئی، وہاں بڑی قدر و منزلت ہونے لگی، اس کے بیٹے زید نے بھی بہت اعزاز حاصل کیا۔

عدی کسریٰ کا بھی مقربِ بارگاہ تھا، اس کے شاہی دفتروں میں پہلے پہل عربی کا چلن اسی نے شروع کیا۔

جب نعمان بادشاہ ہوا، تو بعض لوگوں نے اس سے عدی کی چغلی کھائی، اس نے اسے قید کر دیا، قید ہی میں اس کی وفات ہوئی۔

[1] اعشیٰ ہمدان، نام عبدالرحمن، کنیّت ابوالمصبح، مشہور شاعر ہو۔ عہد امویہ میں ترقی کی فقیہہ اور قاری بھی تھا، لیکن شعر و شاعری کی طرف زیادہ میلان تھا۔ ابن اشعث کی بغاوت میں یہ بھی شریک تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، اور قتل کر دیا۔

(۱۱۰) حنین[1] اور عبداللہ بن سریج

ابو اسحٰق ابراہیم بن مہدی کہتے ہیں، میں خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ تھا۔ اسی سال عون العبادی[2] میرے پاس آیا تھا، وہ میرے پاس حنین بن بلوع کے پوتے کو لے کر آیا تھا جو بوڑھا ہو چکا تھا۔ اپنے دادا کے متعدد راگ اس نے سُنائے، میں نے کچھ زیادہ داد نہیں دی، بڑا بدصورت، بدآواز، اور بدقوارہ تھا، ہاں یہ بڑی صفت تھی کہ راگ کی تان جب تک پوری نہ کر لے دم نہیں لیتا تھا۔ گاتے گاتے اس نے ابنِ سریج کا راگ گایا:۔

"میں نے اسے درندوں کی خوراک بنا کر چھوڑ دیا، جو آ سے
اس جگہ سے نوچ رہے تھے، جو اس کی کھوپری اور کلائی
کے مابین ہے!"

مجھے نہیں یاد کہ یہ راگ اس سے زیادہ اچھے طور پر میں نے کسی اور سے سُنا ہو، میں نے اس سے کہا، "یہ راگ تو تم نے خوب گایا، حالاں کہ یہ راگ نہ تمھارے دادا کا ہے، نہ تمھارے شہر کا، اسی پر مجھے حیرت ہے"۔ بوڑھے نے مجھ سے کہا، "صلیب اور قربان کی قسم، یہ راگ ہمارے ہی گھر میں ڈھالا گیا ہے۔ میرے دادا کے تہ خانے میں بنا ہے، اس نے تو میرے چچا کی جان پر بنا

---

[1] حنین بن بلوع حیرہ کا رہنے والا، کنیّت ابو کعب، بڑا شاعر اور بہت بڑا گویا تھا، مذہباً عیسائی تھا، اس کے اونٹ کرایے پر شام جایا کرتے تھے۔

[2] عباری، چند عیسائی خاندان جو حیرہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔

دی تھی ——"

میں نے کہا، پورا ماجرا سناؤ! کہنے لگا، مجھ سے میرے والد بیان کرتے تھے، عبید اللہ بن سریج ایک دفعہ حیرہ میں آیا، اس کے پاس تین سو دینار تھے، یہ رقم لے کر وہ ہمارے گھر پہنچا، کہنے لگا، میں حجازی ہوں، گانے کا سننے والا ہوں، مجھ تک حیرہ کی خوش بو پہنچی، مشامِ جان معطر ہو گیا، تمھارے گانے کی بھنک پہنچی بے قابو ہو گیا، ہائے کیا خوب کہا ہے:-

"مجھے زمانے کی مصیبتوں نے سرنگوں کر دیا، یہاں تک کہ
میں ایسا ہو گیا، گویا میں شکاری تاک لگائے بیٹھا ہوں۔
مجھے جو دیکھتا ہے ضعیف سمجھتا ہے، اگرچہ میں قیدی نہیں
ہوں، پھر بھی میں قیدی ہوں۔
میں یہ دینار لے کر نکل پڑا، تاکہ انھیں تمھارے ساتھ تمھارے
پاس خرچ کروں، ہم ساتھ ساتھ رہیں یہاں تک کہ یہ رقم ختم
ہو جائے، اور میں پھر اپنے گھر لوٹ جاؤں"

میرے دادا نے اس سے نام اور نسب پوچھا، اس نے غلط سلط بتا دیا، کہا کہ وہ بنو مخزوم کا ایک فرد ہے، میرے دادا نے اس سے ساری رقم لے لی اور کہا، "تمھارا روپیہ تمھیں کاٹ رہا ہے، لاؤ مجھے دو، تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو گی مل جائے گی، تم سا آدمی ہمارے پاس رہ کے خوش نہیں رہ سکتا۔ جب تمھارا گھر جانے کو جی چاہے، تو ہم سامان کر دیں گے، تمھارے دینار تمھیں لوٹا دیں گے اور جو کچھ تمھارے اوپر خرچ ہو گا وہ ہمارے ذمے ہے کہ تم ہمارے یہاں آئے ہو"

پھر میرے دادا نے اسے الگ ایک مکان میں ٹھہرایا، جس میں وہ

اکیلا رہتا تھا، وہ ہمارے پاس دو مہینے ٹھہرا، نہ ہمارے دادا جانتے تھے اور نہ گھر کا کوئی اور آدمی کہ یہ شخص گانا بھی جانتا ہے۔ ایک روز میرے دادا بشر بن مروان کے ہاں سے لوٹے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی، وہ گھر کے دروازے پر پہنچے جہاں ابنِ سریج رہتا تھا، دیکھا تو دروازہ بند، انھیں کچھ شبہہ گزرا، دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن صدائے برنخاست۔ اب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے وہاں دیکھتے ہیں تو نہ ان کی لڑکی ہے نہ لونڈیاں، البتہ اس گھر اور ابنِ سریج کے گھر کا درمیانی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اب تو انھوں نے تلوار سونت لی اور اندر گھس پڑے کہ اپنی لڑکی اور لونڈیوں کو قتل کر دیں، جب اندر پہنچے تو انھوں نے دیکھا ان کی لڑکی مع لونڈیوں کے نہ خانے کے دروازے پر کھڑی ہے، وہ سب دادا جان کو خاموش رہنے اور آہستہ آہستہ چلنے کا اشارہ کرنے لگیں'' لیکن وہ ذرا بھی ملتفت نہ ہوئے کہ یہ کیسے اشارے ہیں؟ یہاں تک کہ ان کے کان میں ابنِ سریج کے نغمے کی آواز آئی، وہ یہی راگ گا رہا تھا۔ انھوں نے تلوار تو ایک طرف پھینکی اور بیخود ہو کے ایک چیخ ماری۔ انھوں نے اگرچہ اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن آوازِ نغمہ سے پہچان لیا تھا کہ یہ کمال ابنِ سریج کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے کہا، "ابو یحییٰ میں تم پر قربان۔ تم تین سو دینار لے کر آئے ہو کہ وہ ہمارے پاس رہ کر خرچ ہوں؟ مسیح کی قسم تم حیرہ سے نہیں جا سکو گے، مگر اس حال میں کہ تمھارے پاس تین سو دینار، اور تین سو دینار، اور تین سو دینار ہوں گے۔ یہ اس رقم کے علاوہ ہوں گے جو تم اپنے ساتھ لائے تھے''، پھر وہ آگے بڑھے اس سے معانقہ کیا، مرحبا کہا، اور اس طرح ملے کہ اس سے پہلے اس طور پر کبھی نہ ملے ہوں گے۔ پھر اس راگ کے بارے میں پوچھا، اس نے کہا، "یہ راگ

تو میں نے ابھی ایجاد کیا ہے!"

میرے دادا ابنِ سریج کو بشر بن مروان کے پاس لے گئے، اس نے پہلی مرتبہ اسے دس ہزار درہم دیے، بعد میں اتنی ہی رقم اور دی۔

جب اس نے حیرہ سے جانے کا ارادہ کیا تو میرے دادا نے اس کا سارا مال اسے واپس دے دیا۔ اتنے ہی زادِ راہ کا انتظام کر دیا، جتنا اس نے مکّے سے حیرہ تک خرچ کیا ہوگا۔

ابنِ سریج اپنے گھر واپس چلا گیا، ہمارے گھر کا ہر آدمی اس سے یہ راگ سیکھ چکا تھا۔

---

(۱۱۱) مِلاپ

عبدالملک بن مروان اپنی بیوی عاتکہ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ عاتکہ یزید بن معاویہ کی لڑکی تھی، ایک مرتبہ وہ عبدالملک سے روٹھ گئی، درمیان کا ــــــ زنانہ اور مردانے کا ــــــ دروازہ اس نے بند کر دیا۔

عبدالملک عاتکہ کی خفگی سے بہت دلگیر ہوا، اس نے اپنے مصاحبوں میں سے ایک شخص عمر بن ہلال الاسدی سے اپنے دردِ دل کا ماجرا کہا۔ عمر نے کہا، "اگر میں راضی کر دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا؟" عبدالملک نے کہا، "جو مانگو گے!"

بات پختہ کر کے عمر عاتکہ کے دروازے پر رونی صورت بنائے ہوئے پہنچا، اس نے اندر سلام کہلوایا، فوراً پیش خدمتیں، کنیزیں اور مامائیں حاضر ہوئیں، انھوں نے پوچھا، "کیا ہے روتے کیوں ہو؟" جواب دیا "میں

بڑی اُمیدوں کے ساتھ اپنی فریاد عاتکہ کے پاس لایا ہوں، وہ جانتی ہیں کہ امیرالمومنین معاویہ اور پھران کے بعد یزید کے ہاں میرا کیا درجہ تھا؟" انھوں نے کہا، "کچھ منہ سے تو بولو"

عمر نے کہا، "میرے صرف دو لڑکے ہیں، ایک نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا، امیرالمومنین نے فرمایا، "میں دوسرے کو بھی قتل کر دوں گا" میں نے عرض کیا، میں اپنے مقتول بیٹے کا ولی ہوں، میں نے معاف کیا۔ انھوں نے فرمایا، "میں یہ معافی قبول نہیں کروں گا، تاکہ آیندہ لوگ ایسے کاموں پر جری نہ ہوں" میں یہ آرزو لے کر آیا ہوں کہ عاتکہ بی بی میرے اس دوسرے لڑکے کی زندگی رکھ لیں"

کنیزیں اندر گئیں اور سارا قصّہ کہا، عاتکہ نے کہا، "یہ ٹھیک ہے لیکن میں کیا کر سکتی ہوں؟ میں تو خود امیرالمومنین سے خفا ہوں" کنیزوں نے دست بستہ عرض کیا، "تب تو وہ بے چارہ خُدا کی قسم قتل کر دیا جائے گا" کنیزیں اسی طرح عرض معروض کرتی رہیں، آخر عاتکہ نے اپنے کپڑے منگوائے وہ خوشبوئیں بسائے گئے، یہ لباس زیب تن کر کے وہ دروازے کی طرف چلی۔ خواجہ سرا حدیج نے اطلّاع دی، "امیرالمومنین! عاتکہ آ رہی ہیں!" خلیفہ کو یقین نہ آیا، کہا، "کیا بکتا ہے؟"

"خُدا کی قسم وہ دیکھیے نمودار ہوئیں؟"

اتنے میں عاتکہ آ گئی۔ اس نے خلیفہ کو سلام کیا، مگر خلیفہ صاحب روٹھے ہوئے تھے، انھوں نے جواب بھی نہیں دیا۔ عاتکہ نے کہا، "خُدا کی قسم عمر کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ آتی، اس کے دو بیٹوں میں جھگڑا ہوا، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اب آپ اسے بھی قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ وہ اپنے

لڑکے کا ولی ہے اور معاف کیے دیتا ہے پھر آپ کو کیا؟"

امیرالمومنین نے پوری سنجیدگی سے فرمایا، "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اس طرح کی مثالیں قائم ہوں"

"خدا آپ کو سلامت رکھے امیرالمومنین آپ کو معلوم ہے امیرالمومنین معاویؓ کے زمانے میں اس کی کیا منزلت تھی؟ امیرالمومنین یزید کے دربار میں اس کا کیا درجہ تھا؟ اب وہی میرے دروازے پر سائل بنا کھڑا ہے!"

امیرالمومنین عاتکہ کی یہ عرض داشت سُنتے رہے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اس نے جھک کر ان کے پانوں چومے اب جا کے امیرالمومنین نے "معاف" کیا، تھوڑی دیر کے بعد دونوں میں ملاپ ہو گیا۔

عمر بن بلال عبدالملک کے پاس پہنچا اور یوں گویا ہوا "یا امیرالمومنین، آپ نے ملاحظہ فرمایا؟"

"ہاں ہم نے تمھاری کارگزاری دیکھ لی، بولو کیا مانگتے ہو؟"

"زمین اور اس کا ساز و سامان، ایک ہزار دینار، اپنی آل، اولاد اور عزیزوں کے لیے وظائف"

"یہ سب منظور"

پھر عبدالملک کثیرؔ کے یہ اشعار گُن گُنانے لگا:-

"میں محبوبہ کے قبیلے کی رعایت اس کے احترام کے سبب کرتا ہوں، اگر وہ بدراہ ہوں تو میں انھیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

اگر محبوبہ کا قبیلہ میرے قبیلے سے برسرِ جنگ ہو، تو میں قبیلۂ محبوب کا دوست رہتا ہوں، اور اس کے خلاف کوئی کینہ اپنے

دل میں نہیں رکھتا "

(۱۱۲) دِل چسپ کُشتی!

ایک آدمی ہلال سے روایت کرتا ہے کہ میں مدینے گیا۔ آلِ مروان میں سے ایک شخص وہاں حاکم تھا۔ میں اپنے اونٹوں پر تاجروں کا مال بار کیا کرتا تھا، وہ بوجھ اُتار ہی رہا تھا کہ کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ تمھیں امیر نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے کہا "میرے اونٹوں اور سامان کا کیا ہوگا؟" جواب ملا "پروا مت کرو، اونٹ بھی سلامت رہیں گے، اور سامان بھی"

مجھے لے جایا گیا یہاں تک کہ میں امیر کے حضور میں پہنچ گیا۔ میں نے سلام کیا، پھر عرض گزار ہوا "میں آپ پر قربان میرے اونٹوں اور سامانِ امانت کو گزند نہ پہنچے"

"ہم تیرے اونٹوں اور سامانِ تجارت کے ضامن ہیں۔ یہاں تک کہ ہم انھیں تجھے سونپ دیں"

میں نے کہا، "امیر کو میری کیا ایسی ضرورت پیش آئی جو یاد فرمایا خدا مجھے امیر پر قربان کرے" امیر نے کہا (اس کے پہلو میں ایک زرد رنگ کا آدمی بیٹھا ہوا تھا واللہ میں نے ایسا بدصورت آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا بھونڈی صورت، موٹی گردن، میں نہیں جانتا اس کا طول زیادہ تھا یا عرض؟) یہ غلام جسے تم دیکھ رہے ہو خدا کی قسم مدینے میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اسے پچھاڑ سکے۔ سب کو یہی پچھاڑ چکا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے تم بڑے قوت والے ہو، میں چاہتا ہوں اگر تم اس آدمی کو پچھاڑ سکو تو پچھاڑو، اور عربوں کی

طرف سے بدلہ لے لو"

میں نے کہا، "میں امیر پر قربان، میں تھکا ہوا ہوں، پیاسا ہوں، بھوکا ہوں، اگر امیر کی یہی رائے ہے تو مجھے کم از کم ایک روز کی مہلت دی جائے تاکہ میں اونٹوں پر سے سامان اُتار سکوں، امانتیں پہنچا دوں، اور ذرا سستا بھی لوں، میں کل حاضر ہوں گا اور جو امیر کا حکم ہوگا اُسے بہ سر و چشم بجا لاؤں گا"

امیر نے اپنے آدمیوں سے کہا، "اس کے ساتھ جاؤ، اونٹوں پر سے سامان اُتروانے اور امانتوں کے ادا کرنے میں اس کی مدد کرو۔ اسے باورچی خانے بھی لے جاؤ اور اتنا کھلاؤ کہ شکم سیر ہو جائے" لوگوں نے امیر کے اس ارشاد کی تعمیل کی۔

باقی دن میں نے آرام کیا، رات بھی شکم سیری کی حالت میں گزاری، جب دوسرا دن ہوا میں امیر کے پاس پہنچا، میرے جسم پر ایک جبہ تھا اور ایک چادر تھی۔ تہمد کوئی نہیں تھا، میں نے عمامے سے اپنی کمر کس لی، امیر کو سلام کیا، اس نے جواب دیا، پھر اپنے پہلوان سے کہا، "اُٹھو اس کے پاس جاؤ! میں دیکھتا ہوں اللہ نے ایسا آدمی بھیجا ہے جو تمھیں شرمسار کرے گا"

غلام نے کہا، "اے اعرابی تیار ہو جا!" میں نے چادر اپنے جبے پر ڈال لی۔ اس نے کہا، "ارے بے وقوف یہ سلامت نہیں رہے گی" میں نے پنجہ مارا، اور یہ میرے ہاتھ میں آئی" میں نے کہا، "میرے پاس تہمد نہیں ہے" امیر نے لباس منگوایا اور مجھے مرحمت کیا، میں نے ایسا اعلیٰ لباس کا ہیکو کبھی دیکھا یا پہنا ہوگا؟ میں نے اسے پہن لیا اور جبہ اُتار پھینکا۔

وہ غلام میرے اِرد گرد گھوم رہا تھا، مجھے دھوکا دے کر وار کرنا چاہتا

تھا۔ میں اس سے خائف تھا میری سمجھ میں نہیں آتا تھا اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوں۔ پھر وہ مجھ سے بہت قریب ہوگیا، اس نے میرے ماتھے پر ناخن گڑو دیے۔ میں نے بہت تکلیف محسوس کی، اس کی اس حرکت سے مجھے غصہ بھی بہت آیا، میں اس کی بدہیئتی کو دیکھنے لگا جس نے میری طبیعت میں انقباض پیدا کر رکھا تھا۔ میں نے اس کے بدن میں سر سے چھوٹی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میں نے اپنا انگوٹھا اس کی کنپٹی پر رکھا، اور دوسری انگلی کان کی لو پر، پھر میں نے کس کے دبایا، تکلیف سے وہ چیخ اٹھا، کہنے لگا، "میں مرا" "میں مرا" "ظالم تو نے تو مجھے مار ڈالا"

امیر نے کہا، "اس غلام کا سر مٹی میں رگڑ دے" میں نے کہا، "جیسا حکم ہو" پھر میں نے اس کا سر کس کے زمین پر رگڑ دیا، اس پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

امیر نے یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ ہنسنے لگا، یہاں تک کہ دوہرا ہوگیا، حکم دیا کہ مجھے انعام، سلہ، اور خلعت مرحمت ہو، میں نے یہ سب لیا، اور چل دیا۔

---

(۱۱۳) رنگ میں بھنگ

ابن بسحز کہتے ہیں، واثق باللہ[1] کے حضور میں میری باری مقرر تھی میں

---

[1] الواثق باللہ بنو عباس کا نواں خلیفہ تھا، اس خاندان کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح تھا، (۱۳۲ھ) دوسرا ابوجعفر منصور، (۱۳۷ھ) تیسرا مہدی بن منصور (۱۶۹ھ) چوتھا ہادی بن مہدی، پانچواں ہارون رشید (۱۷۰ھ) (بقیہ نوٹ ص۳۳۴ پر)

ہر جمعے کو اس کے درِ دولت پر حاضری دیتا۔ اگر دیکھتا کچھ پینے پلانے کا ڈھنگ ہے تو ٹھہر جاتا۔ اگر دیکھتا مزاج دوسری طرف مائل ہے تو چلا آتا۔ ہماری وضع میں یہ بات داخل ہو گئی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنی باری سے پہلے حضور میں جاتا نہیں تھا۔

باری کا دن تو تھا نہیں، میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں خلیفہ کے قاصدوں کا تانتا لگ گیا۔ "چلیے امیرالمومنین نے یاد فرمایا ہے" میں نے کہا۔ "خیر تو ہے؟" جواب ملا "ہاں خیریت ہے، آپ فوراً چلیے" میں نے کہا۔ "آج کا دن میری باری کا نہیں ہے، آج ہرگز امیرالمومنین مجھے نہیں یاد فرما سکتے۔ شاید تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے" کہنے لگے۔ "تو بہ زیادہ باتیں نہ بنایئے فوراً چلیے، خلیفہ نے ہمیں حکم دیا ہے، آپ کو ذرا بھی مہلت نہ دیں"

اب تو میں ذرا گھبرایا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کسی نے لگائی بجھائی کی ہو؟ یا خلیفہ خود کسی بات پر برہم ہو بیٹھا ہو؟ میں اٹھا، سوار ہوا، اور خلیفہ کے درِ دولت پر پہنچ گیا۔ اور عادت کے مطابق اس دروازے سے جانے لگا جس سے ہمیشہ جایا کرتا تھا۔ لیکن مجھے روک دیا گیا۔ خدام نے میرا ہاتھ پکڑا، اور دوسرے دروازے سے اندر داخل کر دیا۔ اور ایسی بھول بھلیّوں سے لے گئے کہ میں راستہ بھی نہیں پہچان سکا۔ اب میں اور بھی زیادہ سہم گیا، دہشت کچھ اور بڑھ گئی، خدامِ بارگاہ کا ایک گروہ مجھے دوسرے گروہ تک پہنچاتا رہا۔ آخرکار میں ایسے گھر میں پہنچ گیا، جہاں صحن میں فرش

(صد ۳۳۳ کا بقیہ نوٹ) ، چھٹا امین بن ہارون، ساتواں مامون رشید، آٹھواں، معتصم باللہ، نواں واثق باللہ، یہ ۲۲۷ھ میں تختِ خلافت پر بیٹھا۔

کیا ہوا تھا۔ دیواروں پر زرکار پردے لٹک رہے تھے، پھر میں ایک بارہ دری میں پہنچا، یہاں بھی ویسے ہی پردے لٹک رہے تھے، دیکھتا کیا ہوں، واثق باللہ ہیرے جواہرات سے مرصّع تخت کے صدر میں بیٹھا ہوا ہے، زرنگار لباس پہنے ہوئے ہے، اس کے پہلو کے قریب اس کی منظورِ نظر کنیز فریدہ بیٹھی ہوئی ہے، یہ بھی ویسے ہی کپڑے زیبِ تن کیے ہوئے تھی، اس کی گود میں عود رکھا ہوا تھا۔

خلیفہ نے جب مجھے دیکھا تو کہا، "واللہ محمدؐ تم خوب آئے، آؤ آؤ"

میں نے زمین چومی اور عرض کیا، "امیرالمومنین خیریت تو ہے؟" فرمایا "تم دیکھتے نہیں، خیریت ہے میں نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ ہمیں ایک تیسرے رفیقِ بزم کی ضرورت تھی، تجھ سے زیادہ میں نے کسی کو اس کا سزاوار نہ پایا۔ تجھے میری جان کی قسم ہے، جلدی کر، کچھ کھا پی لے، اور فوراً آ"

میں نے کہا، "میرے آقا، خدا کی قسم میں کھا بھی چکا، اور پی بھی چکا"، حکم ہوا، "بیٹھ" میں بیٹھ گیا، پھر فرمایا، "محمد کے لیے ایک جام میں شراب لاؤ" شراب لائی گئی، فریدہ گا رہی تھی :-

"میں تیرے دَب دَبے کی وجہ سے تجھ سے خائف ہوں،
حالاں کہ تیرا کوئی زور مجھ پر نہیں ہے"

وہ گا کیا رہی تھی سحر کر رہی تھی، ایک کے بعد ایک راگ گاتی چلی جا رہی تھی، میں بھی اس کی نغمہ ریزی کے دوران میں ایک آدھ تان لگا دیتا تھا۔ بڑے مزے میں ہمارا یہ وقت گزر رہا تھا کہ دفعتہً خلیفہ نے لات اٹھا کے فریدہ کے سینے پر جو ماری ہے تو بے چاری تخت کی بلندی پر سے دھم سے زمین پر آ رہی۔ اس کا عود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ چیخنے چلّانے

لگی۔ میں اس طرح بیٹھا ہُوا تھا جیسے میری رُوح نکل رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر سر جُھکائے زمین کی طرف تکتا رہا، میں بھی سر جُھکائے بیٹھا تھا کہ شاید اب وہ گردن اُڑا دینے کا حکم دے گا۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اس نے کہا، "محمد!" میں اُچک پڑا، اس نے کہا، "کم بخت یہ عجیب و غریب ماجرا تو نے دیکھا؟" میں نے کہا، "میرے آقا اس وقت تو میری رُوح پرواز کیے جا رہی ہے، خُدا کی اس پر لعنت ہو جس کی نظرِ بد نے رنگ میں بھنگ کر دیا، باعث بر ہمی کیا ہُوا؟ کیا کوئی خطا سرزد ہوئی تھی؟" اس نے کہا، "نہیں خُدا کی قسم نہیں۔ مجھے یہ خیال آیا کہ جعفر[1] اس میری جگہ متمکن ہو گا، وہ فریدہ کے ساتھ بیٹھے گا۔ جس طرح یہ میرے پاس بیٹھی ہے، ایسے ہی تب بھی بیٹھے گی۔ اس خیال کے آتے ہی میں صبر نہ کر سکا، میں اتنا حواس باختہ ہو گیا کہ جو کچھ مجھ سے سرزد ہُوا تم نے دیکھ ہی لیا۔" میں نے کہا، "خُدا جعفر کو غارت کرے اور امیرالمومنین کو تا ابد سلامت رکھے۔" پھر میں نے زمین چُومی اور عرض کیا، "میرے آقا خُدا کے لیے فریدہ پر رحم کیجیے، اسے واپس بُلا لیجیے۔" خلیفہ نے بعض خدّام سے جو وہیں کھڑے ہوئے تھے کہا، "فریدہ کو کون لائے گا؟" ابھی کوئی آگے نہ بڑھنے پایا تھا کہ وہ نمودار ہوئی، اس کے ہاتھ میں اس کا ساز تھا لباس پہلے والا نہ تھا، خلیفہ نے جب اسے دیکھا تو مہربانی کی باتیں کرنے لگا، وہ رونے لگی، خلیفہ بھی اس کے ساتھ گریہ کناں ہو گیا، میں نے اسی عالمِ گریہ میں گانا شروع کیا۔

فریدہ نے خلیفہ سے کہا، "میرے آقا! میرے مالک! میرا گناہ کیا تھا؟ کس خطا کی پاداش میں مجھے یہ سزا دی گئی؟" خلیفہ نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا

---

[1] واثق باللہ کا بھائی، متوکل علی اللہ جعفر بن المعتصم!

وہی اس سے بھی کہا۔ خلیفہ بھی رو رہا تھا اور وہ بھی رو رہی تھی۔ پھر وہ گویا ہوئی،
"امیرالمومنین میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں ابھی میری گردن اُڑا دیجیے،
اس فکر و غم سے مجھے نجات دیجیے، اور خود بھی آرام پائیے۔ یہ وہ کہتی جاتی
تھی اور روتی جاتی تھی۔ خلیفہ یہ سُنتا جاتا تھا اور آنسو بہاتا جاتا تھا۔ پھر
دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو پونچھے، کچھ عرصے کے بعد وہ اپنی
جگہ پر بیٹھ گئی، خلیفہ نے اپنے خُدّام سے کسی چیز کے لانے کی فرمایش کی۔
میں نہ سمجھ سکا کیا ہے؟ خُدّام چلے گئے اور کچھ تھیلیاں لائے، جن میں رُپے
اور اشرفیاں تھیں۔ کچھ گٹھریاں لائے جن میں بہت سے کپڑے تھے، ایک
خادم ایک ڈبہ لایا اس میں جواہرات کا ایک ہار تھا میں نے ایسا خوب
صورت ہار کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خلیفہ نے وہ ہار فریدہ کو پہنا دیا، پھر چند
تھیلیاں لائی گئیں جن میں دس ہزار درہم تھے، یہ رقم میرے سامنے
رکھ دی گئی۔ پانچ گٹھریاں بھی مجھے دی گئیں جن میں اچھے اچھے کپڑے تھے،
اب ہم اپنی حالت پر آ گئے، پہلے سے بھی اچھی حالت پر"!
رات گئے تک ہماری یہ مجلس قائم رہی، پھر ہم جُدا ہو گئے، اور
زمانہ اپنی سی کرتا رہا!

---

(۱۱۴) پُر لُطف شرارت!

زیاد بن خطاب جو ہارون رشید کے خادم مسرور کے محرّر تھے کہتے
ہیں، میں نے محبوب بن الہفتی کو اپنے والد سے بیان کرتے سُنا کہ "مجھے ایک
بار محمد بن سلیمان بن علی نے بُلایا اور کہا، "فلیح حجاز سے آیا ہے، ابن عتاب

کی مسجد کے پاس ٹھہرا ہی۔ اس کے پاس جاؤ اور کہو اگر وہ رشید کے پاس جانے سے پہلے مجھ سے مِل لے تو میں اسے قیمتی خلعت دوں گا، نیز پانچ ہزار درہم بھی دوں گا!"

میں فلیح کے پاس گیا اور اس سے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ اس نے مجھے خوش خوش جواب دیا اور میرے ساتھ چل پڑا، وہ قریب ہی ایک حمّام کے پاس ٹھہرا۔ اس نے داروغۂ حمّام کو بلایا، اسے دو درہم دیے اور کہا کوئی کھانے کی چیز لے آئے، تھوڑی سی نبیذ بھی لیتا آئے۔ وہ ایک کھوپری لے آیا، بچھڑے کی کھوپری معلوم ہوتی تھی، شراب بھی بڑی خراب تھرڈ قسم کی لے آیا، میں نے کہا، "ابھی نہیں"، میں نے کوشش کی، یہ کھانا بھی نہ کھائے اور پانی بھی نہ پیے۔ محمد بن سلیمان کے پاس تو چل ہی رہا ہی وہاں کھا پی لے گا۔ لیکن اس نے میری ایک نہ سُنی۔ کھوپری بھی چٹ کر گیا اور شراب بھی پی ڈالی، یہاں تک کہ موج میں آگیا اور گُن گُنانے لگا داروغۂ حمّام نے بھی اس کے ساتھ تان لگانا شروع کی۔ پھر فلیح کو کسی بات پر غصّہ آیا، اس نے داروغہ کو ڈانٹا۔ پہلے دونوں میں سخت کلامی ہوئی، پھر نوبت ہاتھا پائی کی پہنچ گئی۔ داروغہ نے کوئی چیز اٹھا کے فلیح کے سر پر دے ماری جس سے سر کھل گیا اور خون جاری ہو گیا۔ فلیح نے جب اپنے چہرے پر خون کے قطرے دیکھے تو گھبرایا اور واویلا کرنے لگا، پھر اس نے اپنا زخم دھویا، کچھ اُون منگوایا، اسے جلایا، زیتون کا تیل منگوایا اور پٹّی باندھ لی، پھر عمامہ پہنا اور میرے ساتھ ہو لیا۔

جب ہم محمد بن سلیمان کے ہاں پہنچے اور فلیح نے دیکھا فرش آراستہ ہی، ساز و سامان سجا ہوا ہی، اتنے میں کھانا بھی چُن دیا گیا، اور نبیذ بھی لائی

گئی، پردے ڈال دیے گئے، اور کنیزوں نے گانا شروع کیا، فلیح نے مجھ سے کہا:۔
" دوست تمھیں خُدا کی قسم سچ کہنا داروغہ کی مجلس دھما چوکڑی کے لیے موزوں تھی یا امیر کی ؟" میں نے کہا، "جھگڑا ٹنٹا تمھارے لیے ضروری ہے ؟" اس نے کہا، " نہیں خُدا کی قسم مجھے بغیر اس کے قرار نہیں آتا، لیکن اب تو یہ شوق میں اپنے سر کے راستے نکال چکا ہوں" میں نے کہا، "یہ بات ہے تو بھئی تم نے داروغۂ حمام کے ہاں جو کچھ کیا اچھا کیا، دل کی بھڑاس تو نکل گئی ۔"

محمد نے مجھ سے پوچھا، "کیا باتیں ہو رہی ہیں ؟" میں نے اسے فلیح اور داروغۂ حمام کی چھیڑ چھاڑ اور آویزش کا سارا قصہ کہہ سُنایا۔ بہت ہنسا، ہنستے ہنستے لوٹ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ " واللہ یہ بات تو اچھے اچھے کانوں سے بھی مزے دار ہے"

پھر محمد نے فلیح کو خلعت سے نوازا۔ اور پانچ ہزار درہم مرحمت کیے۔

---

(۱۱۵) فقیہ اور مُغنّی !

مشہور گویّا ابنِ جامع مکّے سے خلیفہ ہارون رشید کے پاس بغداد آیا وہ بہت خوش رو اور پابندِ صوم وصلوٰۃ شخص تھا، اس کی پیشانی پر سجدے سے گھٹّا پڑ گیا تھا۔ ایک لمبی ٹوپی پر کالا عمامہ باندھتا تھا، فقہا کا لباس پہنتا تھا، اور بڑے اچھے گدھے پر اہلِ حجاز کی طرح سواری کیا کرتا تھا۔

وہ یحییٰ بن خالد کے دروازے پر کھڑا تھا اس انتظار میں کہ اذنِ باریابی

مرحمت ہو، وہاں کا یہ دستور تھا کہ اجازت ملتی تو لوگ اندر چلے جاتے ورنہ واپس ہو جاتے۔ اسی اثنا میں قاضی ابو یوسف بھی اپنے اصحاب کے ساتھ اِدھر آئے، جب وہ دروازے پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا ایک آدمی ان کے پاس کھڑا ہے اور ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہا ہے۔ اتنے میں ان کی نظر ابنِ جامع پر پڑی وہ اس کی خوش روئی اور خوش بیانی سے متاثر ہوئے، آگے بڑھے اور اس کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر انھوں نے اس سے کہا۔ "مجھے ایسا اندازہ ہوتا ہے آپ حجازی ہیں، اور قرشی بھی ہیں"

"آپ کا اندازہ صحیح ہے"

"آپ قریش کے کس خاندان سے ہیں؟"

"بنی سہم سے"

"دولت خانہ کہاں ہے مکّے میں یا مدینے میں؟"

"مکّے میں"

"وہاں کے کن کن فقہا سے آپ کی مُلاقات ہے؟"

"پوچھیے آپ کسے پوچھتے ہیں؟"

پھر ابنِ جامع نے فقہ و حدیث پر گفتگو شروع کر دی۔ قاضی ابو یوسف نے اس کی پسندیدہ باتیں سُنیں اور خوش ہوئے، لوگ ان دونوں کی طرف نگراں تھے، چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔

"قاضی صاحب کو دیکھو گوّیے سے باتیں کر رہے ہیں" قاضی ابو یوسف کو قطعاً علم نہ تھا کہ ان کا مخاطب مشہور مُغنّی ابنِ جامع ہے۔ ان کے ساتھیوں نے خیال کیا انھیں اس حقیقت سے باخبر کر دیں، پھر انھیں خیال آیا کیا فائدہ آیندہ شاید ان دونوں میں ملنے ہی کی نوبت نہ آئے۔ پھر کیوں انھیں

رِندہ کیا جائے ؟"

دوسرے دن پھر ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ قاضی ابو یوسف نے ابنِ مع کو ڈھونڈا، اس کے پاس پہنچے، اور پہلے دن کی طرح بڑی دیر تک ل مِل کے باتیں کرتے رہے۔ جب قاضی صاحب یحییٰ کے ہاں سے اپس ہوئے تو ان کے بعض ساتھیوں نے کہا :۔

" قاضی صاحب! آپ جس سے گھُل مِل کے باتیں کر رہے تھے معلوم ہے وہ کون ہے؟"

" ہاں ایک قریشی، یکے از فقہائے مکّہ "

" یہ مشہور گویّا ابنِ جامع ہے "

" انا للہ!"

" لوگوں میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ آپ ابنِ جامع سے بہت ملتے ہیں۔ آپ کے اس فعل کو وہ اچھا نہیں سمجھتے!"

تیسرے دن قاضی صاحب یحیٰی کے ہاں آئے، آج بھی ان کی نظر ابنِ جامع پر پڑی، لیکن وہ اس سے مخاطب نہ ہوئے، ابنِ جامع نے بھانپ لیا قاضی صاحب اس سے دہشت زدہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ خود ان کے پاس آیا، سلام کیا، قاضی صاحب نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن اس طرح نہیں، جیسے پہلے اس سے پیش آتے تھے، بلکہ جواب دیتے ہی منہ پھیر لیا۔ ابنِ جامع قاضی صاحب کے قریب آیا، لوگ تاڑ گئے واقعہ کیا ہے؟ ابن جامع بہت بلند آواز تھا۔ اس نے گرج کر کہا، "ابو یوسف کیا بات ہے تم مجھ سے منہ پھیرے ہوئے ہو؟ کیا بات تمھیں ناگوار ہوئی؟ لوگوں نے شاید تم سے کہا، میں گویّا ابنِ جامع ہوں۔ پھر تمھیں، مجھ سے ملتے ہوئے کراہت

آئی؟ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں، اس کا جواب دو؛ پھر جو جی چاہے کرنا،
لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ اور غور سے دونوں کی باتیں سننے لگے۔

ابنِ جامع نے کہا، "فرض کیجیے، ایک بے وقوف اعرابی آپ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، پھر وہ بھونڈے اور بھدّے طور پر کہتا ہے:-

" اے امیہ کے گھر جو علیا اور سند میں واقع ہے، وہ ویران ہو گیا، اور بہت زیادہ زمانہ اس پر گزر گیا"

"کیا آپ اس میں کچھ حرج سمجھیں گے؟"

قاضی ابو یوسف نے کہا، "نہیں شعر کے بارے میں رسول اللہ کی روایتیں اور حدیثیں وارد ہیں"

ابنِ جامع نے کہا، "پھر اگر میں اس طرح کہتا ہوں" پھر اس نے لَے ٹھیک کی، اور گانا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ اس شعر پر آ گیا، پھر کہا، "کیوں تم نے دیکھا میں نے اس میں کچھ اضافہ کیا یا کمی کی؟"

قاضی صاحب نے فرمایا، "خدا تمھیں معاف کرے، مجھے اس بحث سے معاف کرو" ابنِ جامع نے کہا، "ابو یوسف تم صاحب فتاوی ہو، دیکھو میں نے اپنے الفاظ سے اس میں اضافہ کیا یا نہیں؟ ایسا اضافہ جو کانوں کو سننے میں بھلا لگے۔ اور دل تک اُتر جائے؟"

پھر ابنِ جامع، قاضی صاحب کے پاس سے ہٹ گیا!

---

(۱۱۶) ایک کودن!

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز سے عرض کیا گیا،

مدینے میں ایک مخنّث رہتا ہے جس نے وہاں کی فضا خراب کر رکھی ہے۔ انھوں نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ اسے ان کے پاس پہنچا دیا جائے، وہ لایا گیا، ایک بوڑھا آدمی تھا، داڑھی پر خضاب لگا ہوا، چہرے کا باقی حصہ ایک خاص قسم کے کپڑے سے ڈھکا ہوا، اس کے پاس ایک خریطہ تھا، اس میں اس کا دف رکھا ہوا تھا۔ جب وہ حضرت کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور فرمایا، "کتنی بری ہے یہ شبیہہ اور قامت' ای شخص تجھے قرآن یاد ہے؟"

"میرے باپ نہیں؟"

"خدا تجھے اور تیرے باپ کو غارت کرے"

حاضرین نے مخنّث سے اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے، وہ چپ چاپ سنتا رہا، پھر حضرت نے پوچھا':-

"تم مفصّل میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟"

"مفصّل کیا؟"

"کم بخت تو قرآن میں سے کچھ پڑھ سکتا ہے؟"

"ہاں الحمد پڑھ سکتا ہوں، لیکن دو تین جگہ اس میں بھی بہک جاتا ہوں۔ قل اعوذ برب الناس بھی پڑھ لیتا ہوں لیکن اس میں بھی اٹکتا ہوں، البتہ قل ہو اللہ اس روانی سے پڑھتا ہوں، جیسے پانی بہہ رہا ہو"

حضرت نے حکم دیا، "اسے قید کر دو، اس کے لیے ایک معلّم کا انتظام کرو، جو اسے قرآن پڑھائے، طہارۃ اور نماز کے حدود بتائے۔ تین درہم روز اس کا وظیفہ مقرر کر دو، اور تین ہی درہم اس کے معلّم کو بھی دیے

جائیں۔ یہ قید خانے سے اس وقت تک نہ نکلے جب تک پورا قرآن شریف نہ حفظ کرلے"

یہ آدمی جیل میں ڈال دیا گیا، لیکن حالت یہ تھی کہ جب اسے کوئی سورہ یاد کرایا جاتا تو پہلے کا یاد کیا ہوا سورہ بھول جاتا، پھر اس نے حضرت کے پاس ایک آدمی بھیجا، اور کہلایا "یا امیر المومنین میرے پاس کسی کو بھیجیے کہ وہ حصّہ لے جایا کرے، جسے میں یاد کرلیتا ہوں تاکہ اس سے اگلا یاد کروں۔ کیوں کہ میں سب سورتوں کی یاد کا بوجھ ایک ساتھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوں"

اب حضرت اس کی اصلاح سے مایوس ہوگئے، فرمایا، "میں دیکھتا ہوں یہ درہم یوں ہی ضایع جارہے ہیں" اس رقم سے اگر ہم کسی بھوکے کو کھلائیں، یا کسی محتاج کی مدد کریں، یا کسی پھٹے حال کو لباس پہنائیں، تو زیادہ بہتر ہوگا" جب وہ قید خانے سے حضرت کے سامنے لایا گیا، تو آپ نے کہا، "قُل یا ایھا الکافرون" پڑھو"

"میں خُدا سے امان طلب کرتا ہوں، آپ نے پتّھر پر سبزہ اُگانا چاہا"

پھر وہ حسب الحکم وہاں سے دھکّے دے کر نکال دیا گیا، نکلا اس حالت میں کہ لہک لہک کر گا رہا تھا لوگ اس کی طرف متوجّہ ہوگئے، جب نگہبانوں نے اس کا گانا سُنا، تو ایک رات ایک دن تک اس کے اچھے اچھے گانے سُننے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔

---

(۱۱۷) اندھا شاعر

ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ بشار[1] کا باپ برد بہت خوش الحان تھا۔ اس کے ہاں بشار پیدا ہوا، لیکن یہ مادرزاد اندھا تھا، برد کہا کرتا تھا، بشار سے زیادہ بابرکت بچہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی، لیکن ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ دو سو درہم میرے پاس جمع ہو گئے، برد نے ابھی سفرِ آخرت نہیں تیار کیا تھا کہ بشار شعر کہنے لگا۔

بشر اور بشیر، بشار کے دو بھائی تھے۔ دونوں قصاب تھے، بشار ان دونوں کے ساتھ حسنِ معاملت و معاشرت کا خوگر تھا۔ اس کا دل چھوٹا تھا، لیکن لوگوں پر ترس کھانے کا عادی تھا، کہا کرتا تھا، "اللہ! میں رحم دل ہوں، لوگوں پر ترس کھایا کرتا ہوں، یا اللہ مجھے ان سے بچائے رکھنا" اس کے بھائی اس سے کپڑے مانگ لیا کرتے تھے، اس بے ڈھنگے پن سے پہنتے تھے کہ انھیں میلا اور بدبو دار کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ اس نے ایک قمیص لی، جس میں دو جیبیں تھیں۔ اس نے قسم کھالی تھی کہ اب کوئی کپڑا

---

[1] بشار کی کنیت ابو معاذ تھی، لقب مرعث تھا، شعر و شاعری میں اس کا درجہ بہت بلند تھا، گاتا بھی خوب تھا۔ دولتِ عباسیہ اور دولتِ امویہ کے عہد میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مدح بھی کرتا تھا اور ہجو بھی، اور دونوں رنگ خوب نبھاہتا تھا۔

بشار موٹا تازہ آدمی تھا، چہرے مہرے سے بڑائی ٹپکتی تھی، قد لمبا تڑنگا، آنکھوں کے دونوں ڈھیلے ذرا پھیلے ہوئے، ساتھ ہی ساتھ بدصورت اور بھدا بھی تھا، جب وہ شعر پڑھنے کا ارادہ کرتا تھا پہلے تالی بجاتا تھا، پھر کھکھارتا تھا، دائیں بائیں تھوکتا تھا، پھر پڑھتا تھا۔

اپنے بھائیوں کو مانگے نہ دے گا۔ وہ لوگ اس کی اجازت بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے، جب چاہتے لے لیتے۔ اس نے ایک دفعہ اپنے کپڑے منگوائے، انھیں پہنا تو بدبو سے بسے ہوئے۔ اس نے کہا، "کس نے اس کپڑے میں خوش بو کا چھڑکاؤ کیا ہی؟" جب وہ منع کرتے کرتے تھک گیا، اور یہ لوگ باز نہ آئے تو وہی میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر لوگوں کے پاس جانے لگا۔ لوگوں نے پوچھا،

"ابو معاذ، یہ کپڑوں کا کیا حال بنا رکھا ہی؟"

"یہ صلۂ رحم کی سزا ہی"

وہ ابھی کم سن تھا کہ شعر کہنے لگا۔ ایک مرتبہ اس نے کچھ لوگوں کی ہجو کی، لوگ اس کے باپ کے پاس آئے اور شکایت کی۔ باپ نے لڑکے کو بُری طرح مارا، آخر ماں سے صبر نہ ہوا کہنے لگی، "بچے کو کب تک مارتے رہو گے ذرا بھی رحم نہ کرو گے؟"

"رحم تو کروں لیکن دیکھو تو چھوکرے کو، لوگوں کو چھیڑتا ہی، مجھ سے شکایت کرتے ہیں"

بشار نے یہ گفتگو سُنی تو کہا، "ابّا جان، یہ لوگ ایک شعر کے بارے میں میری شکایت کر رہے ہیں، میں چھپاتا نہیں، آپ کو اور سارے گھر کو کہیے تو سُنا دوں؟ رہی شکایت سو ان سے کہہ دیجیے کیا خُدا خود نہیں فرماتا ہی؟

لیس علی الاعمی حرج!

جب لوگ پھر شکایت کرنے آئے تو برد نے وہی کہہ دیا جو بشار نے کہا تھا۔ وہ واپس چلے گئے، آپس میں کہنے لگے "برد کی باتیں تو بشار کے شعر سے بھی زیادہ بے تُکی ہوتی ہیں"۔

محمد بن حجاج کہتے ہیں، ہم ایک دفعہ بشار کے پاس بیٹھے تھے، اتنے

ہیں ایک آدمی آیا اس نے کسی کے مکان کا پتا پوچھا، بشار اسے سمجھانے لگا، لیکن اس کی سمجھ میں خاک نہ آیا، بشار نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور منزلِ مقصود پر لے جاکے کھڑا کر دیا، اس نے کہا۔

"آنکھ والے کو اندھا راہ بتا رہا ہے، کیا تمھیں شرم نہیں آتی، جس شخص کی رہ نمائی اندھے کریں اس کی گُم راہی میں کیا شک ہو سکتا ہے!"

دروازے پر پہنچ کر بشّار نے اس آدمی سے کہا، "اے اندھے یہ ہے وہ مکان!"

---

(۱۱۸) شاعر خلیفہ کی پناہ میں!

نصر بن عبدالرحمٰن العجلی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بشّار نے روح بن حاتم کی ہجو لکھی، جو اس تک پہنچ گئی۔ اس نے دھمکی دی، بشار نے دھمکی جو سُنی تو کہا۔

"مجھے ابو خلف دھمکی دیتا ہے، حالاں کہ وہ اپنی زیادتیوں کو بھولا ہوا ہے، وہ ابو صفر کی تلوار سے دھمکی دیتا ہے، جو اُنگلی بھی نہیں کاٹ سکتی"

روح تک یہ نئی ہجو پہنچ گئی، اس نے بپھر کر کہا، "میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ سب صدقے کر دوں گا اگر میں بشار کو دیکھ پاؤں اور اسے تلوار سے نہ ماروں خواہ وہ خلیفہ ہی کے سامنے کیوں نہ ہو؟"

جب بشّار کو یہ حال معلوم ہوا تو حضرت گھبرائے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس پہنچے، اس نے پوچھا، "کیوں اس وقت کیوں کر آنا ہوا؟"

خلیفہ سے بشار نے سارا ماجرا کہہ دیا، اور اس سے پناہ مانگی۔ خلیفہ نے نصیر کو حکم دیا، "جاؤ، روح کو اسی وقت حاضر کرو" قاصد چلچلاتی دھوپ میں بھیجا گیا۔ روح محلۂ مخرّم میں رہتا تھا اس وقت کی طلبی سے اس نے اور اس کے گھر والوں نے خیال کیا شاید کہیں کی گورنری عطا ہوگی، فوراً حاضر ہوا۔

روح سے خلیفہ نے کہا، "روح! میں نے تمھیں ایک خاص ضرورت سے بُلایا ہے"

"امیر المومنین! میں آپ کا خانہ زاد ہوں ارشاد فرمائیے، البتہ بشار کا معاملہ نہ ہو، اس کے لیے میں قسم کھا چکا ہوں"

"مجھے معلوم ہے، لیکن میں نے تو اسی لیے بُلایا ہے"

"تو امیر المومنین! میری قسم کا کوئی حل نکالیے"

فوراً قضاۃ اور فقہا حاضر کیے گئے، مسئلہ پیش ہوا، سب نے اس پر اتفاق کیا کہ روح بشار کے جسم پر تلوار کی پُشت سے ضرب لگائے۔

بشار پردے کے پیچھے بیٹھا تھا، باہر بُلایا گیا اور روح کے سامنے بٹھا دیا گیا، روح نے تلوار کھینچی اور اس کے جسم پر تلوار کی پُشت سے ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔

بشار ہائے وائے کرنے لگا، مہدی بہت ہنسا، اس نے کہا۔ کم بخت یہ تو تلوار کی پُشت تھی، اور اگر دھار کی طرف سے وار ہوتا تو؟

---

(۱۱۹) ہجو نامہ!

عیسیٰ بن اسمٰعیل بن محمد سلام سے روایت کرتے ہیں۔ بشار کے

پاس بنی زید کا ایک شریف آدمی ٹھہرا ہوا تھا، میں اس کا نام لینا نہیں چاہتا
اس نے بشار سے کہا، "تم نے ہمارے غلاموں کو ورغلا رکھا ہے، تم انھیں
ہم سے بغاوت اور سرکشی کی تعلیم دیتے ہو، تم چاہتے ہو، وہ اپنی سابقہ
حالت پر عود کر آئیں، اور ہمارا تعلق ترک کر دیں، حالاں کہ خود تمھارا یہ حال
ہے کہ تم بد ذات ہو، تمھاری اصل مجہول ہے" بشار نے اس سے کہا، "خدا
کی قسم میری اصل سونے سے زیادہ گراں بہا ہے۔ میری ذات پرہیز گاروں
سے زیادہ پاک ہے۔ اس زمین پر کوئی کتا بھی ایسا نہیں ہے جو تجھے اپنی طرف
منسوب کرے، اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیری اس بکواس کا جواب میں زبانِ
شعر سے دوں، تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں، اچھی بات کل مربد[1] کی رہی"
وہ آدمی اپنے گھر واپس گیا، راستے بھر اُسے یہ فکر دامن گیر رہی کہ بشار
کل مربد میں ملے گا اور اظہارِ تفاخر کرے گا۔

دوسرے دن وہ آدمی مربد جانے کے ارادے سے باہر نکلا، اتنے میں
پاس سے ایک آدمی گاتا ہوا گزرا:۔

"شہدت علی الزیدی انّ ...."

اس نے راہ گیر سے پوچھا، "یہ کس کا کلام ہے؟"

"بشار نے آپ کی شان میں کہا ہے"

یہ سنتے ہی وہ اپنی قیام گاہ پر واپس گیا، اور کبھی اس نے پھر مربد کا رُخ
نہ کیا، یہاں تک کہ مر گیا۔

ابنِ سلام کہتے ہیں ایک روز کوئی آدمی یہ قصیدہ لطف لے لے کر

---

[1] مربد بصرے کو کہتے ہیں، اور اس مقام کو بھی جہاں رہا جائے، اور اس جگہ کو بھی
جہاں اونٹ کا بازار لگے۔

پڑھ رہا تھا:۔

" میں نے بنی زید کو پرکھا، نہ ان کے بزرگوں میں عقل پائی
نہ ان کے چھوٹوں میں پاکیزگی !
بنی زید کو خبر پہنچا دو اور' ان کے سرداروں سے کہہ دو'
اگرچہ ان میں عزّت کے قابل سردار پائے نہیں جاتے ۔
بد بختو! میرے قصائد بجلی کی طرح ہیں، جو فلک پیما بھی
ہیں' اور زمین گیر بھی ۔
کیا یہ حقیقت ہو کہ وہ کسی کمینے سے اجتناب نہیں کرتے،
کسی بھلائی کے کام کو پسند نہیں کرتے. حالاں کہ بھلائی تو ایسی
چیز ہو جسے اختیار کیا جانا چاہیے ۔
وہ میری سعی کے نتائج دیکھنا چاہتے ہیں، حالاں کہ وہ
آسمان کے تاروں سے بھی پرے ہیں ۔
بنی زید کے بارے میں جیسا معرب نے کہا ہو تو بھی وہی
کہہ دے، یعنی وہ پچھنا لگانے والے کے شیشے کے گلاس ہیں
جو کل ہی ٹوٹ جائیں گے "

یونس نے پڑھنے والے سے پوچھا، "ارے یہ کیا بک رہے ہو؟
س نے اس شیطان (بشّار) کو بنی زید پر برانگیختہ کر دیا؟"

پڑھنے والے نے اس آدمی کا نام لیا، جس سے بشار کی بات چیت
ہوئی تھی ۔

یونس نے کہا، "کبھی کبھی کوئی بے وقوف آدمی اپنی قوم کے لیے
بڑی بڑی بُرائیوں کا سبب بن جاتا ہو "

(۱۲۰) عبرت ناک انجام

علی بن محمد النوفلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بشار خلیفہ مہدی اور اس کے وزیر یعقوب بن داؤد کے حضور میں حاضر ہوا، اس نے خلیفہ کی بھی مدح کی، اور وزیر کی بھی۔ یعقوب نے نہ کوئی توجہ کی، نہ کوئی عطیہ دیا۔ ایک مرتبہ یعقوب گھر جاتے ہوئے بشار کے پاس سے گزرا۔ بشار نے اسے دیکھتے ہی چیخ کر کہا:۔

طال الثواء علی رسوم المنزل!

"اس ڈیوڑھی پر ڈیرہ جمائے بہت مدت گزر چکی"

یعقوب نے چھٹتے ہی کہا:۔

فاذا تشاء ابو معاذ فارحل!

"جانا چاہتے ہو تو جاؤ روکا کس نے ہے؟"

اب تو بشار میں تاب نہ رہی، غصے میں اس نے ایک ہجو کہہ ہی توڈالی:۔

"ای بنوامیہ، جاگو، خوابِ غفلت کو مدت گزر چکی، اب خلافت یعقوب بن داؤد کے ہاتھ میں ہے۔

ای قوم تیری خلافت تو ختم ہوگئی، اب تو خلیفہ کو شراب او سارنگی کے مرکزوں پر ڈھونڈھ۔"

نوفلی کہتے ہیں، جب بشار کو بے نیل مرام یعقوب کے درِ دولت پر بہت دن گزر گئے، تو ایک روز وہ اس کے پاس گیا۔ بشار کی عادت تھی، جب وہ شعر پڑھنے یا بات کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو اپنے بازوؤں کی طرف

منہ کر کے کھکھارا کرتا تھا، ایک ہاتھ سے دوسرے پر تالی مارتا تھا، اس نے یہ کیا، پھر حسبِ ذیل اشعار پڑھے:۔

"اے یعقوب! سائل اور محتاج تیرے پاس شام کے وقت
آتے ہیں، جو تجھ سے اس بخشش میں سے طلب کرتے ہیں،
جو تو دیتا ہے۔

تو نے انھیں پلایا اور میرے بارے میں تو نے یہ خیال
کیا کہ میں سونف کا پودا ہوں، جو بغیر سیراب کیے ہوئے کسان
کے لیے اُگ آتا ہے۔

صبر کر اور اطمینان سے کام لے، بلا شُبہہ میں خوش بو دار
پھول ہوں، اسے سونگھ، اور پانی کے بھرے ہوئے ڈولوں
سے سیراب کر۔

تیرے در پر ڈیرہ جمائے بہت مدّت گزر گئی، یہاں تک
کہ بال کھچڑی ہو گئے، اب ان پر خضاب لگانے کا حُکم دے!

زیادہ دودھ دینے والا جانور خوب دودھ دیتا ہے، اور
جب وہ دودھ کم دینے لگتا ہے یا دوھنے نہیں دیتا تو ملامت
دوھنے والے کو کی جاتی ہے"

یعقوب نے یہ اشعار سُنے اور اب بھی ملتفت نہ ہُوا، بشّار حالتِ غضب میں بصرے واپس چلا گیا۔ جب مہدی بصرے میں آیا، تو اس نے لوگوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا، اور شعرا کو بھی نوازا، اور یہ سب داد و دہش یعقوب ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ اس دفعہ بھی اس نے بشّار کو کچھ نہ دیا، اب بشّار یونس نحوی کے حلقے میں آیا، کہنے لگا، "یہاں کوئی ایسا تو نہیں ہے جو

لگائی بجھائی کرتا ہو؟" جواب ملا "نہیں!" پھر اس نے مہدی کی ہجو میں کچھ شعر پڑھے حلقے والوں نے فوراً یہ بات یعقوب تک پہنچا دی۔

یعقوب مہدی کے پاس آیا، اس نے کہا۔

"یا امیرالمومنین! اس اندھے، ملحد، زندیق نے آپ کی ہجو کی ہے"

"وہ کیا؟"

"ایسی ہجو جسے نہ میری زبان دہرا سکتی ہے، نہ میرا خیال سوچ سکتا ہے"

"تمھیں میری قسم، کہو تو!"

"خدا کی قسم اگر ان اشعار کے دہرانے اور میری گردن اڑا دینے میں سے کسی کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں اسے گوارا کرلوں گا کہ میری گردن اڑا دی جائے لیکن اسے نہیں پسند کروں گا کہ ان اشعار کو دہراؤں"

پھر خلیفہ مہدی نے یعقوب کو بڑی کڑی قسم دی اور اصرار کیا کہ بشار کی ہجو سنائے، تو اس نے کہا

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان الفاظ کو میں زبان پر لاؤں، ہاں لکھے دیتا ہوں"

یہ کہ کے یعقوب نے بشار کے ہجویہ اشعار ایک کاغذ پر لکھے، اور مہدی کی طرف بڑھا دیے۔ غصے کے مارے خلیفہ تلملا اٹھا، فوراً اس نے بصرے کے کوچ کا ارادہ کیا، وہاں جانے کا مقصد بہ جز بشار کی سرکوبی کے کچھ نہ تھا۔

خلیفہ چل پڑا، جب بطیحہ[۵] پہنچا تو اس نے سنا، ٹھیک دوپہر کے وقت

(اس صفحے کا نوٹ صفحہ ۳۵۴ پر ملاحظہ ہو)

کوئی شخص اذان دے رہا ہے۔ خلیفہ نے کہا:۔

"دیکھو یہ کون ناواقف اذان دے رہا ہے؟"

معلوم ہؤا، بشار نشے میں مدہوش اذان دیے چلا جا رہا ہے۔ خلیفہ نے اس سے کہا:۔

"اگر تیرے سوا کوئی اور ہوتا تو مجھے تعجب ہوتا، اب تو اذان کے ساتھ بھی مذاق کرنے لگا، وہ بھی اس حالت میں کہ نشے سے چور ہے؟" پھر اس نے ابنِ نہیک جلاد کو بلایا اور حکم دیا کہ بشار کے کوڑے لگائے۔ ابنِ نہیک نے خلیفہ کے سامنے کشتی پر ایسے ستر کوڑے لگائے کہ وہ ختم ہی ہو گیا۔

کوڑے کی تکلیف سے بشار بے تاب ہو کر چیختا اور کہتا، آہ! اُف، بعض لوگوں نے کہا۔ "یا امیرالمومنین، اس شخص کے زندقہ کو دیکھیے اس تکلیف کے وقت بھی یہ "بسم اللہ" نہیں کہتا۔

بشار نے کہا، "کم بخت کیا یہ کھانا ہے، جو بسم اللہ سے شروع کروں؟" ایک شخص بولا۔ "الحمد للہ" ہی کہا ہوتا۔

بشار نے کہا۔ "یہ کون سی نعمت ہے جس پر میں اللہ کی تعریف کروں؟" جب ستر کوڑے پڑ لیے تو اس پر موت کی کیفیت طاری ہو گئی، اسے کشتی ہی میں پڑا رہنے دیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر اسے بطیحہ میں ڈال دیا۔

بشار کے بعض عزیزوں نے اس کی لاش نکالی، اور بصرے لے جا

(صہ ۳۵۳ کا نوٹ)۔ بطیحہ ایک دریا کا نام ہے، جو واسط اور بصرے کے مابین بہتا ہے، بہت بڑا دریا ہے، جس کا کوئی اور چھور نہیں۔

کر دفن کر دی۔ جب بشار مر گیا، اور اس کی خبرِ وفات پھیل گئی، تو اہلِ بصرہ نے خوشیاں منائیں، ایک دوسرے کو مبارک باد دی، اللہ کی حمد کی، صدقہ دیا کہ اس کی بدزبانی سے نجات مل گئی۔

---

(۱۲۱) عمرو بن معاویہ اور امیر سلیمان

طارق بن مبارک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ کا قاصد آیا، اس نے مجھ سے کہا، "آپ کو عمرو نے پیام بھیجا ہے کہ موجودہ عہدِ حکومت کا جب آغاز ہوا تو میں نوجوان تھا ساتھ ہی ساتھ کثیر العیال بھی۔ مالی حالت بہت کمزور تھی، حالت یہ ہے کہ کسی قبیلے میں بھی کچھ روز ٹھہرتا ہوں کہ میری حالت مشہور ہو جاتی ہے اور میں نکو بن جاتا ہوں، اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ عزتِ نفس کو قربان کر دوں چناں چہ اب میں امیر سلیمان بن علی کے درِ دولت پر جانے کا قصد کر رہا ہوں آپ ذرا میرے پاس ہو جایئے"

میں قاصد کے ساتھ ہو لیا، میں نے دیکھا، وہ ایک اعلیٰ درجے کی سفید چادر اوڑھے بیٹھا ہے، جس پر موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ پاجامہ بھی اچھے کپڑے کا تھا، جو ٹخنوں تک لٹک رہا تھا، میں نے کہا، "سبحان اللہ! یہ نوجوانی بھی کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ اسی لباس سے تم ان لوگوں سے ملو گے جن سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے جواب دیا، "خدا کی قسم میرے پاس جو بھی کپڑے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ اچھے ہیں" میں نے اپنی چادر اسے دے دی، اور اس کی خود لے لی، پاجامہ میں نے اس کے گھٹنے تک چڑھا دیا،

پھر وہ امیر کے پاس گیا، واپس آیا تو بہت خوش تھا، میں نے کہا: کہو تمھارے اور امیر کے مابین کیا گزری؟"

اس نے جواب دیا، "میں امیر کے پاس گیا، حالاں کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا تھا، میں نے کہا، "خدا امیر کا بھلا کرے، میرے دیار نے مجھے آپ کے قدموں پر لا پھینکا ہے۔ آپ کے فضل نے میری آپ کی طرف رہ نمائی کی ہے۔ اب یا تو مجھے اس طرح قبول فرمایئے کہ میں کام یاب و کامگار ہو جاؤں، اور یا پھر صحیح سلامت واپس کر دیجیے"

امیر نے کہا، "تم ہو کون؟" میں نے اس سے اپنا نسب بیان کیا، اس نے کہا۔ "مرحبا مرحبا! آیئے بیٹھیے! اطمینان سے باتیں کیجیے" پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا، اور کہا۔ "اے میرے بھتیجے بتاؤ میں تمھاری کیا حاجت روائی کر سکتا ہوں؟" میں نے عرض کیا جن عورتوں سے آپ دنیا میں ہمارے ساتھ سب سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں اور ہمارے بعد جن کے لیے سب سے بہتر آپ ہیں، وہ ہماری مصیبت کے سبب خوف زدہ ہو رہی ہیں، جو خوف زدہ ہوتا ہے اس کی دل جوئی کی جاتی ہے" خدا کی قسم، امیر کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے، پھر اس نے مجھ سے کہا، "اے ابن اخی خدا تمھاری جان کی نگہ بانی کرے، تمھیں مالا مال کر دے، خدا کی قسم اگر ممکن ہوتا تو میں تمھاری ساری قوم کے ساتھ بہت کچھ کرتا۔ اب تم اس طرح چھپ جاؤ کہ گویا ظاہر ہو، اس طرح امن سے رہو گویا خوف زدہ ہو، اور مجھ سے خط کتابت رکھو"

عمر نے کہا، اب میں امیر کو اس طرح خط لکھوں گا، جیسے کوئی اپنے باپ یا چچا کو لکھے۔

جب عمرو اپنی باتیں ختم کر چکا، میں نے اس کی چادر واپس کر دی۔ اس نے کہا، "خبردار، ہمارے کپڑے جب ہم سے جُدا ہوتے ہیں تو ہمارے پاس واپس نہیں آتے۔"

---

(۱۲۲) ایک مسخرا!

ابوسلمہ غفاری[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اہلِ مدینہ کی ایک جماعت کے ساتھ میں خلیفہ مہدی کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس جماعت میں یوسف بن موہب بھی تھا جو بنی ہاشم میں سے تھا۔ ہمارے ساتھ ابن ہرمہ بھی تھا۔ ہم مہدی کے لشکر میں ایک مسجد کی دُکان پر بیٹھے ہوئے تھے، جس پر ابھی چھت نہیں پڑی تھی۔ یہاں برابر ہماری وزرا اور امرائے سلطان سے بھینٹ ہوا کرتی تھی، وہ لوگ ہمیں پہچان گئے تھے۔ اتنے میں دُکان کے قریب ایک آدمی دکھائی دیا، جس کے پاس خشک حلوا رکھا ہوا تھا جسے وہ شدید جاڑے میں بیچا کرتا تھا۔ اسے وہ چُھری سے کاٹتا تھا تو اس کی پپڑیاں اِدھر اُدھر گرتی تھیں۔

ابنِ ہرمہ ہماری طرف متوجہ ہوا، اور یوسف سے کہا، "اے ابنِ عم رسول اللہ آپ کے پاس کچھ درہم ہوں تو ہم بھی اس حلوے میں سے کچھ کھائیں۔" انھوں نے کہا، "تم نے کب مجھ سے کہا تھا کہ میں درہم لے کے چلوں؟" میں نے کہا، "میرے پاس ہیں۔" میں نے اسے چند سکّے دیے، ابنِ ہرمہ نے اس رقم سے حلوا خریدا، طشتری میں بہت سا لے آیا، وہ اکیلا اکیلا کھانے

---

[۱] نسبت ہے قبیلہ بنی غفّار کی طرف حضرت ابوذر غفّاری بھی اسی قبیلے سے تھے۔

لگا۔ کھاتا جاتا تھا، باتیں کرتا جاتا اور قہقہے لگاتا تھا۔ اسی اثنا میں وزیر ابو عبداللہ یا یعقوب بن داؤد کی سواری گزری جو اِدھر ہی آ رہی تھی۔ ہم نے کہا، "کم بخت یہ کیا کر رہا ہے؟ یہ وزیر اور اس کے ساتھی اِدھر ہی آ رہے ہیں۔ حلوے کو ہمارے سامنے دیکھیں گے تو یہی خیال کریں گے ہم اسے کھا رہے ہیں"

ابنِ ہرمہ نے یوسف بن موہب سے کہا، "اس ٹولی میں آپ سے زیادہ اسے چھپانے کا کوئی سزاوار نہیں ہے، اس مصیبت کو آپ اپنے سر لیجیے، اور اسے اپنے پاس رکھ لیجیے" انھوں نے کہا، "خدا تجھے غارت کرے، ہٹ دور ہو" پھر اس نے کہا، "اچھا ابنِ ابی ذر، تم؟" میں نے بھی ڈانٹ بتائی۔

پھر اس نے کہا، "یہ مہم میرے سوا کسی سے سر نہ ہوگی۔ طبق اپنے ہاتھ میں لے کر اٹھا لیا، اور سواری کے پاس کھڑا ہوگیا، جو شخص بھی ذرا معزز اور ممتاز اِدھر سے گزرتا وہ اس سے چھیڑ خانی کرنے لگتا۔ یہاں تک کہ سواری کا سارا جلوس گزر گیا۔

---

(۱۲۳) ابنِ ہرمہ[1] اور محمد بن عمران

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے

---

[1] صاحب خزانۃ الادب کی روایت ہے کہ ابنِ حرمہ سنہ ۹۰ھ میں تولد ہوا، اور خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں وفات پائی، اس نے دو مختلف خاندانوں کو برسرِ حکومت دیکھا، پہلے اس نے ولید بن یزید کی مدح کی، پھر ابو جعفر منصور کی۔

ابنِ ہرمہ ان شعرار آخرین میں سے ہے، جن کے کلام سے (بقیہ نوٹ صہ ۳۵۹ پر)

چچا عمران بن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمن بن عوف نے حکایت کی، مدت گزر گئی، ایک سال ہم نے حج کیا، میں سیالہ[1] میں تھا کہ ابراہیم بن علی ابن ہرمہ ہمارے پاس آیا، اس نے میرے بھائی محمد بن عبدالعزیز سے اذنِ باریابی طلب کیا۔ انھوں نے اجازت دے دی، وہ ان کے پاس گیا، کہنے لگا، "ای ابو عبداللہ کچھ پُر لطف باتیں سُناؤں؟" انھوں نے کہا، "ابو اسحٰق ضرور سناؤ، یہ تو تم اکثر کیا کرتے ہو؟" اس نے کہا، "کچھ عرصہ ہوا اس جگہ ہمارے پاس چند دن تک محمد[2] بن عمران اور اسمٰعیل بن عبداللہ بن جبیر ٹھہرے۔ ابن عمران کے پاس دو اونٹ تھے جو ذرا لنگڑاتے تھے۔ اتنے میں اس کا قاصد میرے پاس آیا، اس نے آواز دی، میں باہر نکلا۔ اس نے کہا "آقا نے آپ کو بلایا ہے" میں اس کے ساتھ چلا گیا، ابن عمران نے مجھے ان دونوں اونٹوں کے لنگڑانے کی کیفیت سے آگاہ کیا، اور کہا، "میں چاہتا ہوں عمق[3] میں کسی آدمی کو بھیج کر اپنے اچھے اونٹ منگواؤں۔ اگر وہ یہاں پہنچ جائیں تو میں آسانی سے اپنا سفر پورا کر لوں، اور ان لنگڑے اونٹوں کو واپس کر دوں، آپ اپنے گھر میں ہمیں جگہ دیجیے، ہمارے لیے چارہ خرید دیجیے، جہاں تک ہو سکے نرم چارہ خریدیے گا ہم یہاں اس وقت تک مقیم رہیں گے جب تک ہمارے اونٹ نہ آجائیں" میں نے کہا، "بسر و چشم تشریف رکھیے، گھر آپ کا ہے۔

(صفحہ ۳۵۸ کا بقیہ نوٹ)، سند لائی جاتی ہے۔ مسور بن عبدالملک مخزومی شعر و نسب کا بڑا عالِم تھا، وہ ابن حرمہ کے کلام کی تنقیص کیا کرتا تھا۔

[1] سیالہ۔ اہلِ مدینہ جب مکے جاتے ہیں تو راستے میں یہ پہلی منزل پڑتی ہے۔

[2] محمد بن عمران، بن ابراہیم، بن محمد بن طلحہ۔

[3] چند مواضعات کے نام۔

اور جناب آپ کی بیوی کو طلاق اگر آپ میرے ہاں کے دورانِ قیام میں ایک تنکا بھی خریدیں" میں نے اسے اپنے ہاں اُتارا، اور خود میں بازار چلا گیا، وہاں جا کر میں نے دودھ اور اچھی اچھی چیزیں خریدیں، پھر میں نے وہ سامان مع ایک مُرغ کے جو ہمارے ہاں پلا ہوا تھا اس کے پاس بھیج دیا۔

اس دوران میں کہ میں بازار میں گھوم رہا تھا، میرے پاس اسمٰعیل بن عبداللہ کا غلام آ کر کھڑا ہو گیا، اور میرے پاس چارے کی جو گٹھری تھی، اس کا بھاؤ تاؤ کرنے لگا۔ مجھ سے اس نے دس درہم کے بدلے میں چارے کی گٹھری لے لی، اور چلا گیا۔ چارے کا گٹھر اپنی پیٹھ پر ڈالا اور چل دیا، شام کو میں اس کے پاس تقاضے کے لیے پہنچا، مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اسمٰعیل بن عبداللہ کا غلام ہے۔ جب مجھے اس کے آقا نے دیکھا تو میرا خیر مقدم کیا، مرحبا کہا، اور کہا، "ابو اسحٰق کوئی حاجت ہے؟" غلام نے اسے بتایا کہ چارا میرا تھا، اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا میں اس دن اسی کے پاس رہا، پھر اس نے حکم دیا کہ ہر درہم کے بجائے مجھے دینار دیا جائے، اس کے ساتھ اس کی بیوی، فاطمہ بنتِ عباد بھی تھی، اس نے بھی مجھے پانچ دینار بھیجے۔

بعد ازاں وہ لوگ چلے گئے، میں بھی دینار لے کر چلا آیا، یہاں آ کر میں نے اپنا قرض اُتارا۔ میں نے خیال کیا ابنِ عمران بھی مجھے ایسا ہی نوازے گا، وہ تین دن ہمارے پاس ٹھہرا، اس کے دونوں اونٹ بھی آ گئے، لیکن اس نے میرے ساتھ کوئی سلوک نہیں کیا۔ اس اثنا میں کہ وہ رختِ سفر باندھ رہا تھا، شاید دل میں میرے لیے کچھ سوچا، پھر اس نے اپنے غلام سے کچھ کہا، جو اس کی بات نہ سمجھ سکا، اب وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا، "جب تک تم یہاں بیٹھے ہو میں اسے دل کی بات نہیں سمجھا سکتا،

خُدا کی قسم تم مجھے تکلیف دے رہے ہو اور جو کچھ میں چاہتا ہوں اس سے روک رہے ہو"

یہ سُن کر میں غم و غُصّے کی حالت میں اٹھا، دروازے تک پہنچا تھا کہ ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہوئی، اس نے پوچھا "کہو کچھ ملا؟" میں نے کہا، "خُدا کی قسم یہ اچھا ہوا، مال گیا جان تو سلامت رہی"

ہم دونوں باتیں کر رہے تھے کہ ابن عمران برآمد ہوا، اور آتے ہی میرے اوپر گالیوں کی بوچھار کردی۔ خُدا کی قسم ابوعبداللہ اس نے کوئی تسمہ لگا نہ رکھا، وہ اگر احرام بند نہ ہوتا تو واللہ مجھے مارتا بھی، وہ چلا گیا، اور اس نے مجھے ایک درہم بھی نہیں دیا میں نے کہا:۔

"اے وہ شخص، جو اس مہمان کی مدد کرتا ہے، جو ہمارے ہاں
اُترا، جو نہ دین دار ہے نہ صاحب کرم وسخا۔

وہ میرے پاس تین دن ٹھہرا، میں اس کی ذلیل حرکتوں
سے برابر چشم پوشی کرتا رہا۔

مکّے کی مسافت تو صرف دس دن ہے، جو کچھ زیادہ مشکل
بھی نہیں، لیکن تو نے وہاں پہنچتے پہنچتے ایک مہینہ بیس دن
لگا دیے۔

تو حج کے فوت ہو جانے کی پروا نہیں کرتا اگرچہ تھک
جائے سانڈنی اور موٹا کردے تو دو دُبلے اونٹوں کو۔

لوگ تیرے جود و سخا کی باتیں کرتے ہیں، ان مہمانوں پر
افسوس، جو مسکین بنتے ہیں۔

تو ابوسلیمان کی جمع جتھا جمع کرنے لگا، جو خزانہ قارون

کی طرح ہی

ابنِ عمران کی مثال اپنے آبا و اجداد کی سی ہی جو احسان کا
بدلہ احسان فراموشی سے دیا کرتے تھے۔

(ای ابنِ عمران) کیا تو اسمٰعیل کی طرح نہیں بن سکتا، جو
صاحبِ رائے ہی، عالی خاندان ہی، اور بھلائی کر کے بھول
جانے والا ہی۔

اچھا کیا تو اسمٰعیل کی بیوی کی طرح بھی نہیں بن سکتا،
اس شخص پر افسوس جس کی ماں ذات النطاقین ہو۔"

جب اس نے یہ اشعار پڑھے تو محمد بن عبدالعزیز نے کہا: "ابواسحٰق،
ہم تمھاری مدد تمھارے اس قول "ای مدد کرنے والے" کی بنیاد پر کریں گے"
اس نے کہا، "خدا اس امداد کے صلے میں آپ کو مدارجِ بلند پر فائز کرے
میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ عبداللہ بن خزیرہ اور طلحہ کے سے دو پہلوان
ابنِ عمران کو مضبوطی سے پکڑے ہوں، میرے ہاتھوں میں سَلَم[1] کی چھڑی
ہو، اور میں مارتے مارتے اس کی کوکھ اور کمر کو لہولہان کر دوں"

جب ابنِ ہرمہ اپنے اس مصرعہ

مثل ابن عمران آباء لہ سلفوا

تک پہنچا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا، اور کہا، "اللہ سے توبہ اور آپ سے
معذرت کرتا ہوں، میری مراد اس کے آبا کے ذکر سے طلحہ بن عبداللہ
کی ذات نہیں ہی"

ابنِ ہرمہ ہمارے پاس بیٹھا تھا کہ اسمٰعیل بن جعفر اس کے پاس

---

[1] ایک درخت!

آئے۔انھوں نے اس سے بات تو کی نہیں، اس کی ناک پر ایک گھونسہ جڑ دیا، اور کہا، "کیوں بے حرامی، کیا تو نے ابنِ عمران کے جد ابو سلیمان محمد بن طلحہ کو عیب لگانے کی جرأت کی ؟" آخر ہم نے بیچ بچاؤ کر دیا۔

ہم لوگ ان ہی لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ کا قاصد ابنِ ہرمہ کے پاس آیا، اسے پکارا اور اپنے ساتھ چلنے کی ہدایت کی، وہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ محمد نے اس سے کہا، " مجھے معلوم ہوا ہے تم نے ابو سلیمان کی ہجو کی ہے، خدا کی قسم میں راضی نہ ہوں گا جب تک تم قسم نہ کھاؤ کہ اب کبھی اس کی ہجو نہ کرو گے۔ اس کا ذکر کرو گے تو اچھائی سے، اور جب ملو گے تو دوستانہ طور پر۔ جو کچھ اس کی ہجو کر چکے ہو اس کی تلافی کرو اور اس کی مدح کرو"

اس نے کہا، "بڑی خوشی سے میں ایسا کروں گا" پھر فرمایا، "اسمٰعیل بن جعفر سے ہمیشہ اچھی طرح پیش آنا"، اس نے کہا، "بہت خوب" پھر محمد نے اس سے قسم لی اور تیس دینار دیے، محمد بن عبدالعزیز نے بھی اتنی ہی رقم دی۔ پھر ابنِ ہرمہ نے محمد بن عمران کی مدح لکھی :-

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سچی بات نجات دیتی ہے، اور
جھوٹی بات بولنے والے کو کبھی فائدہ نہیں پہنچتا۔

تو نے ایسے آدمی کی مذمت کی جس کی آبرو پر کبھی
حرف نہیں آیا، کم ہیں جو اس اعزاز میں اس کی منا بہت
کریں۔

حجاز میں کوئی صاحبِ شرف و امارۃ نوجوان ایسا

نہیں ہے جس سے ابنِ عمران بازی نہ لے گیا ہو۔
وہ ایسا نوجوان ہے جس کے صحنِ مکان میں بُرائی نہیں
آئی، اور اس کی ملامت کرنے والوں کی رات بڑی تکلیف
دہ ہوتی ہے "

(۲۴) خوش گلو مغنّیہ!

حکم الوادی کہتے ہیں میں ایک روز یحییٰ بن خالد کے پاس گیا۔ یحییٰ نے
مجھ سے کہا، "ابو یحییٰ، میں تمھیں پانچ سو دینار دوں، کیا کہتے ہو؟" میں نے کہا،
"کس سلے میں؟" کہا، "تم اپنا راگ
ذکرتک ان فاض الفرات بار صنا
کی دُھن پر میری کنیز دنانیر کو سکھادو۔ دیکھو بھائی قضیہ زمین برسرِ زمین ہے یہ رہا
سلام جو تمھارے پاس کھڑا ہے یہی دنانیر کو تمھارے پاس لے آئے گا۔ میں تو ذرا
امیرالمومنین کے پاس جا رہا ہوں، دربار سے واپسی ظہر تک نہیں ہوگی، اس
عرصے میں دنانیر کو سکھالو، اگر تم نے اسے اچھی طرح سکھا دیا، تو فوراً تمھیں پانچ
سو دینار مل جائیں گے۔
دنانیر بولی، "میرے آقا۔ ابو یحییٰ تو پانچ سو دینار لے گا اور چلتا بنے گا،
میں تو آپ کے پاس ساری زندگی رہوں گی، پھر میں؟" یحییٰ نے کہا "اچھا اگر تو اچھی طرح
یاد کرلے گی تو تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے" اس نے یہ کہا، اور چلا گیا۔
میں نے دنانیر سے کہا، "میری سرکار اب ذرا راگ کی طرف متوجّہ
ہوجیے، اگر آپ نے اچھی طرح سیکھ لیا تو پانچ سو دینار مجھے ملیں گے اور ایک ہزا

آپ پائیں گی، ورنہ سارا معاملہ سوختہ ہو جائے گا"

میں برابر دنانیر کو محنت اور توجہ سے سکھاتا رہا، یہاں تک کہ یحییٰ دربار سے واپس آگیا، اس نے آتے ہی پانی اور طشت مانگا، پھر مجھ سے کہا "ابویحییٰ اپنا راگ سناؤ، جیسا تم سنا چکے ہو" میں نے اپنے دل میں کہا "اب تو میں بے موت مرا، یہ ظالم مجھ سے سنے گا یہ کوئی ناواقفِ فن تو ہے نہیں جس سے کچھ چھپ سکے پھر وہی راگ دنانیر سے سنے گا۔ اور ظاہر ہے اسے پسند نہیں کرے گا، میرے لیے گانا سنانے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

یحییٰ نے دنانیر سے کہا، "اچھا تو سنا" اس نے سنایا" وہ بولا" خدا کی قسم بہت خوب" میں نے کہا، "قربانت شوم، میں اس راگ کو پچاس برس سے چبا رہا ہوں، جیسے روٹی چبائی جاتی ہے اور اس نے (دنانیر نے) ابھی ایک گھنٹہ ہوا سیکھا اور راگ اسی کا ہو گیا، وہ اس پہ قادر ہو گئی، اس طرح کہ اور خوبیوں کے ساتھ خوش گلوئی کا اضافہ بھی اس میں شامل ہے" یحییٰ نے کہا، "تم سچ کہتے ہو" پھر اس نے سلام کو حکم دیا کہ مجھے پانچ سو دینار اور دنانیر کو ایک ہزار دینار عطا کیے جائیں، اس نے تعمیل کی۔

دنانیر نے یحییٰ سے کہا، "میں اپنے ایک ہزار دینار میں سے نصف اپنے استاد کو دینا چاہتی ہوں" یحییٰ نے کہا، "یہ تم جانو" اس نے ایسا ہی کیا۔

میں وہاں سے اس طرح واپس ہوا کہ ایک ہزار دینار بھی میرے پاس تھے۔

(۱۲۵) بدنام گورنر

مدائنی کی روایت ہے کہ حمزہ بن عبداللہ بصرے کا گورنر ہو کر آیا، یہ سخی تھا، شجاع تھا، اور بڑا فتنہ انگیز بھی تھا، اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب دینے پر آتا تو جو کچھ پاس ہوتا سب دے ڈالتا، کوئی چیز باقی نہ رہتی اور جب ہاتھ کھینچتا تو اس طرح کہ اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ ایک مرتبہ بصرے میں اسے اسی عادت کے سبب خفت اور شرمندگی اٹھانی پڑی۔

ایک روز وہ دریائے بصرہ کی طرف سے گزرا، اس نے وہاں کا منظر دیکھ کر کہا، لوگ اگر اس تالاب کی دیکھ بھال رکھیں تو گرمی کے موسم میں یہ ان کے لیے کافی ہو۔ کچھ عرصے کے بعد جب پھر اس کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا دریا جزر کے عالم میں ہے۔ کہنے لگا آج میں اس کا جو رنگ دیکھتا ہوں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں یہ پانی کفایت نہیں کرے گا۔ احنف نے اس سے کہا۔ یہ تو پانی ہے آتا ہے اور جاتا ہے اور پھر پلٹ آتا ہے۔

حمزہ نے بصرے کے ایک پہاڑ کی بابت کچھ سنا۔ اس نے اپنے عامل کو بلایا۔ اس سے کہا، "کسی کو بھیجو اس پہاڑ پر جائے اور خراج وصول کر کے لائے" عامل نے جواب دیا، "یہ کوئی شہر تو ہے نہیں جہاں سے خراج وصول ہو" حمزہ نے پھر مردان شاہ[1] کے پاس قاصد بھیجا اور اسے ابھارا کہ وہ خراج وصول کر کے لائے، مردان شاہ نے اس کام کے انجام دینے میں سستی کی۔ حمزہ تلوار لے کر اٹھا اور اسے قتل کر دیا۔

---

[1] مردان شاہ بصرے کا ایک تاجر۔

ـ نے حمزہ سے کہا: "یا امیر آپ کی تلوار کتنی تیز ہے؟"
دفعہ حمزہ نے عبدالعزیز بن شبیب بن خیاط کو کوڑوں سے مارنے
اس نے ابنِ زبیر کو اس بارے میں لکھا اور کہا، "اگر بصرہ"
ـ پاس رکھنا ہے تو اپنے بیٹے کو وہاں سے ہٹالو، اور مصعب کو اس
لر دو، انھوں نے ایسا ہی کیا۔
ں شعرا نے حمزہ کی ہجو کی ہے، اور بصرے میں اس نے جس دریا کو
یں دیکھ کر اپنی رائے ظاہر کی تھی اس کی بھی!
اے ابنِ زبیر تو نے حمزہ کو گورنر بنایا، کاش حمزہ پسِ
ن مامور ہوا ہوتا،
یہ دریائے دجلہ کی طرف سے گزرا، جب وہ چڑھاؤ پر تھا۔
ں کا چڑھاؤ اپنے ذخیروں کو باہر نکال رہا تھا۔"

---

(۱۲۶) ہیجڑوں کی زندہ دِلی

ینے کا امیر یحییٰ بن الحکم ایک مرتبہ کہیں جا رہا تھا، اس نے مسجدِ احزاب
یک ٹیکرے پر کسی شخص کو دیکھا، اس آدمی نے جب یحییٰ بن حکم کو
ر گیا۔ یحییٰ کو کرید پیدا ہوئی، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "اسے
، وہ آدمی لایا گیا، معلوم ہوتا تھا کوئی عورت ہے، جو بھڑک دار
وں میں ملبوس ہے۔ کنگھی بھی کیے ہوئے ہے، اور ہاتھ پاؤں میں
ے ہوئے ہے۔ یحییٰ سے اس کے ساتھیوں نے کہا، "یہ مشہور ہیجڑا
ن ہے۔"

یحییٰ نے اس سے کہا، "تم قرآن شریف میں سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟ اچھا زرا امّ القرآن (سورۂ فاتحہ) پڑھو تو؟" اُس نے کہا۔ "بابا، ان ماؤں کو جانتا ہوتا تو ان کی بیٹیوں سے بھی واقف ہوتا"۔ یحییٰ نے کہا، "تو قرآن کی ہنسی اُڑاتا ہی؟ تیری ماں مرے" پھر اس کے حکم کے مطابق اس ہیجڑے کی گردن اُڑا دی گئی۔

اس واقعہ سے یحییٰ اتنا برہم ہوا کہ اس نے اعلان کر دیا، جو کوئی ایک ہیجڑا لائے گا اسے تین سو درہم انعام ملیں گے۔

ایک ہیجڑے زرجون کی روایت ہی کہ میں اس اعلان کے بعد عالیہ جانے کے لیے باہر نکلا۔ اتنے میں میں نے دف کی آواز سُنی جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہ جن لوگوں کی آواز تھی انھیں میں جانتا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہوں طویس کھڑا ہوا ہی، ہاتھ میں دف ہی اور گا رہا ہی، مجھے جب دیکھا تو کہا، "کیوں میاں زرجون کچھ خبر بھی ہی؟ یحییٰ بن حکم نے ابن نفاش کو قتل کرا دیا؟" میں نے کہا۔ "ہاں مجھے معلوم ہی" اس نے کہا، "اور یہ بھی کہ ہر ہیجڑے کے لیے تین سو درہم مقرر ہوئے ہیں؟" "ہاں!" میں نے کہا، طویس پھر گانے لگا:۔

۔ ۔ ۔ "ای رباب! تیرے اہل کیا ہوئے؟ وہ ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں گویا وہ برہم ہیں۔

اگر میں تیرے گھر والوں سے ملاقات کرنے پا پیادہ جاتا ہوں تو راستے میں کتے بھونکتے ہیں"

پھر اس نے مجھ سے کہا، "ارے کم بخت میری تو کچھ زیادہ قیمت

مقرر ہونی چاہیے تھی، یحییٰ نے میرے فضل وکمال کی بناپر بھی دوسرے ہیجڑوں سے مجھے ممتاز نہ رکھا"

---

(۱۲۷) شاعر احوص اور محمد بن عباد

زبیر بن حبیب اپنے والد حبیب بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ ہم محمد بن عباد بن عبداللہ بن زبیر کے ساتھ عمرے کی نیت سے نکلے۔ ہم قدید کے قریب پہنچ چکے تھے کہ مشہور شاعر احوص بھی آکر ہمارے ساتھ شامل ہوگیا۔ وہ ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا، اس نے کہا، "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھارا ساتھ کر دیا، میں نہیں چاہتا تھا کہ تمھارے علاوہ کسی اور کا ساتھ ہو۔ جب سے میں نے تمھارے نقشِ قدم دیکھے ہیں، انھی کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں۔ تم پر تو مجھے ایک طرح کا رشک آتا ہے" محمد اس کی طرف متوجہ ہوئے، وہ ایک سنجیدہ آدمی تھے جو فضول باتوں اور گپ کرنے والوں سے اجتناب کرتے تھے۔ انھوں نے کہا، "ہمیں تو تم پر رشک نہیں آتا، نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں کہ تمھارے ساتھ سفر کریں۔ جی چاہے ہم سے آگے نکل جاؤ، مرضی ہو ہمارے پیچھے آؤ" احوص نے یہ جواب سنا تو کہا، "خدا کی قسم ایسا جواب میں نے کبھی نہیں سنا تھا" انھوں نے کہا، "اب تو سن لیا!"

محمد کا ادب کیا جاتا تھا، احوص نے جس طرح انھیں جواب دیا، ہم دہشت زدہ رہ گئے، ان کے ساتھ آلِ زبیر کے اور بھی متعدد افراد تھے، کسی کی ہمت نہیں تھی کہ ان کی بات ٹال سکے۔

احوص آگے بڑھ گیا، میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس سے معذرت کروں۔ ہم نے مشلّل[1] پر خیمۂ امِ معبد کے پاس پڑاؤ کیا، میں نے سُنا احوص کچھ کھُسر پھُسر کر رہا ہے "خیمتی امِ معبد ــــ محمدؐ ــــ" گویا وہ کچھ قافیے تلاش کر رہا تھا۔ میں نے اپنے قافلے کو روک لیا، محمدؐ میرے پاس آئے۔ میں نے کہا، "احوص آپ کے لیے قافیے تلاش کر رہا ہے، ہمیں اجازت دیجیے کہ معذرت کر کے اسے راضی کر لیں، یا اگر حکم ہو تو ہم اس کی مرمّت کر دیں، مرمّت کرنے کے لیے اس سے اچھی جگہ نہیں ملے گی۔ انھوں نے فرمایا، "ہرگز نہیں، سعد بن مصعب نے احوص سے عہد لے لیا ہے کہ وہ کسی زبیری کی کبھی ہجو نہ کرے گا، اگر اس نے ایسی جرأت کی، تو مجھے یقین ہے خدا اُسے ذلیل کرے گا، چھوڑو، اسے!"

---

(۱۲۸) شاعر کی جلاوطنی

مصعب بن عثمان کہتے ہیں، احوص مدینے کی شریف عورتوں کی طرف اپنے اشعار میں گریز کیا کرتا تھا اس کے ان اشعار کو مشہور گوّیے معبد اور مالک وغیرہ گایا کرتے تھے۔ اس طرح یہ اشعار عوام میں بہت جلد پھیل جاتے تھے۔ اسے ان حرکتوں سے منع کیا گیا لیکن وہ باز نہ آیا، آخر اس کی شکایت مدینے میں سلیمان بن عبدالملک کے گورنر تک پہنچی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ ماجرا سلیمان کو لکھ کر بھیج دیا جائے، اس نے ایسا ہی کیا، سلیمان نے اپنے گورنر کو لکھا کہ "احوص کے سو کوڑے لگائے جائیں۔

---

[1] مشلّل۔ ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مکۂ معظمہ اور مدینے منوّرہ کے درمیان واقع ہے۔

لوگوں کے سامنے اس کی تشہیر کی جائے، پھر اُسے دہلک[1] میں قید کر دیا جائے"۔ گورنر نے ایسا ہی کیا۔

احوص سلیمان بن عبدالعزیز کی زندگی تک، وہیں قید رہا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز برسرِ اقتدار ہوئے۔ احوص نے ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا، اور مدینے آنے کی اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ احوص نے انھیں لکھا تھا۔

"اے سوار! اگر تو امیرالمومنین تک پہنچے تو انھیں میرا سلام پہنچا دے۔

جب تیری ملاقات ہو تو ابوحفص (حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کنیت) سے کہنا، آپ سے تو لوگوں کو فائدہ ہی فائدہ پہنچتا ہے، نقصان کسے پہنچا ہے؟

آپ زندگی میں لذّت اور لطف کس طرح محسوس کرتے ہیں جب کہ آپ کا ماموں رسّیوں سے جکڑا ہوا ہے؟"

چند انصاری حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔ انھوں نے احوص کے بارے میں آپ سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ اسے مدینے آنے کی اجازت دے دی جائے۔ انھوں نے یہ بھی عرض کیا: آپ جانتے ہیں احوص عالی خاندان شخص ہے، اس کی حیثیت اور شخصیت بھی آپ کے علم میں ہے، وہ اب مشرکوں کی سرزمین میں پڑا

---

[1] دہلک بحرِ یمن میں ایک جزیرے کا نام ہے، جو یمن اور حبشہ کے درمیان بہتا ہے۔ بنوامیہ کا جب کسی پر عتاب نازل ہوتا تھا تو اسے دہلک میں قید کر دیتے تھے۔

ہوا ہے، ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ اسے حرمِ رسولؐ میں اور اپنی
کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت نے ان لوگوں سے
ہے، خدا کی قسم میں ہرگز اسے واپس نہیں آنے دوں گا، میرے
نہیں ہے کہ میں ایسا کروں"

دہلک میں احوص حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ
یزید بن عبدالملک کے دور میں بھی شروع وہ وہیں ز
ایک رات کوٹھے پر یزید بیٹھا ہوا تھا، سامنے اس کی
احوص کے اشعار گا رہی تھی، یزید نے کنیز سے پوچھا:۔

"یہ کس کے شعر ہیں؟"

"آپ کی جان کی قسم مجھے نہیں معلوم"

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی، یزید نے حکم د
کو حاضر کیا جائے، شاید وہ جانتے ہوں یہ کس کے اشعار ہ
ابنِ شہاب کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ وہ ہانپتے کانپتے یزید
حاضر ہوئے، جب وہ اوپر چڑھے، یزید نے کہا، "ڈرو مت
ہے، بیٹھو —— ہاں یہ تو بتاؤ یہ اشعار کس کے ہیں؟"

"یا امیرالمومنین احوص بن محمد کے"

"وہ کہاں ہے؟"

"عرصے سے دہلک میں قید ہے"

"مجھے تعجب ہے میں اس سے اب تک کیوں کر غا
پھر یزید نے احوص کی فوری رہائی کا حکم صادر کیا
دینار بھی مرحمت فرمائے۔

زہری اس رات اپنے گروہ انصار میں پہنچے اور یہ خوش خبری پہنچائی کہ احوص رہا کر دیا گیا۔

(۱۲۹) بات کا بتنگڑ!

ابو اسحٰق ابراہیم بن مہدی بیان کرتے ہیں، کہ اہل حجاز میں سے جو لوگ ہمارے پاس آیا کرتے تھے ان میں دنیۃ المدنی بہت زیادہ مہذب تھے، وہ عباسہ بنتِ مہدی کے مشیر تھے۔ انھوں نے کہا کہ ابو سعید مولی فائد[۱] محمد بن عمران التیمی کی مجلس میں آئے۔ محمد کو ابو جعفر نے مدینے کا قاضی مقرر کیا تھا وہ ابو سعید کا بہت احترام کرتے تھے۔ ابن عمران نے سعید سے پوچھا:۔

"یہ شعر تمھارا ہی؟":۔

"میں نے سات مرتبہ طواف کیا، جب طواف پورے کر چکا تو میں نے کہا، کاش مجھ پر نہ عذاب ہوتا نہ ثواب۔"

---

[۱] ابو سعید مولی فائد ——— فائد مولی عمرو بن عثمانؓ بن عفان، اصل نام ابراہیم ہی، لیکن شعرا کے حلقے میں ابن ابی سنتہ مولی بنی امیہ کے نام سے مشہور تھے، اور مغنیوں کے گروہ میں، "ابو سعید مولی فائد" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ بہت بلند پرواز شاعر تھے، گانے بھی بہت اچھا تھے، زہد و اتقا کا مادّہ بھی کافی تھا، علاوہ ازیں فاضل و کامل بھی تھے، مدینے میں ان کی گواہی معتبر مانی جاتی تھی، انصاف پسند آدمی تھے، ہارون رشید کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔

بنوامیہ کے جن افراد کو، عبداللہ اور داؤد بن عبداللہ بن عباس نے قتل کیا تھا، ان کے لیے بہت دردناک مرثیے انھوں نے لکھے تھے۔

ابوسعید نے جواب دیا، "آپ کے پدر بزرگ وار کی قسم یہ میرا ہی شعر ہے، میں نے ہی اس میں الفاظ موتی کی طرح جڑے ہیں۔"

بھری مجلس میں محمد بن عمران نے ابوسعید کی شہادت ماننے سے انکار کیا، ابوسعید بہت برہم ہوکر مجلس سے اُٹھے، انھوں نے قسم کھالی کہ وہ اب ابن عمران کے ہاں آکر کبھی شہادت نہیں دیں گے۔ اہلِ مدینہ نے ابنِ عمران قاضیٔ مدینہ کی اس روش کو بہت ناپسند کیا، کہ اس نے ابوسعید کی شہادت شاعر ہونے کے سبب نہیں مانی، انھوں نے ابنِ عمران سے کہا، "آپ نے اس حرکت سے ہمارے حقوق برباد کردیے، ہمارا مال تباہ کردیا، ہم اس شخص کی گواہی دلاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ آپ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ آپ سے پہلے جو قاضی یہاں آئے وہ بھی اس کی ثقاہت کو مانتے تھے، اس کی عزت کرتے تھے، اس کی انصاف پسندی کے قائل تھے۔"

یہ باتیں سُن کر ابنِ عمران کو ندامت ہوئی، اس نے ابوسعید سے درخواست کی کہ وہ اس کی مجلس میں گواہی دیں۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، لیکن انھوں نے انکار کردیا، اور کہا۔ "اس قاضی کی مجلس میں اب میں نہیں جاسکتا میں نے نہ جانے کی قسم کھالی ہے، اب میں گیا تو حانث[1] ہوجاؤں گا۔"

اس وقت کے بعد ابنِ عمران کی مجلس میں اگر کوئی شخص ابوسعید کو گواہی میں پیش کرتا تھا تو وہ خود ان کے گھر پر، یا مسجد میں جہاں وہ بیٹھتے تھے، جاکر ان کی گواہی سُنتا تھا، جو پوچھنا ہوتا تھا، پوچھتا تھا۔ ابوسعید صاف صاف بات بتادیتے تھے۔

---

[1] یعنی قسم توڑنے کا کفارہ مجھ پر عائد ہوگا۔

محمد بن عمران موٹا تازہ آدمی تھا، توند نکلی ہوئی، موٹے موٹے سرین چھوٹے چھوٹے پاؤں، پتلی پتلی پنڈلیاں، پیدل چلنا، اس پر بہت گراں گزرتا تھا، اکثر کہا کرتا تھا، "لقد طفت سبعاً والے شعر کی پوچھ گچھ نے مجھے بہت تھکا دیا۔ بے انتہا اذیت اس کے سبب مجھے برداشت کرنی پڑی، میں ٹھہرا موٹا تازہ آدمی، ابو سعید کے پاس جانا اور ان کی گواہی لینا میرے لیے تو ہفت خواں سے کم نہیں۔"

(۱۳۰) ایک دِل گُداز مرثیہ!

ابن جبر کی روایت ہے کہ میں نے ابراہیم بن مہدی کو کہتے ہوئے سُنا "ایک دفعہ میں مکے میں مسجد حرام کے اندر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک بوڑھا آدمی آیا، ایک چپل کو اس نے دوسرے پر رکھا، اور نماز پڑھنے لگا، میں نے دریافت کیا "یہ کون ہے؟" معلوم ہوا ابو سعید مولی فائد یہی ہے۔ میں نے ایک غلام سے کہا، ان بڑے میاں کی ذرا کنکریوں سے خبر لو! اس نے کچھ کنکریاں اٹھا کر اس پر پھینک دیں، ابو سعید نے لڑکے سے کہا، "تم نہیں جانتے کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہاں کے آداب کا خیال رکھنا چاہیے؟" میں نے غلام سے کہا، اس سے کہو، "آپ کو میرے آقا نے یاد فرمایا ہے۔" اس نے ابو سعید سے یہی کہا، اس نے پوچھا، "کون ہے تمھارا آقا؟"

"میرا آقا؟ ابراہیم بن مہدی، آپ کون ہیں؟"

"ابو سعید مولی فائد"

وہ اٹھا اور میرے سامنے آکر بیٹھ گیا، کہنے لگا، "قربانت شوم" میں

نے آپ کو پہچانا نہیں" میں نے جواب دیا، "کوئی مضائقہ نہیں" ہاں ذرا یہ تو بتاؤ یہ راگ کس کا ہے؟

اناض المدامع قتلی کدا   قتلی بکشوۃ لم ترمس

"میرا"

"یہاں سے اٹھنے کا نام نہ لینا جب تک اپنے اشعار نہ سُنالو"

"آپ بھی اُٹھنے کا ارادہ نہ کیجیے گا جب تک سُن نہ لیں"

پھر اس نے اپنا چپّل اٹھا لیا، ایک کو دوسرے پر رکھا، پہلے تو گُنگنلیا، اور وہی راگ گانے لگا، یہاں تک کہ اس شعر پر پہنچا، میں نے سُنتے ہی یہ راگ یاد کر لیا، اس نے جو شعر گایا تھا، وہ عبلی کا تھا، اس کا پورا نام عبداللہ بن عمر ہے اور کنیّت ابو عدی۔ سلیمان بن عباس السعدی روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر العبلی ایک دفعہ سویقہ میں آیا۔ عبداللہ بنو عباس کا مقرّب تھا، یہ بنو امیہ کا آخری دور تھا، اور بنو عباس کے دورِ اقتدار کا آغاز۔ عبداللہ اور حسن نے، جو حسن بن حسن کے فرزند تھے، سویقہ میں قدم رنجہ فرمایا، عبداللہ بن حسن نے اس سے فرمائش کی کہ اپنا کچھ کلام سُنائے۔ اس نے کچھ اشعار سُنا دیے۔ پھر انھوں نے فرمایا، "میں چاہتا ہوں تم نے اپنی قوم کا جو مرثیہ کہا ہے، اس میں سے کچھ سُناؤ، اس نے "عرض" کیا:۔

"مجھے اپنے بستر پر جب اضطراب سے کروٹیں بدلتے دیکھتی ہے تو امامہ کہتی ہے۔

اور میرا کم سونا اپنے بستر پر دیکھ کر جب کہ دوسری آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں، وہ پوچھتی ہے، "اے میرے سردار یہ کیا ہو گیا؟"

میں کہتا ہوں تیرا باپ فکرمند ہے، لیکن تو پریشان نہ ہو۔
تیرے باپ پر فکریں مسلّط ہوگئیں، انھوں نے تیرے
باپ کو ذلّت کے قید خانے میں قتل کر دیا، جب مصائب کے
تیر برس رہے ہوں تو دوست کم ہو جاتے ہیں۔
اسے زمانے کے حوادث نے ایسے تیر لگائے، جو نہ
خطا ہوتے ہیں، نہ پلٹتے ہیں۔
یہ حملے اُن جان لیوا تیروں سے ہوئے جو کسی کو لگ
جاتے ہیں تو فوراً مار ڈالتے ہیں
گرا دیا انھیں اطراف شہر میں ان پر جو زمین پر دراز ہیں
اور دفن بھی نہیں کیے گئے۔
وہ پاک دامن شخص ہے، جسے تکلیف پہنچائی گئی، اس
کے کپڑے عیب اور ذلّت سے بے داغ ہیں۔
دوسرا وہ شخص ہے جو گڑھے میں دفن کر دیا گیا ہے، ایک
اور دوسرا جو تھا وہ اُڑ گیا نہ معلوم کہاں گیا؟
جب ان کا (دونوں کا) ذکر آتا ہے، تو تیرا باپ پھر نہیں
سوتا، لوگوں کی مجلس میں گھبرایا گھبرایا سا رہتا ہے۔
یہی وہ بات ہے جس نے مجھے بےکل کر رکھا ہے، تو سمجھ
لے اور اس شخص کے بارے میں نہ پوچھ جو ہلاکت سے دو
چار ہو رہا ہے۔
انھوں نے میری عزّت خاک میں ملا دی، مجھے ذلیل
اور رُسوا کر دیا۔

یہ آنسو کدا اور کثوہ کے مقتولین کے لیے بہ رہے ہیں جو
دفن بھی نہیں کیے گئے۔
وہ لوگ جو مقامِ وج ہیں، اور یثرب کی دو پتھریلی جگہوں
پر قتل کیے گئے، کتنے اچھے لوگ تھے،
نہروں پر بہت سے لوگ مر گئے؛ اور کچھ لوگ نہرابی
بطرس پر ختم ہو گئے۔
یہ میری قوم تھی، جس پر ہلاکت آفرین زمانے کی ڈالی
ہوئی مصیبتیں آئیں۔
جب وہ لوگ سوار ہوتے تھے تو قافلے کو زینت بخشتے
تھے، اور جب کہیں بیٹھتے، تو مجلس کو دیدہ زیب بنا دیتے
تھے۔
میں ان مقتولین کو کبھی نہیں بھولوں گا، ان کا فراموش
کرنے والا ہرگز زندہ نہ رہے۔"
میں نے دیکھا یہ کلام سُن کر عبداللہ بن حسنؓ کے رخسار آنسوؤں
سے تر ہو گئے۔

---

(۱۳۱) وقت کی بات

ابراہیم بن سکرہ جو ابوضمرہ کے پڑوسی تھے، کہتے ہیں ابنِ ہرمہ یارانِ
میکدہ کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا، شراب کا دور چل رہا تھا، حکم بن مطلب کا ذکر
چھڑ گیا۔ ابنِ ہرمہ نے اس کی خوب خوب تعریف و توصیف کی، لوگوں

نے کہا۔
" تم ایسے آدمی کی مدح کر رہے ہو جس سے اگر تم ابھی راتوں رات بکری مانگنے جاؤ جس کا نام عزّا ہے، تو وہ صاف انکار کر دے گا"
" وہ ایسا کرے گا؟"
" خدا کی قسم ایسا ہی کرے گا"
یہ لوگ جانتے تھے، حکم اس بکری سے بے حد محبّت کرتا ہے، اس کے پاس ستّر دودھاری بکریاں تھیں۔
ابنِ ہرمہ اسی وقت ننگے سر چل کھڑا ہوا، اس نے حکم کا دروازہ کھٹکھٹایا ایک لڑکا باہر آیا۔ ابن ہرمہ نے اس سے کہا، "ابومروان سے کہہ دو، میں آیا ہوں"، حکم نے حکم دے رکھا تھا کہ ابنِ ہرمہ جب آئے تو اس کی فوراً اطّلاع دی جایا کرے، لڑکے نے جا کر حکم کو اطّلاع دی، وہ فوراً باہر آیا۔
" ابو اسحٰق اس وقت کیوں کر آنا ہوا؟"
" ہاں بھائی میں تم پر قربان، میرے بھائی کے ہاں بچّہ ہوا ہے، اس کی ماں کے دودھ نہیں اُترتا، لوگوں نے دودھاری بکری ڈھونڈھی کہیں نہ ملی، مجھے یاد آیا تمھارے پاس ایک بکری ہے جس کا نام عزّا ہے، انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ تم سے اس بارے میں کہوں"
. . .
" تم اس وقت آؤ، اور ایک ہی بکری لے کر جاؤ؟ ——
—— اے غلام! ساری بکریاں ان کے ساتھ کر دے"
غلام نے ساری بکریاں ابنِ ہرمہ کے ساتھ کر دیں، وہ بکریوں کا گلّہ لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا، یاروں نے کہا، "ارے کم بخت یہ کیا؟"

ابن ہرمہ نے انھیں ساری داستان شروع سے آخر تک سُنا دی، ان بکریوں میں بعض کی قیمت دس دینار سے کم نہ تھی۔

---

(۱۳۲) امیر معاویہ اور ولید بن عقبہ[1]

عیسیٰ بن یزید روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عقبہ معاویہ کے پاس آتا رہتا، وہ ایک دفعہ امیر معاویہ کے پاس گیا، انھیں اطلاع دی گئی "دروازے پر ولید بن عقبہ حاضر ہے" معاویہ نے کہا، "خُدا کی قسم وہ اس طرح جائے گا کہ بجائے لینے کے خود کچھ دے کر جائے گا، وہ ابھی آئے گا اور کہے گا، میں مقروض ہوں، میرے اوپر یہ مصیبت ہے، بس اس طرح پریشان ہوں ——— اے غلام اسے اندر آنے دے"

ولید حاضر ہوا، معاویہ نے اس سے بات چیت کی، پھر کہا "خُدا کی قسم، مقامِ وادی میں جو تمھاری جائداد ہے ہم چاہتے ہیں اس کا ایثار کرو، اگر کچھ انقبہ نہ ہو تو یزید کو ہبہ کر دو" ولید نے جواب دیا، "وہ مال یزید ہی کا ہے"۔

پھر ولید وہاں سے چلا آیا، کچھ عرصے تک معاویہ کے دامنِ دولت سے وابستہ رہا، ایک روز اس نے معاویہ سے کہا، "امیر المومنین میرے

---

[1] ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ بن عفان کا علاتی بھائی تھا۔ کنیت ابو وہب تھی، قریش کے شاعر، بہادر اور سخی نوجوانوں میں تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں سعد بن ابی وقاص کے بعد کوفے کا گورنر بنایا گیا، شراب نوشی کے الزام میں حد جاری ہوئی، اور منصب سے معزول کیا گیا۔

مالِ زار پر رحم فرمائیے، میں سخت مصیبت میں ہوں، قرض سے برا بال بال بندھا ہوا ہے"

معاویہ نے جواب دیا، "تمھیں شرم نہیں آتی، ذرا اپنے حسب ونسب پر غور کرو، تمھیں کافی مل جاتا ہے، اور تم یونہی فضول خرچ کر ڈالتے ہو اور ہمیشہ قرض کی شکایت کرتے رہتے ہو" ولید نے کہا، "بہت اچھا" پھر وہ معاویہ کے پاس سے رخصت ہو کر جزیرہ پہنچ گیا، وہاں اس نے کہا:-

"جب تجھ سے کچھ مانگا جاتا ہے تو تو انکار کر دیتا ہے، اور
جب تجھے ضرورت ہوتی ہے تو ہاتھ پھیلا کر مانگ لیتا ہے۔
تو، اچھے کاموں کے سرانجام دینے سے انکار کرتا ہے،
تو دریائے فرات کے کنارے کھڑا ہے، لیکن پیاسوں کو سیراب نہیں کر سکتا۔
کیا تو کبھی بھی اقرار کی طرف، یا کم از کم ترک انکار کی طرف مائل نہ ہوگا؟ یہاں تک کہ تجھے موت آجائے"۔

یہ اشعار معاویہ تک پہنچ گئے، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولید جزیرہ پہنچ گیا، اب انھیں گھبراہٹ ہوئی، انھوں نے ولید کو خط لکھا، اور اپنے پاس بلایا، ولید نے جواب دیا:-

"آپ کی نصیحت کے مطابق میں مستغنی اور بے پروا ہوں . . .
اب میرے علاوہ جسے چاہے نوازیے اور جو چاہے کیجیے۔
میں اپنی سواری تیرے پاس سے دور لے جا چکا ہوں،
مصیبت کے وقت میرے عزم کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ سُتی ہوئی تلوار کے مانند ہو جاتا ہے،

میں ایسا شخص ہوں کہ میری رائیں مختلف ہیں اور کوئی دروازہ میرے اوپر بند نہیں ہے"

پھر ولید حجاز کی طرف کوچ کر گیا، امیر معاویہ نے وہاں اسے طرح طرح کے تحائف بھیجے۔

---

(۱۳۳) ابراہیم موصلی اور خلیفہ ہارون رشید

حماد بن اسحٰق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے میرے دادا سے ایک کنیز خریدی جس کی قیمت ۳۶ ہزار دینار تھی۔ کنیز خلیفہ کے پاس ایک رات رہی، ہارون نے فضل بن ربیع کو حسبِ ذیل خط لکھا :۔

"ہم نے یہ کنیز ابراہیم سے خریدی ہے، ہمارا خیال ہے یہ کنیز ویسی نہیں ہے، جیسا ہمیں گمان تھا، نہ ہمارے مذاق کے مطابق ہے۔ اس کی قیمت میرے اوپر گراں گزر رہی ہے، تمہارے اور ابراہیم کے درمیان دوستی ہے، تم زرا اس کے پاس چلے جاؤ، اور اسے آمادہ کرو کہ وہ چھ ہزار دینار کم کر دے۔"

فضل یہ شقہ پاتے ہی ابراہیم کے پاس گیا، اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میرے دادا فوراً باہر نکل آئے اور گرم جوشی سے ملاقات کی۔ فضل نے کہا، "اس تکلف کو چھوڑیے ہمارے آپ کے درمیان کوئی مغائرت تو ہے نہیں، میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو فریب کار ہوتے ہیں، میں تمہارے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں، جس کے بارے میں مجھے تم پر

بھروسہ ہو۔" پھر فضل نے ابراہیم سے سارا ماجرا کہا۔

ابراہیم نے کہا، "خلیفہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری نگاہ میں تمھاری کتنی وقعت ہے" فضل نے کہا "ہاں اس کا ارادہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے" ابراہیم نے کہا، "میں اپنا سارا مال و متاع سائلین میں خیرات کر دوں، اگر خلیفہ کی فرمایش کا دوگنا نہ گھٹا دوں، اس نے چھ ہزار کہا ہے نا؟ میں بارہ[۱] ہزار گھٹائے دیتا ہوں۔" فضل خلیفہ کے پاس گیا، اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی، خلیفہ نے کہا، میں نے اپنی رعایا میں سے کسی فرد کو اتنا شریف طبیعت نہیں پایا، اسے یہ سارا مال واپس دے دو۔

میرے والد نے مجھ سے کہا، میں تمھارے دادا (ابراہیم) کے پاس آیا۔ میں نے کہا، "آپ نے اتنی قیمت گھٹا دی، یہ کوئی کم مالیت تو تھی نہیں۔" والد نے میری بات سے تغافل برتا، پھر کہا، "تم ہو بے وقوف، میں لوگوں کی ذہنیتوں کو خوب پہچانتا ہوں، خدا کی قسم اگر میں ساری قیمت لے لیتا تو اس صورت میں لیتا کہ وہ ناگواری کے ساتھ ادا کرتا، اور یہ میرے لیے برا ہوتا، اور میری قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جاتی، لیکن تخفیف کر کے میں نے خلیفہ پر اور فضل پر تھوڑا سا احسان کر دیا۔ اس کی طبیعت خوش ہو گئی، وہ مسرور ہو گیا، اس کی نظر میں میری وقعت بڑھ گئی، اور میاں میں پھر بھی نفع میں رہا، یہ کنیز میں نے چالیس ہزار درہم میں خریدی تھی، قیمت میں نے لی چوبیس[۲] ہزار دینار۔"

جب ابراہیم کے پاس خزانۂ خلافت سے کنیز کی قیمت آئی، تو وہ پوری تھی، اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی، اس نے مجھے بلایا اور گویا ہوا، "کہو میاں اسحٰق، دیکھا تم نے۔ میں دور اندیش ہوں یا تم؟" میں نے کہا،

"ابّا جان آپ، خُدا مجھے آپ پر قُربان کرے!"

---

(۱۳۴) منصور اور ابن ہرمہ

محمد بن سلیمان بن منصور راوی ہیں کہ منصور نے اپنا ایک آدمی ابنِ ہرمہ کے پاس بھیجا، اسے ایک ہزار دینار دیے، خلعت دیا، اور اس کی شناخت بتائی، کہا، "اب تم ابنِ ہرمہ کے پاس جاؤ، تم دیکھوگے وہ مسجد کے اندر فلاں مقام پر بیٹھا ہُوا ہوگا۔ اس سے بنی امیہ اور ان کے حامیوں کا ذکر کرنا، پھر کہنا کہ اپنا قصیدہ "حائیہ" سُنائیے جس میں اس نے عبدالواحد بن سلیمان[1] کی مدح کی ہے، کہا ہے:-

وجدنا غالباً کانت جناحا — وکان ابوک قادمۃ الجناح

"ہم نے غالب (خاندان کا نام) کو بازو پایا، اور تیرے باپ کو اس بازو کا اگلا پَر!"

جب وہ یہ قصیدہ سُنا چکے تو کھینچ کر مسجد سے باہر نکالنا۔ اس کی گردن مارنا اور میرے پاس لیتے آنا، اور اگر وہ تمھیں قصیدۂ "لامیہ" سُنائے جس میں اس نے میری مدح کی ہے، تو اسے یہ ایک ہزار دینار اور خلعت دے دینا۔ میرا خیال ہے وہ قصیدۂ "حائیہ" سُنانے سے گریز کرے گا، "لامیہ" کے سوا کچھ اور نہیں سُنائے گا"

منصور کا آدمی آیا، اس نے ابنِ ہرمہ کو ویسا ہی پایا جیسا منصور نے

---

[1] عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک۔ ابنِ ہرمہ نے جب اس کی مدح میں قصیدہ کہا تو یہ مدینے کا گورنر تھا۔

بتایا تھا، وہ اس کے پاس بیٹھ گیا، اس سے درخواست کی کہ عبدالواحد کی شان میں اس نے جو مدحیہ قصیدہ کہا ہے وہ سُنائے۔ ابنِ ہرمہ نے کہا "میں نے تو کوئی ایسا قصیدہ نہیں کہا ہے، نہ مجھے کوئی ایسا قصیدہ یاد آتا ہے، اسے تو غلط طور پر میری طرف وہی منسوب کرسکتا ہے جو میرا دشمن ہو۔

لیکن اگر تم چاہو تو اس سے بھی اچھا ایک اور قصیدہ سُنا دوں؟" آدمی نے کہا، "ہاں ہاں شوق سے سُنائیے"، ابنِ ہرمہ نے قصیدہ سُنایا، جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا۔

سری ثوبہ عنک الصبا المتخائل

یہ پورا قصیدہ اس نے سُنا دیا، پھر اس نے منصور کے آدمی سے کہا "امیرالمومنین نے جو کچھ میرے لیے بھیجا ہے وہ مجھے دے دو"

"کیا مطلب؟ کیا چیز تمھیں بھیجی ہے؟"

"ان باتوں کو چھوڑو، خُدا کی قسم تمھیں امیرالمومنیں نے بھیجا ہے، تمھارے ہاتھ میرے لیے رُپے اور خلعت بھی بھیجا ہے، تمھیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ مجھ سے سلیمان بن عبدالواحد والا قصیدہ سُننے کی فرمایش کرو، اگر میں سُنا دوں تو میری گردن اُڑا دو، اور میرا سر اس کے پاس لے جاؤ، اور اگر میں یہ قصیدۂ "لامیہ" سُنا دوں تو جو کچھ انھوں نے تمھارے ہاتھ بھیجا ہے وہ مجھے دے دو"

آدمی ہنسنے لگا، پھر اس نے کہا، "زندگی کی قسم، تم نے سچ کہا" یہ کہہ کے اس نے ایک ہزار دینار اور خلعت ابنِ ہرمہ کو سونپ دیے، ہم نے ان دونوں باتوں سے بڑھ کر کوئی عجیب بات نہیں سُنی۔

ابنِ ہرمہ نے جس قصیدے میں عبدالواحد کی مدح کی ہے وہ اس کے

کلام کا "شہ کار" کہا جا سکتا ہے، کلام کی ندرت، شعر کی بلندی، اس کا خاص حصہ ہے، کہتا ہے:-

"اے سزاوار ستائش عبدالواحد، میں تیری برہمی کے خوف سے اس شخص کی مانند ہوں جسے پانی پینے میں پھندا لگ چکا ہو،

میری دونوں ہتھیلیاں شل ہو جائیں، میرا گھوڑا رواں ہو، اور اس جگہ لے جا کر مجھے ڈال دے، جہاں نیزے چل رہے ہوں۔

زمانہ مجھے کام کرنے سے روک دے، میں خالی ہاتھ ایسی جگہ رات گزاروں جو پردیس کی ہو۔

میں اگر امیر کے پاس آیا ہوں تو یہ آنا شوق اور خوشی کا آنا نہیں ہے۔

ہم سے غلطی ہوئی اور وہ جان کی جوکھم بن گئی، حالاں کہ بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو محض ہوائی ہوتی ہیں۔

ہم نے غالب (خاندان) کو ایک بازو پایا، اور تیرے والد اس بازو کا اگلا پر۔

جب بخیل بخل کو اپنی ڈھال بنالے، اور وہی اس کے لیے ہتھیار کا کام دے۔

تو اس وقت تیرا ہتھیار بھلائی (سخاوت) ہوتا ہے، یہاں تک کہ تو کام یاب ہو جائے، اس شخص کی آدبر پر جو نیکوکار ہو۔"

(۱۳۵) دو شاعروں کی جھڑپ!

عمارہ بن عقیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جریر عبدالملک بن مروان کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا، اور اخطل عبدالملک کے پاس اندر تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتے تھے، دونوں میں سے کسی کو بھی اپنے "ممدوح" کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ جب جریر کے لیے اذن طلب کیا گیا، تو عبدالملک نے اجازت دے دی، جریر نے سلام کیا، اور بیٹھ گیا۔ اب اخطل نے اسے پہچان لیا، جریر کی نظر اخطل پر پڑی، اس نے پوچھا، "کیا آپ اپنا تعارف کرائیں گے؟"

"میں وہ ہوں جس نے تمھاری راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے، اور تمھاری قوم کے زور کو توڑ دیا ہے"

"بدبخت تو کون ہے؟ کہاں سے آ ٹپکا؟"

پھر وہ عبدالملک کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا، "امیرالمومنین یہ کون ہے؟" عبدالملک ہنسا، اور گویا ہوا، "ابوحزرہ! یہ اخطل ہے" جریر نے اخطل کو دیکھا اور کہا، "اے نصرانیہ کے بیٹے خدا تجھے زندہ نہ رکھے، رہا تیرا میری نیند کو حرام کرنا، سو اگر میں تجھ سے غافل ہو کر سو جاؤں تو یہ تیرے لیے بہتر ہے، اور رہا تیرا میری قوم کے زور کو توڑ دینا، سو تو کیوں کر اسے ہضم کر سکے گا، تو تو ان لوگوں میں ہے جن پر ذلت اور مسکنت مسلط کر دی گئی ہے۔ جن پر اللہ کا قہر نازل ہوا کرتا ہے۔ اے امیرالمومنین مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں اس نصرانیہ کے بیٹے کی مرمت کر دوں"

خلیفہ نے کہا، "یہ میرے سامنے نہیں ہو سکتا!"
جریر مارے غصّے کے اُٹھ کھڑا ہوا، عبدالملک نے کہا، "اخطل اٹھو! اپنے دوست کے ساتھ تم بھی باہر جاؤ، وہ ہم سے تمھاری وجہ سے خفا ہو گیا ہے"
اخطل اٹھا، عبدالملک نے اپنے خادم سے کہا، "جب اخطل جریر کے سامنے آئے تو دیکھو دونوں کیا کرتے ہیں؟"
جریر باہر نکلا، اپنے غلام کو آواز دی، وہ فوراً ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا لے کر حاضر ہوا، جریر اُچک کر بیٹھ گیا، گھوڑا ہنہنایا، گویا وہ اپنے مرکب بننے پر خوش تھا۔
اخطل بھی باہر آیا، دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا، بلکہ اس کی اوٹ میں ہو گیا، وہ اسی طرح کھڑا رہا، یہاں تک کہ جریر چلا گیا، خادم عبدالملک کے پاس آیا، اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔
عبدالملک ہنسا اور کہا، "خدا اسے (جریر کو) غارت کرے، کم بخت کتنا نڈر رہی، خدا کی قسم یہ نصرانی (اخطل) اگر اس وقت اس کے سامنے آجاتا تو اسے کچّا ہی چبا جاتا"

(۱۳۶) کچھ سے کچھ

معن خلاّد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جب عبدالملک نے زفر بن حارث کلابی[۱] کو قرقیسیا[۲] سے بلایا تو اپنے پاس تختِ خلافت پر بٹھایا، اتنے

---

[۱] زفر — قیس و تغلب کے مابین جو معرکے ہوئے ان میں (بقیہ نوٹ صہ ۳۸۹ پر)

میں عبدالملک کے پاس ابن ذی الکلاع آیا، اس نے جوزفر کو عبدالملک کے پاس تخت پر بیٹھا دیکھا تو رونے لگا، عبدالملک نے پوچھا:-

"رونے کیوں ہو؟"

اس نے جواب دیا،" یا امیرالمومنین کیوں کر نہ رووُں؟ اس کی تلوار سے اب تک میری قوم کا خون ٹپک رہا ہے حالاں کہ میری قوم آپ کی مطیع تھی اور یہ تنہا مخالف. لیکن اب وہ آپ کے ساتھ تختِ خلافت پر متمکن ہے اور میں زمین پر کھڑا ہوں"

خلیفہ نے جواب دیا "اسے میں نے اپنے ساتھ اس لیے نہیں بٹھایا ہے کہ میری نگاہ میں وہ تم سے زیادہ معزز ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی خوش بیانی نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا، اس کی باتیں مجھے بہت بھاتی ہیں"

یہ بات اخطل تک بھی پہنچ گئی، وہ بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا، اس نے کہا،" خدا کی قسم میں وہ مقام حاصل کروں گا جہاں تک ابن ذی الکلاع بھی نہیں پہنچ سکا ہوگا" پھر وہ باہر نکلا اور عبدالملک کے دربار میں داخل ہوا، جب عبدالملک کی نظر اس کی طرف اُٹھی، تو اس نے کہا:-

" جامِ شراب مرغ کی آنکھ کی طرح چمک رہا ہے، یہ پینے والے کی عقل کو گم کر دیتا ہے۔

جب کوئی نوجوان بے پانی ملائے تین جام اس شراب کے پی لے تو وہ مست و بے ہوش ہو جائے گا۔

(صفحہ ۳۸۸ کا بقیہ نوٹ)، بنی قیس کا قائد تھا۔

۵۲ قرقیسیا ــــــ جزیرے میں ایک شہر کا نام ہے، یہ دریائے خابور اور فرات سنگم پر واقع

وہ لوگ قریش کی طرح اترائی ہوئی چال چلے، اور اپنے
تہمد کا فاضل کپڑا لٹکا دیا۔"

عبدالملک نے کہا۔ "ابو مالک یہ کیسی بکواس کر رہے ہو؟ کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟"

"امیر المومنین، بے شک میں پاگل ہو گیا ہوں، کیوں کہ میں دیکھتا ہوں یہ خدا دشمن آپ کے پاس تختِ خلافت پر براجمان ہے، حالاں کہ ابھی کل ہی کہہ چکا ہے:۔

"کبھی کبھی سبزہ ویرانوں کی تر زمین پر اُگ آتا ہے، لیکن
دل کا کینہ جوں کا توں رہتا ہے"

یہ سُنتے ہی عبدالملک نے اپنا پانو اٹھایا، ننان کے لات زفر کے سینے پر ماری وہ دھڑام سے نیچے گرا۔ پھر اس نے کہا، "خدا ان سینوں کی کدورتوں کو دُور کرے"

اخطل نے کہا۔" میں آپ کو قسم دیتا ہوں اے امیر المومنین اللہ کی اور اس عہد کی جو آپ نے مجھے دے رکھا ہے"

زفر کا بیان ہے "مجھے موت کا اتنا یقین کبھی نہیں ہوا جتنا اس وقت جب اخطل نے یہ باتیں کیں!"

---

(۱۳۷) عبدالملک اور ایک عراقی!

مدائنی کا بیان ہے، عبدالملک نے کئی مرتبہ عام دعوتیں کیں، جہاں لوگ آ آ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک دعوت میں کوئی عراقی بیٹھا ہوا تھا اسے

عبدالملک کے ایک خادم نے دیکھا، ناک بھوں چڑھائی، اور کہا:-

"کیا تو عراقی ہو؟"

"ہاں!"

"تو جاسوس معلوم ہوتا ہو"

"ہرگز نہیں"

"ضرور تو جاسوس ہو"

"کم بخت! مجھے پریشان نہ کر، میں امیرالمومنین کی سخاوت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہوں تو مجھے بدمزہ کیوں کرتا ہو؟"

اتفاق سے عبدالملک بھی وہاں موجود تھا، اس نے کہا، "یہ شعر کس کا ہو؟"

اذا الارطی توسد ابردیه خدود جوازی بالرمل عین

"جب ترگھاس پر بسر کرنے والی سیاہ چشم گائے ارطی کے درختوں پر صبح شام ٹیک لگاتی ہو۔"

اس شعر کا کیا مطلب ہو؟ اور اس کا قائل کون ہو؟ ہم اسے انعام دینا چاہتے ہیں۔" خادم عبدالملک کی یہ بات سُن رہا تھا۔ عراقی نے خادم سے کہا:-

"کیا تم اسے پسند کروگے کہ میں تمھیں اس کی شرح بتاؤں؟ کس نے کہا ہو، اور کس پر کہا ہو؟"

"ہاں کہو"

"عدی بن زید نے رسی تربوز کے بارے میں یہ شعر کہا ہو۔"

خادم نے یہ بات عبدالملک سے کہی، وہ ہنسا، اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے

لوٹ گیا، اس سے خادم نے پوچھا:-

"میں نے جو کچھ عرض کیا وہ صحیح تھا یا غلط؟"

"غلط"

"امیرالمومنین یہ اس عراقی کا کام ہے، اسی نے مجھے یہ سمجھایا تھا"

"وہ کون ہے؟"

"یہ دیکھیے، وہ کم بخت بیٹھا ہے"

عبدالملک عراقی کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سے پوچھا،

"تمھی نے اس آدمی کو یہ سکھایا تھا؟"

"جی ہاں"

"تم نے غلط سمجھایا تھا یا صحیح؟"

"غلط"

"کیوں؟"

"چوں کہ میں آپ کی دعوت سے روکا جا رہا تھا، اس آدمی نے مجھ سے ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کیں میں نے ارادہ کیا کہ اسے اپنے سر سے ٹالوں اور آپ اس کا مذاق اُڑائیں"

"اچھا پھر صحیح تشریح اس شعر کی کیا ہے؟"

"یہ شماخ بن ضرار غطفانی[1] کا شعر ہے، اس نے یہ شعر ایک جنگلی گائے

---

[1] شماخ بن ضرار غطفانی مشہور شاعر تھا۔ اس نے عہدِ جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں زمانے دیکھے تھے۔ شماخ لقب تھا، نام معقل، اس کے دو بھائی تھے، وہ دونوں بھی اچھے شاعر تھے، محمد بن سلام نے اسے طبقہ ثالثہ میں رکھا ہے، اسے نابغہ، لبید اور ابوذویب کی صف میں شامل کیا ہے، اس نے اس کی بہت تعریف کی ہے، اسے لبید پر ترجیح دی ہے۔

کی تعریف میں کہا ہے جو صرف گھاس پر گزارہ کرتی تھی "۔
" ہاں تم نے سچ کہا "
پھر عبدالملک نے عراقی کو انعام دیا، اور کہا:۔
" کوئی حاجت ؟ "
" اس آدمی کو اپنے ہاں سے نکال دیجیے، یہ شاہی بارگاہ کے لیے موزوں نہیں ! "

---

(۱۳۸) جمیلہ اور عبداللہ بن جعفر[۱]

سیاط کا بیان ہے کہ جمیلہ ایک مرتبہ آنے والوں کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنی کنیزوں کی چوٹیاں اس نے اس طرح گوندھ رکھی تھیں جیسے انگور کے خوشے، جو ان کے سرین تک لٹکی ہوئی تھیں، انھیں طرح طرح کے رنگین کپڑے پہنائے تھے، ان کے سروں پر تاج رکھے ہوئے تھے مختلف قسم کے زیوروں سے انھیں آراستہ کر رکھا تھا، وہ عبداللہ بن جعفر سے ملاقات کرنے کی متمنی تھی، اس نے کاتب سے انھیں حسب ذیل خط لکھوایا:۔

" میرے ماں باپ آپ پر قربان، میری مراسلت سے آپ کی قدر گھٹتی ہے، لیکن آپ کا کرم میری لغزشوں کا پردہ پوش ہے۔ میرا گناہ ایسا ہے جس کی کوئی سزا نہیں، نہ اس کی مغفرت کی کوئی صورت ہے۔

---

[۱] عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، بن عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبدمناف، قرشی ہاشمی۔ حضرت علی علیہ السلام ان کے چچا تھے، یہ بہت کریم، حلیم، اور سخی تھے، ان کا نام ہی " دریائے سخاوت " پڑ گیا تھا۔

اگر آپ نے معاف کر دیا تو عفو، اے گروہ اہلِ بیتِ اطہار آپ کا حصہ ہے
خیر و فضل سے آپ کی بارگاہ معمور ہے، ہم غلام ہیں اور آپ آقا، اس
سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوگا جسے آپ کا شرفِ تقرب حاصل ہو؟
جو آپ کی زیارت کی سعادت سے متمتع ہو رہا ہو، وہ بھی خوش قسمت
ہے جسے آپ کا شرفِ ہمسائگی حاصل ہو جو آپ کے اعزاز سے اپنا
رُتبہ بڑھاتا ہو، جو آپ کو اُمید کی نظر سے دیکھتا ہو! وہ بدقسمت ہے
جس نے آپ کی قدر نہ پہچانی، یہ نہ جانا خُدا نے اس دُنیا پر آپ
کے بارے میں کیا نازل کیا ہے؟ آپ کے خاندان کا چھوٹا بھی بڑا ہے۔
بلکہ سچ تو یہ ہے اہلِ بیتِ اطہار میں کوئی چھوٹا ہے ہی نہیں، آپ کے بڑے
کی جلالتِ مرتبت کا کیا کہنا، بلکہ خُدائے بزرگ و برتر نے جو جلالت
خلق کے لیے پیدا کی ہے وہ آپ ہی کا حق ہے، آپ ہی کو سزاوار ہے،
ہم قرآن کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتے ہیں، حق رسولؐ کا واسطہ دے
کر آپ کو بلاتے ہیں، اگر آپ کو ناگوارِ خاطر نہ ہو تو اس مجلس میں جلوہ
فرما ہو جیے، جو آپ ہی کے لیے ترتیب دی گئی ہے۔ وہ اگر سجے گی تو
آپ ہی سے سجے گی، اس کی کوتاہیاں آپ ہی سے پوری ہو سکتی
ہیں، یہ مجلسِ طرب و نشاط کہیں اور نہیں جم سکتی، اور اس طرز کے
علاوہ کوئی اور راہ نہیں اختیار کی جا سکتی "

عبداللہ بن جعفر نے یہ خط پڑھا، تو کہا، "ہم جانتے ہیں جمیلہ ہماری کتنی تعظیم کرتی ہے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کا کتنا ادب کرتی ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے اس نے قسم کھا رکھی ہے کہ سوا اپنے گھر کے کسی کو کہیں گانا نہیں سُنائے گی " پھر قاصد سے فرمایا، "میں تو فلاں فلاں مقامات پر جانے

کے لیے پا بہ رکاب تھا، جمیلہ کی طرف سے میرا گزرنے کا ارادہ بھی تھا اب اگر خود اس کی یہ مرضی ہے تو میں واپسی پر ضرور اس کے ہاں آؤں گا"

جمیلہ کے دروازے پر عبداللہ بن جعفر پہنچے، تو آپ کے ہمراہیوں میں بعض لوگ تو آپ کے ساتھ اندر داخل ہو گئے، اور بعض واپس چلے گئے۔ آپ نے اندر جا کر دیکھا کہ حسنِ رعنا، جو سادگی کی تصویر ہے، سامنے ہے، یہ دل میں گھر کر جانے والا منظر دیکھ کر آپ نے کہا۔

"جمیلہ تمھیں تو بہت بڑی نعمت دی گئی ہے، یہ رنگا رنگی جو تم نے بنائی ہے خوب ہے"

"میرے آقا! اچھے کے لیے اچھی ہی چیز ہونا چاہیے، یہ مجلس تو آپ ہی کے لیے ترتیب دی گئی ہے"

عبداللہ بن جعفر بیٹھ گئے، جمیلہ آپ کے پسِ پشت آ کر کھڑی ہو گئی کنیزیں دو صفیں بنا کر ایستادہ ہو گئیں، عبداللہ نے جمیلہ کو قسم دی کہ وہ بیٹھ جائے، وہ قریب ہی بیٹھ گئی، اس نے کہا۔

"میرے مالک، کیا میں آپ کو کچھ سناؤں؟"

"ضرور سناؤ"

جمیلہ نے گایا۔

" اے عبدالملک کے بیٹو! جس کا چہرہ رات کی تاریکی میں
اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند۔
اس قبیلے کے بوڑھے، بوڑھوں میں سب سے اچھے
ہیں، ان کی نسل، نسلِ ملوک کی طرح ہے، جو نہ ہلاک ہوتی ہے
نہ جس میں عیب ہوتا ہے۔

ابو عتبہ، جو تم سے مل چکا ہے اس کے جمال کا یہ حال تھا کہ پیشانی
سفید تھی اور چہرہ دمکتا ہوا۔
یہی حال ساقی حجاج کا تھا، ہاشم بھی سراپا خیر تھے اور
عبدِ مناف بھی، یہ سب بلند رُتبہ سردار تھے۔
تمہارا باپ قصی ہے، جو مجمّع کے نام سے پکارا جاتا تھا،
اس کی وجہ سے اللہ نے بنی فہر کے قبائل کو ایک کر دیا تھا!"

یہ سُن کر عبداللہ نے کہا۔ "جمیلہ بہت خوب تو نے گایا اور خدا نے جو کچھ کہا وہ بھی سچ کہا، خُدا کی قسم ایک دفعہ اور یہی سُنا!"

جمیلہ نے تعمیل کی، پہلی مرتبہ اس نے برجستہ گایا تھا، اِس مرتبہ اُس سے بھی اچھا گایا۔

پھر جمیلہ نے اپنی ساری کنیزوں کو حکم دیا کہ عود لے کر حاضر ہوں، ان کنیزوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کُرسیاں پہلے سے بچھی ہوئی تھیں، جمیلہ نے ان سے کہا کہ کرسیوں پر بیٹھ جائیں، وہ بیٹھ گئیں، بجانے لگیں اور جمیلہ نے ان کے ساز پر یہی راگ گانا شروع کیا۔ کنیزیں بھی اسی لَے پر گانے لگیں، جب وہ سب عود بجا رہی تھیں، عبداللہ نے کہا، "مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ یہاں یہ کچھ ہوگا، یہ گانا تو دل کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے، اسی لیے بہت سے لوگ جو اس بات کو جانتے ہیں گانے کو ناپسند کرتے ہیں"

پھر عبداللہ نے اپنا خچر منگوایا، اس پر سوار ہوئے اور اپنی راہ لی۔

جمیلہ نے اس جماعت کے لیے بڑی مقدار میں کھانے کا انتظام بھی کیا تھا، عبداللہ نے جو پہلے یہاں قیام کا ارادہ کر رہے تھے، چلتے چلتے اپنے ساتھیوں سے کہا، ناشتے کے لیے ذرا رُک جاؤ، ناشتہ کر کے خوش خوش اپنے

گھروں کو واپس جاؤ"

---

(۱۳۹) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور شعرا

ریاشی حماد راویہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے مدینۂ منورہ حاضر ہوا، یہاں سب سے پہلے میری جس آدمی سے ملاقات ہوئی وہ کثیر عزہ تھا، میں نے کہا، "میری پونجی میں سے کچھ تمہارے پاس بھی ہے؟" اس نے کہا، "جو کچھ احوص اور نصیب کے پاس ہے وہ میرے پاس بھی ہے" میں نے پوچھا، "کیا ہے وہ؟" اس نے کہا، "مجھ سے زیادہ وہ دونوں تمھیں بہتر جواب دے سکتے ہیں" میں نے کہا، "ہم تمہارے پاس سیر سپاٹے کے لیے نہیں آئے ہیں، جو کچھ تمہارے پاس ہے ہم اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ تمہارا نام زندہ رہے، لیکن ایسے کم لوگ ہیں جو اس کا موقع بہم پہنچاتے ہیں، میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب دیجیے تاکہ جو آپ بتائیں وہ میں آپ سے حاصل کروں۔"

اس نے کہا، "میں نصیب، احوص، ہم سب عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں اس تعلق کی بنا پر جو ہمیں عبدالعزیزؒ سے تھا، اور اس بھائی چارے کی بنیاد پر جو عمرؒ سے تھا ان کے پاس گئے، سب سے پہلے ہماری ملاقات مسلمہ بن عبدالملک سے ہوئی، وہ نوجوانانِ عرب میں سے ایک نوجوان تھا ہم میں سے ہر شخص اس کے لطف و کرم کا متمنی تھا۔ کوئی شبہہ نہیں وہ خلیفہ کا شریکِ خلافت تھا، مسلمہ نے ہماری اچھی طرح دعوت کی، بہت قدر و منزلت کی، پھر کہا۔

"کیا تم نہیں جانتے تمہارا امام شعرا کو کچھ نہیں دیتا"
"اب تو ہم آ چکے، کسی نہ کسی طرح خلیفہ کو ہماری طرف متوجہ کرو"
"جو آلِ مروان میں سے دین دار تھا، وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گیا، باقی رہ گئے اہلِ دُنیا، وہ تمہاری ضرورتیں پوری کریں گے، اور وہی کریں گے جس کے تم اہل ہو"

ہم سلمہ کے پاس چار مہینے تک مقیم رہے، لیکن خلیفہ کی خدمت میں باریاب نہ ہو سکے۔ سلمہ ہمارے لیے اذنِ باریابی طلب کرتا تھا، مگر کامیاب نہیں ہوتا تھا، ایک روز میں نے کہا، جمعہ کے روز میں مسجد جاؤں اور عمر کا کچھ کلام یاد کرتا جاؤں، میں مسجد میں آیا، میں پہلا شخص تھا جس نے عمر بن عبدالعزیز کا کلام یاد کیا تھا، میں نے سُنا، حضرت نے اپنے خطبے میں کہا:-

"ہر سفر کے لیے سامان ضروری ہوتا ہے، دُنیا میں رہ کر آخرت کے لیے توشے کا انتظام کرو، بہترین توشہ تقویٰ ہو سکتا ہے، تم اس طرح بن جاؤ گویا تم دیکھ رہے ہو، خدا نے تمہارے ثواب و عقاب کے لیے کیا کیا کیا ہے؟ ثواب کے لیے کوشش کرو اور عقاب سے خوف کرو۔ تمہیں مہلت زیادہ لمبی نہیں ملے گی، ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل سخت پڑ جائیں، اور تم اپنے دشمن (نفس) کے مطیع بن جاؤ۔ یاد رکھو، دُنیا میں مطمئن رہنے کا حق صرف اسی کو ہے جو آخرت میں عذابِ الٰہی سے نجات کا یقین رکھتا ہے جو شخص زخم کا علاج نہیں کرتا اس کا زخم دوسری جانب سے اور زیادہ پھیلتا ہے، انسان دُنیا میں کس طرح مطمئن رہ سکتا ہے؟ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں

تمھیں کوئی ایسا حکم دوں جس سے میرا ضمیر مجھے منع کرتا ہو۔
اس طرح میرا نفع نقصان سے بدل جائے گا، میرا فقر نمایاں ہو جائے
گا، میری مسکنت ظاہر ہو جائے گی، اس دن جب کہ حق اور صدق کے
سوا کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچائے گی"

اس خطبے نے مسجد میں ہنگامۂ گریہ و بکا پیدا کر دیا، خود حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی رونے لگے، آنسوؤں سے آپ کے کپڑے تر ہو گئے، ہمیں اندیشہ ہوا کہیں آپ کی روح نہ پرواز کر جائے۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا، میں نے کہا، عمر کے لیے دوسرے طرز کے اشعار کی فکر کرو، ویسے نہیں جیسے ہم نے پہلے کہہ رکھے تھے، یہ شخص اب دُنیا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ مسلمہ نے جمعہ کے روز نماز کے بعد، جب اذن عام کا وقت ختم ہو چکا تھا، ہمارے لیے اذنِ باریابی حاصل کیا، ہم اندر داخل ہوئے ہم نے سلام کیا، خلافت کی مبارک باد دی، خلیفہ نے جواب دیا، میں نے عرض کیا:۔

"یا امیرالمومنین ہمیں درِ دولت پر پڑے پڑے مدت گزر گئی، اور نتیجہ اب تک کچھ نہ نکلا، وفودِ عرب آپ کی اس زیادتی کے شاکی ہیں فرمایا، "کثیر! کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سُنا! جو قرآن میں وارد ہوا ہے، انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا، والمؤلفۃ قلوبھم فی الرقاب، والغارمین، و فی سبیل اللہ، وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم، (یعنی صدقات کا مصرف فقرا ہیں، مساکین ہیں، عاملینِ زکوۃ ہیں، نومسلم ہیں، مکاتب غلام ہیں، مقروض ہیں، اللہ کی راہ میں

شہید ہوجانے والے ہیں، مسافر ہیں، یہ اللہ کی طرف سے فرض ہو، اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہو) بتاؤ اس فہرست میں سے کون سا عنوان تم پر صادق آتا ہو؟"

میں نے خلیفہ سے ہنستے ہوئے کہا، "میں مسافر ہوں، اور اپنی منزل سے دور ہوں"

خلیفہ نے کہا، "کیا تم ابو سعید کے مہمان نہیں ہو؟"

میں نے کہا، "کیوں نہیں ہوں"

فرمایا، "میں نہیں خیال کرسکتا جو شخص ابو سعید کا مہمان ہو وہ مسافر کہلایا جاسکتا ہو، یا منقطع ہوسکتا ہو!"

پھر میں نے اپنا کلام پڑھنے کی اجازت طلب کی، حضرت نے ارشاد فرمایا، "پڑھو، لیکن جو کچھ کہو سچ کہو، اللہ تم سے باز پُرس کرے گا۔"

میں نے کہا:-

" تو خلیفہ ہوا اور تو نے علیؑ کو گالی دینا بند کردیا، اور بدگویوں سے نہ ڈرا، اور مجرموں کی بات نہ مانی۔

تو نے جو کچھ کہا اس کو اپنے فعل سے سچ کر دکھایا، پس ہر مسلمان راضی ہوگیا۔

بلاشبہ انسان کے لیے اس کی کجی کے بعد ضرورت ہو کہ وہ سیدھا کیا جائے۔

دُنیا اس کے دروازے پر شاہانہ لباس پہن کر آئی اور اپنے ہاتھ اور اپنی کلائی دکھائی۔

کبھی وہ چشمِ بیمار سے اشارہ کرتی ہو، اور کبھی ایسے دانتوں

سے ہنستی ہے جو پروئے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔

توُ نے اس سے کراہت سے منہ موڑا گویا اس نے تجھے زہر پلادیا
یا اندرائن کا پھل کھلا دیا

توُ اس کی جماعت میں اس طرح تھا گویا پناہ گاہ میں ہے،
توُ اس کے دریا میں یوُں تھا جیسے بحرِ موآج۔

توُ سبقت لے جانے والا تھا، ہر انتہا کی طرف چڑھ جاتا
تھا، اس کے ذریعے بلند عمارتوں کی بلندی پر۔

جب تیرے پاس بے طلب حکومت آگئی، اور دُنیا چاہنے
والے کے لیے یارائے گفتگو نہ رہا۔

توُ نے اس چیز کو چھوڑ دیا جو فنا ہونے والی تھی، اگرچہ وہ
بھلی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، اور اپنی صائب رائے سے اسے
پسند کرلیا جو باقی رہنے والی ہے۔

توُ اس چیز سے دوُر ہوگیا جو فنا ہونے والی ہے، اور اس
چیز کے لیے تیار ہوگیا جو اس دن تیرے سامنے ہوگی جو خوف
و دہشت کا دن ہوگا۔

خلیفہ ہوجانے پر سوا خُدا کے تجھے مرغوب اور پسندیدہ
چیزوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔

تیرے دل میں ایک بیدار کرنے والا خیال آیا، جس کے
ذریعے توُ بلند مقامات کی بلندیوں پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ گیا،

مشرق اور مغرب میں زمین کے اوُپر کوئی پُکارنے والا
خواہ وہ فصیح بیان ہو، یا ژولیدہ گو، ایسا نہیں ہے۔

جو کہتا ہو، اے امیر المومنین، تو نے مجھ پر ظلم کیا، نہ درہم لے
کر نہ دینار لے کر۔
اگر مسلمانوں کے بس میں ہوتا کہ وہ اپنی عمر تقسیم کر سکتے، تو
بے تامل وہ اپنی آدھی عمر تیری عمر میں ملا دیتے۔
پھر تو اس وقت تک زندہ رہتا جب تک حج کے
لیے تیز رو سوار حرم اور زمزم کا طواف کرتا۔
ایک تاجر کے لیے یہ کتنے نفع کا سودا ہے، کتنا بڑا! کتنا
اعلیٰ! اور کتنا عظیم الشان!"

حضرت نے فرمایا، "کثیر! جو کچھ تم نے کہا، خدا سب کی باز پرس کرے
گا" پھر احوص حضرت کے سامنے آیا، اجازت طلب کی، حضرت نے کہا،
"پڑھو لیکن جو کچھ کہو سچ کہو، خدا باز پرس ضرور کرے گا"

احوص نے کہا:۔
"شعر کیا ہے؟ ایک ترتیب دیا ہوا کلام، وہ سچ بھی ہو سکتا
ہے اور غلط بھی۔
تو وہی بات قبول کر جو مرضی کے مطابق ہو، اور تو ہمیں
بیوہ عورتوں کی طرح واپس مت کر۔
ہم نے دیکھا تو حق بات سے مڑتا نہیں، نہ داہنی طرف
نہ بائیں طرف جیسا زیادتی اور جھگڑا کرنے والا کیا کرتا ہے۔
تو حصولِ مقصد کے لیے اپنی پوری قوت صرف کرتا ہے،
اور سلفِ صالحین کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔
اس چیز کے بارے میں جو ظاہر ہوئی، ہم نے کہا، اور

جھوٹ نہیں کہا، کون ہے جو قولِ عادل کی سچائی کو جھٹلا سکے؟
جب تیر تانت سے نکل جائے، تو کون اسے واپس لا سکتا ہے؟ جب وہ تیر چلانے والے کی چٹکی سے نکل چکا ہو؟
اگر یہ بات نہ ہوتی، جیسا کہ سخی خلفا نے ہماری عادت ڈال دی جو بہادر شیروں کی طرح تھے۔
بلند قامت مضبوط سانڈنی ایک ماہ تک میرے پالان کو لے کر تیز نہ دوڑتی، جس نے بڑے جنگلوں کو سواریوں کے ساتھ طے کیا۔
ہم نے تجھ سے بھی وہی امید رکھی، جو ہم نے تیرے اسلاف سے کامیابی کے ساتھ وابستہ کی تھی۔
تیرے پاس شعر کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اگرچہ وہ موتی کی طرح آب دار کیوں نہ ہو؟
گو اس نے ٹھیک اور سچی بات کہی ہو، اس میں کوئی عیب نہ ہو، اور اس نے اس کو اس طرح مرتب کیا ہو جیسے مکان بنانے والا مکان کو۔
لیکن تیرے ساتھ ہماری رشتہ داری اور بے ریا خلوص وہ ہے، جو ان باپ دادا کی میراث ہے، جو نیزے لے کر چلتے تھے۔
انھوں نے صلح کے دشمن کو میدان سے بھگا دیا، اور دین کے ستون کو ٹیڑھا ہونے کے بعد مضبوط گاڑ دیا۔
تجھ سے پہلے شعر کے انعام میں وہ شال ہے جو کعب کو چادر دی گئی۔

خُدا کے رسول نے جس کو نبوّت کے لیے منتخب کیا گیا، اس پر
صبح و شام سلام ہو۔
تیری بخشش وہ ہی کہ اس کا تھوڑا ہی حصّہ کافی ہی، اور وہ
بخشش بہتے ہوئے دریاؤں سے بہتر ہی "
حضرت نے احوص سے کہا، " جو کچھ تم نے کہا ہی، خُدا اس کی بازپرس
کرے گا "

اب نصیب آگے بڑھا، کلام پڑھنے کی اجازت مانگی، حضرت نے اجازت دینے سے انکار کردیا، بہت برہم ہوئے، اسے حکم دیا کہ وابق[1] چلا جائے، میرے لیے اور احوص کے لیے (ہم میں سے ہر ایک کے لیے) ڈیڑھ ڈیڑھ سو درہم دیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

---

(۱۴۰) حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ایک شاعر

مدائنی کی روایت ہی کہ دکین[2] الراجز کہتے تھے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینۂ منوّرہ کے گورنر تھے، تو میں نے آپ کی شان میں ایک قصیدۂ مدحیہ کہا، آپ نے مجھے پندرہ نہایت اعلیٰ درجے کی اونٹنیاں مرحمت فرمائیں۔ مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ انھیں فروخت کروں، یا دُور دراز کی مسافت کا کام

---

[1] وابق —— حلب کے قریب ایک دیہات ہی، یہاں بڑے اچھے اچھے سبزہ زار نزہت گاہیں اور چراگاہیں ہیں۔ بنی امیہ کے امراء رومیوں کی جنگ سے واپس آکر یہاں آرام لیتے تھے۔

[2] دکین بن رجا، بنی فقیم میں سے تھے، "دکین الراجز" کے نام سے مشہور تھے۔

اُن سے لوں۔

میرے پاس مصر سے کچھ دوست آئے، میں نے انھیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ انھوں نے کہا بہتر، لیکن ہم رات کو کوچ کریں گے، میں حضرت کے پاس آیا، انھیں سلام کیا، ان کے پاس دو مرد بزرگ موجود تھے، جنھیں میں نہیں پہچانتا تھا۔ حضرت نے کہا، "دکین! میں خُدا سے ڈرنے والا دل رکھتا ہوں، اگر میری حالت کبھی اب سے بہتر ہو تو میرے پاس آنا اور بخشش لے جانا" میں نے کہا، "گواہ؟" فرمایا، "خُدا گواہ ہے"! میں نے کہا، "خُدا تو ہے لیکن اس کی مخلوق میں سے بھی تو کوئی ہو؟" ارشاد ہوا، "یہ دو بزرگ انسان موجود ہیں" میں ان میں سے ایک کی طرف مخاطب ہوا، میں نے پوچھا:۔

"آپ کون ہیں؟ کیا میرا آپ سے تعارف ہو سکتا ہے؟"

"میں سالمؒ بن عبداللہ بن عمرؓ ہوں"

"میں نے یہ گواہ تسلیم کر لیا"

"پھر میں نے دوسرے سے پوچھا"

"آپ کی تعریف؟"

"ابویحییٰ! امیر کا غلام!"

میں اپنی اونٹنیوں کو لے کر شہر آگیا، اللہ نے ان میں اتنی برکت دی کہ میں نے اور بہت سے اونٹ اور غلام خرید لیے۔

میں ابھی صحرائے فلج میں تھا کہ میں نے سُنا، سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے پوچھا، "اب خلافت پر کون مامور ہوا؟" معلوم ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز!

میں حضرت کی طرف چل پڑا، راستے میں جریر سے ملاقات ہوئی،

و [illegible] کے پاس سے [illegible] تھا، میں نے پوچھا:-

"کہو ابوحزرہ کہاں سے آ رہے ہو؟"

"اس کے پاس سے [illegible] کو بہت کچھ دیتا ہے اور شعرا کو یونھی ٹرخا دیتا ہے"

میں آگے بڑھا، میں نے دیکھا اپنے گھر کے صحن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز تشریف فرما ہیں، لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، مجھے آپ تک پہنچنے کا موقعہ نہ ملا، میں نے صدا لگائی:-

" ای عمر جو نیکی اور بھلائی کرتا رہتا ہے، ای بڑی قوتوں والے عمر!'

میں قطن بن دارم کا ایک فرد ہوں، اپنا قرض اپنے شریف بھائی سے مانگ رہا ہوں۔

اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، ہماری نظر، ابویحییٰ اور سالم پر لگی ہوئی ہے۔"

اتنے میں ابویحییٰ کھڑا ہوا، اس نے کہا، "ای امیرالمومنین، اس بدوی کی موافقت میں آپ کے خلاف میرے پاس شہادت ہے۔"

حضرت نے فرمایا، "ہاں میں جانتا ہوں، دکین! تم میرے قریب آؤ، جیسا کہ میں نے تم سے کہا تھا، میرا دل جب کوئی چیز پا لیتا ہے تو پھر اس سے بڑی چیز کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دیکھو دُنیا میں نے جتنی چاہی مجھے مل گئی، اب میں آخرت کا جویا ہوں۔ لوگوں کی دولت میں سے میرے پاس کچھ نہیں ہے، میرے پاس میرے صرف دو ہزار درہم ہیں، نصف تم لے لو"

خُدا کی قسم، ان ایک ہزار درہموں سے بڑھ کر برکت والی کوئی اور رقم میں نے

کبھی نہیں دیکھی۔

دلیکن وہی شاعر ہے جس کے یہ اشعار عرب میں مشہور ہیں :۔

" اگر آدمی اپنی عزت کو بخل سے داغ دار نہ بنالے تو جو
چادر بھی وہ پہنے گا وہ خوب صورت ہی رہے گا۔
اور اگر اس نے اپنے نفس کو گندگی سے بلند نہ رکھا تو اس
کی تعریف اور ستائش کا کوئی پہلو نہیں ہے!"

---

(۱۴۱) سخن سازی

محمد بن فضل سکونی کہتے ہیں، منصور کے پاس پرچہ گزرا کہ مطیع بن ایاس[1]
زندیق ہے۔ وہ اس کے بیٹے جعفر اور اس کے خاندان کے پاس رہتا ہے، اندیشہ
ہے کہ وہ لوگ اپنے عقائد نہ خراب کرلیں، اور اسی کا " مذہب " نہ اختیار کرلیں۔
خبر دینے والے سے مہدی نے کہا، "میں اسے خوب جانتا ہوں، جہاں تک
زندقہ کا تعلق ہے سو وہ اس کا اہل ہی نہیں " ہاں وہ بد دین ہے، فاسق ہے، اور

---

[1] مطیع بن ایاس کنانی، مشہور شاعر، اموی اور عباسی دونوں حکومتوں کے زمانے اس نے دیکھے شاعر بہت بلند پایہ نہیں تھا، لیکن آدمی خوش طبع تھا، اپنے زندقہ میں بدنام تھا اس کی کنیت ابوسلمیٰ تھی۔ کوفے میں پیدا ہوا، وہیں پروان چڑھا، یہ ولید بن یزید بن عبدالملک کے دامنِ دولت سے وابستہ تھا، اس کے حکام وعمال اور اقارب سے بھی اس کے تعلقات تھے۔

پھر عہدِ عباسی میں، یہ جعفر بن ابوجعفر المنصور کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا، اور اسی کے پاس اس نے وفات پائی۔

اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود توڑتا ہے" منصور نے کہا، "اسے میرے پاس حاضر کرو، اسے منع کردو کہ وہ جعفر اور اس کے اہلِ بیت کے پاس نہ بیٹھا اٹھا کرے"

مطیع مہدی کے حضور میں لایا گیا، اس سے مہدی نے کہا، "کیوں اے خبیث! کیوں بے فاسق، تو میرے بھائی کو اور میرے دوسرے عزیزوں کو خراب کر رہا ہے؟ خدا کی قسم مجھے معلوم ہوا ہے وہ لوگ قرعہ ڈال ڈال کے تجھے بلاتے ہیں۔ اور تیرا لطفِ ہم نشینی حاصل کرتے ہیں، تو نے انھیں بدنام کر دیا ہے، لوگوں میں انھیں رسوا کر دیا ہے۔ اگر میں نے امیرالمومنین کے سامنے ان الزامات کے بارے میں تیری صفائی نہ دے دی ہوتی، تو کوئی شبہ نہیں تیری گردن اُڑا دینے کا حکم صادر ہو جاتا" پھر مہدی نے ربیع سے کہا۔ "اسے دو سو دُرّے لگاؤ، اور قید کر دو"

مطیع نے کہا، "میرے آقا مجھے یہ سزا کیوں دی جا رہی ہے؟"

"اس لیے کہ تو شرابی ہے، مست و مدہوش رہتا ہے، میرے تمام خاندان والے تیری صحبتِ بد سے خراب ہوئے جاتے ہیں"

"اگر آپ اجازت دیں اور سُنیں تو کچھ عرض کروں؟"

"کہہ کیا کہتا ہے!"

میں ایک شاعر ہوں، رندِ مشرب ہوں۔ بادشاہوں کے ہاں تو شراب اُڑتی ہی رہتی ہے، آپ کے ہاں اسے دخل نہیں ہے۔ میری آج کل پوچھ ہی کہاں ہے؟ میں تھوڑی سی شراب پر بھی خوش ہو جاتا ہوں، حالاں کہ آپ کے بھائی کے دسترخوان پر وہ عام ہے، لیکن وہ اپنے اہلِ خاندان کو ترغیب نہیں دیتا۔ اسی بنا پر میں نے اس کی تعریف و توصیف کی،

اور شکریہ ادا کیا، اگر یہ کوئی بُری بات ہی تو میں توبہ کرتا ہوں"

مہدی کچھ دیر تک سر جھکائے رہا، پھر اس نے کہا، "مجھے اطلاع ملی ہی جب تجھ سے کوئی بھیک مانگتا ہی، تو تو اس سے ڈھٹائی سے پیش آتا ہی اور اس کا مذاق اُڑاتا ہی" اس نے کہا، "نہیں، خدا کی قسم نہیں، نہ میں ایسا کر سکتا ہوں، نہ ایسا مجھ سے سرزد ہو سکتا ہی، ہاں ایک مرتبہ ضرور ایسا ہوا تھا۔ ایک اندھے بھکاری نے مجھے روکا، میں اپنے خچر پر پُل سے گزر رہا تھا، اس نے خیال کیا میں کوئی فوجی ہوں۔ اس نے اپنا ڈنڈا میرے سامنے کر دیا، اور چلّایا:۔ ی اللہ خلیفہ کو رحم دل بنا دے کہ وہ فوجیوں کو ان کا راتب دے، تاکہ وہ تاجروں سے طرح طرح کی چیزیں خریدیں، اور تاجر نفع اندوز ہوں، پھر ان کا مال بڑھے تاکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو، اور وہ مجھے صدقہ دیں" مجھے اس کا یہ چلّاتا اور ڈنڈے کا میرے منہ کے سامنے کرنا بہت ناگوار ہوا، کیوں کہ قریب تھا کہ میں دریا میں گر جاؤں، میں نے اس سے کہا، "اے شخص تو جو کچھ کہہ رہا ہی وہ سب بکواس ہی، جو کچھ مانگنا ہی اللہ سے مانگ۔ ایسی بے تکی باتیں نہ کر، یہ سب باتیں بے کار ہیں۔ لوگ اس بات پر ہنس پڑے اور آپ کے آدمی نے میرے زندقہ کی خبر آپ تک پہنچادی"

مہدی یہ بات سُن کر ہنسا، اور کہا، "اسے چھوڑ دو، نہ اسے کوڑے لگاؤ، نہ اسے قید کرو"

مطیع نے کہا، "میں اس حالت میں آپ کے پاس آیا کہ آپ برہم تھے اور جا اس طرح رہا ہوں کہ آپ خوش ہیں۔ جو تہمت مجھ پر لگائی گئی تھی وہ دھل چکی ہی، کیا میں بے انعام چلا جاؤں؟"

مہدی نے کہا، "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، اسے دو سو دینار دو، امیرالمومنین

کو ان باتوں کی اطّلاع نہ ہو، ورنہ ان کے سامنے اس کے جرائم پھر سے تازہ ہو جائیں گے"

مہدی خطبا میں دکین کے قیام کو مناسب سمجھتا تھا، وہ اس سے خوش تھا کہ وہ منصور کے لیے مہدی کی حدیثیں گھڑتا ہے، اس نے مطیع سے کہا،
"تم بغداد سے چلے جاؤ، جعفر کے پاس رہنا بھی چھوڑ دو، یہاں تک کہ امیرالمومنین تمھیں بھول جائیں"

"پھر میں کہاں جاؤں؟"

"میں سلیمان بن علی کو خط لکھے دیتا ہوں وہ تجھے کہیں کا منصب دار بنا دیں گے، اور حسنِ سلوک سے پیش آئیں گے"

"میں بسر وچشم تعمیلِ ارشاد کے لیے تیار ہوں"

مطیع مہدی کا خط لے کر سلیمان کے پاس پہنچا۔ اس نے بصرے میں اسے صدقات کا بخشی بنا دیا، پہلے اس جگہ پر داؤد بن ابی ہند کام کرتا تھا، وہ معزول کر دیا گیا، اور مطیع بن ایاس کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیا گیا!

---

(۱۴۲) بھائی بھائی کی محبّت

- نام متمم بن نویرہ، کنیت ابو نہشل، اس کے بھائی مالک کی کنیت ابوالغوار تھی۔ مالک کو "فارس ذی الخمار" بھی کہتے تھے، اس لیے کہ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جو "ذی الخمار" کہلاتا تھا۔

محمد بن سلام کہتے ہیں کہ مالک بن نویرہ، بہادر، شریف اور شاعر تھا اس فن میں اسے امتیاز اور تقدم حاصل تھا۔ اس کی زلفیں بہت بڑی تھیں،

اسے جفول بھی کہتے ہیں۔ مالک کو جنگِ ردّہ[1] میں حضرت خالد بن ولید نے مقام بطلح پر قتل کیا تھا۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کا زمانہ تھا، وہ اس زمانے میں بطلح ہی میں قیام پذیر تھا، جب سجاح[2] نے دعوئے نبوت کیا تو مالک اس کے ساتھ ہو گیا، پھر اس نے اظہارِ اسلام کیا، مگر حضرت خالد نے اس کی گردن اُڑا دی صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عمر فاروقؓ اور ابو قتادہ انصاریؓ بھی شامل تھے حضرت خالد پر اعتراض کیا، اس لیے کہ انھوں نے قتل کے بعد مالک کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔

احمد بن عمران العبدی، جو اہلِ علم میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔ اپنے والد کے ذریعے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے فجر کی نماز حضرت عمرؓ بن خطابؓ کے ساتھ ادا کی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے دیکھا ایک پستہ قد کانا، بازو میں کمان لٹکائے ہوئے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، انھوں نے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟" جواب ملا، "متمّم بن نویرہ" حضرت نے فرمایا، "تم نے اپنے بھائی مالک کا جو مرثیہ کہا ہے وہ سناؤ!" وہ سُنانے لگا، یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:۔

"ایک زمانے میں ہم اس طرح تھے جیسے جذیمہ[3] کے دونوں ساتھی۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا ان میں جدائی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] جنگِ ردہ اس جنگ کو کہتے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان قبائل کے خلاف شروع کی تھی، جو سرکارِ دو عالم کی وفات کے بعد زکوٰۃ دینے سے منکر ہو گئے تھے۔

[2] ایک عورت جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا، اور حضرت ابو بکر سے جنگ کرنا چاہتی تھی۔

[3] جذیمہ ایک بادشاہ تھا جس کے دو ندیم تھے، جنھیں اس نے کسی حالت میں بھی جُدا نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔

اور جب ہم جُدا ہو گئے تو ایسا معلوم ہوتا ہر کہ میں اور مالک
اتنی مدّت تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات بھی ایک
ساتھ نہ سوئے تھے"

حضرت عمرؓ نے کہا، "خدا کی قسم یہ ہر مرثیہ۔ کاش میں بھی ایسے اچھے شعر کہہ سکتا، تو میں بھی اپنے بھائی زید کا ایسا ہی مرثیہ کہتا، جیسا تو نے اپنے بھائی مالک کا کہا ہر" متمّم نے کہا، "اگر میرے بھائی کی بھی ایسی ہی موت ہوئی ہوتی جیسی آپ کے بھائی کی ہوئی، تو میں ہرگز مرثیہ نہ کہتا" زید جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ امیر جیش حضرت خالد بن ولید تھے، حضرت عمرؓ نے کہا، "میرے بھائی کی کسی نے ایسی بہتر تعزیت نہیں کی، جیسی متمّم نے کی" حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، "یمامہ کی جانب سے جب ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو مجھے ایسا خیال ہوتا ہر گویا مجھے میرے بھائی زید کی مہک آرہی ہر"

متمّم سے کہا گیا، "بھائی کے غم میں تیرا کیا حال ہر؟" اس نے جواب دیا، "بیس برس تک میری آنکھوں سے آنسو کا کوئی قطرہ نہیں ٹپکا تھا لیکن جب میرا بھائی قتل ہوا تو آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی جو رُکنے میں نہیں آئی!"

حضرت عمر نے متمّم بن نویرہ سے کہا، "کیا مالک بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا تھا جتنی تم اس سے کرتے ہو؟ کیا وہ بھی تمھارا ساتھا؟" اس نے جواب دیا، "کہاں مالک کہاں میں؟ میں اس تک کہاں پہنچ سکتا ہوں؟ خدا کی قسم، امیرالمومنین، ایک دفعہ ایک عرب قبیلے نے مجھے قید کر لیا، رسّیوں سے جکڑ دیا، اور اپنے صحن میں ڈال دیا۔ میرا یہ حال مالک کو معلوم ہوا، وہ فوراً اپنے اونٹ پر بیٹھا اور اہلِ قبیلہ تک پہنچ گیا۔ وہ لوگ اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے، جب اس کی نظر مجھ پر پڑی، تو اس نے میری جانب

سے نگاہ پھیرلی۔ قبیلے کے لوگوں نے اسے دیکھا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ میں سمجھ گیا اس کا ارادہ کیا ہے؟ اس نے انھیں سلام کیا، باتیں کیں، ہنسی مذاق کیا، اشعار سنائے، خدا کی قسم وہ ایسا ہی کرتا رہا، یہاں تک کہ ان لوگوں کو اس نے بے انتہا طرب اندوز کر دیا۔ اتنے میں ناشتہ آگیا، انھوں نے اس سے بھی اصرار کیا۔ وہ سواری سے اُتر پڑا، اور شریکِ دسترخوان ہوگیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا، اور کہا، "یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو بیٹھ کر کھانا کھائیں اور یہ جو آدمی رسیّوں میں جکڑا پڑا ہے یہ ہمارے ساتھ نہ کھائے۔" یہ کہہ کے اس نے کھانے سے ہاتھ اُٹھا لیا، لوگوں نے یہ دیکھا تو اٹھے اور پانی لاکر میری رسیّوں پر ڈال دیا، تاکہ وہ نرم پڑ جائیں، پھر گرہیں کھولیں، اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، جب ہم لوگ کھانا کھانے لگے تو مالک نے ان لوگوں سے کہا، کیا اس آدمی کا ہمارے ساتھ کھانا کھانا اور بیٹھنا باعثِ حرمت نہیں ہے؟ یہ تو اب بہت ہی بُری بات ہوگی، اگر اسے پھر جکڑ دیا جائے۔ انھوں نے مجھے رہا کر دیا ——— تو میرے بھائی کا یہ حال تھا میں نے اس کے صفات کے بیان میں کوئی غلط بات نہیں کہی ہے، سوا اس کے کہ جو کچھ کہا ہے کم کہا ہے، حالاں کہ وہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا۔

محمد بن جعفر الصیدلانی النحوی کہتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مکے اور مدینے کے درمیان سفر میں تھے کہ ان کے سامنے ایک اعرابی آگیا۔ وہ دونوں ٹھہر گئے کہ یہ گزر جائے۔ وہ بھی ٹھہر گیا، پھر وہ دونوں تیز تیز چلنے لگے تاکہ اس سے آگے نکل جائیں، وہ بھی تیز تیز چلنے لگا۔ انھوں نے اس سے کہا "کیا بات ہے اے اعرابی! ہم تیز چلنے لگے کہ تجھ سے آگے نکل جائیں تو تو بھی تیز چلنے لگا۔ ہم ٹھہر گئے کہ تو گزر جائے تو تو بھی ٹھہر گیا۔" اس نے کہا،

"لا الہ الا اللہ خدا آپ کے دشمنوں کو فنا کرے، کیا اصحابِ محمدؐ کے ساتھ دھوکا کیا جا سکتا ہے؟ مجھے اندیشہ ہوا کہیں میں گمراہ نہ ہو جاؤں۔ مجھے یہ اچھا معلوم ہوا کہ آپ سے رہ نمائی حاصل کروں، یا یوں سمجھیے کہ مجھے وحشت سی معلوم ہوئی، تو آپ کا مونس اور دم ساز بن جانا چاہا۔" حضرت طلحہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے کہا، "میں متمم بن نویرہ ہوں" حضرت طلحہ نے کہا، "افسوس تو نے ہمیں بے وجہ ملول کر دیا، اپنے بھائی کے غم میں تو نے جو شعر کہے ہیں ان میں سے کچھ سنا"

متمم کی شادی امِ خالد سے ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ وہ اپنی ران پر سر جھکائے بیٹھا تھا کہ رونے لگا۔ ام خالد نے کہا، "توبہ! کیا تم اپنے بھائی کا غم کبھی فراموش نہیں کروگے؟" وہ کہنے لگا۔

"جب وہ مجھے رونے سے منع کرتی ہے تو میں اس سے کہتا ہوں، اے امِ خالد۔ کیا تو مجھے مالک پر رونے سے منع کرتی اور ملامت کرتی ہے؟

اگر میرے بھائیوں کو مصیبت پہنچی (یعنی مر گئے) اور تاک میں رہنے والی موت نے تیری ماں کے بیٹوں کو چھوڑ دیا،

تو ہر ماں کا بیٹا ایک رات ایسا ہو جائے گا کہ ایک کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔"

(۱۴۳) معاصرانہ بلند حوصلگی!

اسحٰق کا بیان ہے کہ میں فضل بن یحییٰ کے دروازے پر موجود تھا کہ میرے پاس تیمی[1] شاعر ایک کاغذ پر قصیدہ لکھ کر لایا، مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے فضل تک پہنچا دوں۔ میں نے قصیدہ پڑھا، اور اسے چاک کر ڈالا۔ ابو محمدؒ کو اس پر غصہ آیا، اس نے مجھ سے کہا، "کیا تمھیں یہ اچھا معلوم ہوا کہ تم نے میری ضرورت کا استخفاف کیا؟ اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ میں اپنی ضرورت تمھارے سوا کسی اور کے سامنے پیش کر سکوں؟" میں نے کہا، "میں اس کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ تمھارے لیے کارآمد ہوں" پھر میں فضل کے پاس گیا، جب ہم دونوں میں گفتگو شروع ہوئی، تو میں نے کہا، "میرے پاس ایک تحفہ ہے، اور اس کا مالک باہر کھڑا ہے" یہ کہہ کے میں نے اسے وہی قصیدہ سُنا دیا۔ فضل نے پوچھا، "یہ تم نے یاد کیوں کر کر لیا؟" میں نے کہا، "اس نے ابھی دروازے پر مجھے اپنا قصیدہ دیا، میں نے فوراً اسے یاد کر لیا" اس نے کہا، "اُسے فوراً بلواؤ" میں نے کہا، "اذن باریابی مرحمت فرمائیے" فوراً اس کی

---

[1] نام عبداللہ بن ایوب، کنیت ابو محمد، مولی بنی تیم، اس کا ایک بھائی تھا جس کا نام ابوالتیحان تھا، دونوں شاعر تھے، یہ کوفے کے رہنے والے تھے، یہ دولتِ عباسیہ کے شعرا تھے، عبداللہ نے شراب کے وصف و ستایش میں بہت سے شعر کہے ہیں، یہ ابراہیم موصلی اور اس کے بیٹے اسحٰق کا دوست اور ندیم تھا۔ آخر میں یہ یزید بن مزید کے دامنِ کرم سے متعلق ہو گیا تھا۔ اس کی وفات تک یہ اس کے ساتھ رہا، یزید کے بعد اس نے شعر کہنا ترک کر دیا، اگر کچھ کہا بھی تو شراب کی تعریف میں۔

حاضری کا حکم صادر ہوا، فضل نے اس سے واقعہ پوچھا، اس نے سارا ماجرا کہہ دیا، پھر فضل نے اس سے کہا، "مجھے اپنے کچھ شعر سناؤ"، اس نے تعمیل ارشاد کی۔ جو شعر وہ سناتا تھا میں بھی اسے دہراتا جاتا تھا اور تعریف کرتا جاتا تھا۔

جب تیمی چلا گیا، میں نے کہا، "اس آدمی کی ضرورتیں پوری کیجیے" فضل نے کہا، "اگر تم اس سے دل چسپی لیتے ہو تو میں حکم دیتا ہوں کہ اسے پانچ ہزار درہم دیے جائیں" میں نے عرض کیا، "جب آپ نے رقم کم دی ہے تو جلدی عطا کیجیے" اس نے حکم دیا، اور رقم سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ میں نے کہا، "میں نے آپ کے سبب جو زحمت اٹھائی اس کا کچھ بھی صلہ نہیں؟" اس نے کہا، "کیوں نہیں؟" میں نے کہا، "تو لائیے" اس نے کہا، "تمھاری اس زحمت سے مجھے اتنا فائدہ نہیں ہوگا، جتنا تمھیں اس شاعر کی مدح سے ہوگا" میں نے کہا، "اچھا، جو آپ کا جی چاہے وہی دیجیے" فضل نے تین ہزار درہم کا حکم صادر کیا، میں نے یہ رقم پانچ ہزار درہموں میں ملا کر سب کی سب تیمی کو دے دی۔

---

(۱۴۴) ابو مسلم خراسانی اور ایک شاعر

رؤبتہ بن العجاج[1] کی روایت ہے کہ جب خلافت بنی ہاشم کی طرف منتقل

---

[1] رؤبہ بن عجاج بن رؤبہ، کنیت ابو الجحاف، عہدِ اسلامی کا بہترین رجز گو تھا، اس کی فصاحت و بلاغت مسلّم ہے، بنی امیہ اور بنی عباس کی اس نے مدح کی ہے۔ یہ دونوں عہد اس کی نظروں سے گزرے تھے، منصور کے زمانے میں اس نے وفات پائی، علمائے لغت اس کے کلام سے سند لاتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱۷ پر)

ہو گئی، تو ابو مسلم نے مجھے بلایا، جب میں اس کے پاس پہنچا، تو اس نے مجھے سراسیمہ پایا، اس نے کہا:۔

"گھبراتے کیوں ہو؟ کوئی اندیشے کی بات نہیں، مطمئن رہو"

"مجھے آپ سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے"

"کیوں؟"

"مجھے معلوم ہوا ہے آپ لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں"

"میں اسی کو قتل کرتا ہوں، جو مجھ سے مقاتلہ کرتا ہے، جو میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے، کیا تم بھی اُنھی میں ہو؟"

"ہرگز نہیں"

"پھر بھی تمھیں اندیشہ ہے؟"

"جی نہیں"

پھر وہ اپنے ندیموں کی طرف ہنستا ہوا مخاطب ہوا، اس نے کہا "ابوالعجاج ہم سے خوف زدہ ہو گیا" پھر اس نے کہا، "ذرا اپنا یہ شعر

(صفحہ ۴۱۶ کا بقیہ نوٹ)، اسے اپنا امام سمجھتے ہیں، رؤبہ اور اس کے والد عجاج کا دیوان سنہ ۱۹۰۳ء میں برلن سے شایع ہوا

۵؎ ابو مسلم خراسانی، یہی شخص ہے، جس نے بنو امیہ کا زور توڑا، اور بنو عباس کو برسرِ اقتدار کیا۔ بڑا ظالم اور سنگ دل آدمی تھا۔ اس کا کوڑا اس کی تلوار تھی، اس نے ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اس تعداد میں وہ آدمی شامل نہیں ہیں جو اس کے ہاتھوں لڑائیوں اور شورشوں میں قتل ہوئے۔ جب ابو جعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے اپنی حکمتِ عملی اور سیاست آفرینی سے اسے ایسا پھنسایا کہ اسے قتل کر کے دم لیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ مختصر الدول، صفحہ ۲۰۶، ۲۰۹۔

"قائم الاعماق خاوی المخترق" "تو سناؤ" میں نے کہا، "خدا آپ کو سنوارے ارشاد ہو تو اس سے بہتر سناؤں؟" اس نے کہا، "ہاں ہاں کیا مضائقہ ہے؟" میں نے اسے سنایا:-

" وہ معاملات کو نہایت چستی سے انجام دیتا ہے، انھیں قابو میں لے لیتا ہے، اور انھیں ہر طرح سے گھیر لیتا ہے۔

وہ اتنا چست تھا کہ آگ سے ہاتھ نہیں تاپتا تھا، (یعنی آرام نہیں کرتا تھا) یہاں تک کہ اس نے حکومت کو مضبوط و مستحکم کر لیا۔

اور مروان اپنے خچر پر سوار ہو بھاگ کھڑا ہوا۔"

ابو مسلم نے کہا، "ہاں یہ تو ہو گیا، اب وہ سناؤ، جس کی میں نے فرمائش کی تھی" میں نے یہ قصیدہ سنایا جب میں اس مصرعہ "یرمی الجلامید بجلمود مدق" پر پہنچا، (یعنی وہ اپنے مضبوط کھروں سے زمین پر ٹاپیں مارتا ہے) تو اس نے کہا، "خدا تجھے غارت کرے، تو نے کھر والے جانور کو بہت مضبوط بنا دیا، شاید تجھے یہ کافی ہو کہ میں ہی وہ کھر والا جانور ہوں"

پھر اس نے ایک رومال طلب کیا، جس میں بہت سے روپے تھے، رومال میرے سامنے رکھ دیا گیا، ابو مسلم نے کہا، "اے رؤبہ، تو ہمارے پاس آیا، مال تھوڑا ہے، لیکن اس طرح تیرا تھوڑا بہت راستہ ہماری طرف نکل آیا ہے، ہم پر اس کا بدلہ ضروری ہے، زمانہ نازک اور خراب ہے۔ اس نے تو ہمارے اور تمھارے مابین ایک رکاوٹ پیدا کر دی ہے"

رؤبہ کا بیان ہے، "میں نے رومال لے لیا، خدا کی قسم میں نے کوئی عجمی ابو مسلم خراسانی سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کلام،

(جو اس نے فرمائش کر کے سُنا تھا) میرے اور میرے والد کے سوا کوئی نہیں سکے گا۔

---

(۱۴۵) ابو تمّام

ابو تمام، حبیب بن اوس طائی قبیلۂ طے کے نہایت ہی شریف اور ممتاز آدمیوں میں تھا۔ اس کا مولد و منشا ایک گانو، جاسم تھا، جو منبج کے قریب واقع تھا۔ بہت ہی مقبولِ عام شاعر تھا، تیز فہم اور دقیق المعانی تھا، مشکل باتوں کو اپنے لیے آسان بنا لیتا، جن کا حاصل کرنا دوسروں کے لیے مشکل تھا۔ اپنے پیش رو شعرا کی طرح وہ بھی متضاد معانی کو اپنے اشعار میں بہ حسن و خوبی باندھتا تھا، اگرچہ انھی متقدّمین نے اس فن کا (جس کا نام مطابق ہے) کا آغاز کیا، اور اس میں کچھ کہا بھی، لیکن اس فن میں زیادہ گوئی کی فضیلت ابو تمام ہی کو حاصل ہوئی۔ اس کے اشعار کچھ متوسّط درجے کے ہیں، کچھ مبتذل بھی ہیں، اس فن کی ہر منزل پر روانی کے ساتھ چلنا اسی کا حصّہ ہے۔ اس کے بہترین اشعار میں سے ایک شعر تک بھی کوئی نہیں پہنچ سکا۔ ہمارے اس زمانے میں جو اسے مانتا ہے وہ تو اسے اتنا بڑھا دیتا ہے کہ سلف و خلف سب پر اسے فضیلت دینے لگتا ہے۔ جو لوگ اس کی پستیوں کے قائل ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ اس کی لغزشوں کو مشہور کرتے ہیں، اس کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں، اور اس باب میں بدمزگی اور جھگڑے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جو ان باتوں سے ناواقف ہو وہ تو یہی کہے گا کہ یہ لوگ جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں، وہ علم و ادب سے ناواقفیت کی بنا پر کرتے ہیں، ورنہ یہ کش مکش جو جاری ہے وہ اپنی سربلندی اور سرگرمی

قائم کرنے کے لیے ہے۔ حقیقت یہ ہے جس سے کچھ غلطیاں ہوں، اور زیادہ تر اچھائیاں صادر ہوں، تو اس کی غلطیوں پر اس کی اچھائیاں ہی غالب رہیں گی۔ اگر کوئی شخص غلطی کرتا ہے، پھر اس سے کوئی نیک کام سرانجام پاتا ہے تو اسے اچھا کام کرتے وقت یہ نہیں کہیں گے کہ تو نے غلطی کی، نہ اس کی بُرائی کریں گے۔ اگر اس نے کوئی معقول بات کہی ہو تو اعتدال اور توسط ہر حالت میں بہتر ہے، حق اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

بعض شعرا سے روایت کی جاتی ہے کہ ابو تمام نے ایک شاعر کو اپنا سب سے اچھا قصیدہ سُنایا، اس کا ایک شعر ذرا گرا ہُوا تھا، شاعر نے اس سے کہا، "اے ابو تمام اگر تُو نے یہ شعر نکال دیا ہوتا تو تیرا یہ قصیدہ بالکل بے عیب ہو جاتا" ابو تمام نے کہا، "خُدا کی قسم میں بھی تمھاری طرح جانتا ہوں کہ وہ شعر اچھا نہیں ہے، لیکن شاعر کے نزدیک شعر کی حیثیت اولاد کی سی ہوتی ہے، اس میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی ہوتے ہیں، سعادت مند بھی ہوتے ہیں اور نالائق بھی ہوتے ہیں، لیکن باپ کو سب کے سب عزیز ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ لائق سے محبت کرتا ہے لیکن نالائق سے نفرت بھی نہیں کرتا۔ وہ اگرچہ بہتر کی زندگی کا جویا رہتا ہے لیکن پس ماندہ کی موت بھی نہیں چاہتا"

ابو تمام کا یہ "عذر" اس اصول کے خلاف ہے، جس کا اس نے اپنے اس قصیدۂ مدحیہ میں ذکر کیا ہے، جو اس نے واثق باللہ کی شان میں کہا تھا:۔

"تیرے پاس زبان سے پرویا ہُوا ہار آئے گا، دو لڑیوں والا، جس میں عمدہ چمک دار موتی ہوں گے۔

اس کی چرب زبانی نے اسے بہت تیز طرّار بنا دیا ہے،
جب کلام کا کنواں سوکھ جاتا ہے، وہ اسے پھر جاری کر دیتا ہے،

وہ اچھا ہونے کے باوجود اپنے تئیں اچھا نہیں سمجھتا، اس
شخص کی طرح نہیں جو اپنے کلام اور اولاد پر والہ و شیدا رہتا ہے"

اگر اس نے بُرے کو بُرا سمجھا ہوتا اور اپنے شعر پر مفتون نہ ہو جاتا تو ہم اس کے "اعتذار" سے بے نیاز ہوتے۔ بلاشبہ ابو تمام کو ان رؤسانے اور شعرانے اور بڑے بڑے لوگوں نے ترجیح دی ہے جن کی گرد تک بھی یہ نکتہ چیں نہیں پہنچ سکتے۔

لوگوں نے اس کے بعد اس کا سا کسی کو بھی نہیں دیکھا، حالاں کہ اس جیسا پانے کی انھوں نے کوشش بہت کی۔ اگر راویوں نے اس کی موافقت اور مخالفت میں دلائل نہ قائم کیے ہوتے، اگر اس کے ماننے والوں نے اس کے اچھے اشعار کی تشریح میں مبالغہ نہ کیا ہوتا، اور اس کے دشمنوں نے اس کے مبتذل اور پست کلام کی تنقیص میں زیادتی نہ کی ہوتی، تو میں ایک پہلو پر کچھ روشنی ڈالتا، لیکن اس بارے میں اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ اب کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱۴۶) ابو تمام اور عبداللہ بن طاہر

محمد بن عباس الیزیدی کی روایت ہے کہ مجھ سے میرے چچا فضل فرماتے تھے کہ جب عبداللہ بن طاہر خراسان میں تھا تو ابو تمام اس کے پاس گیا، جاڑے کا موسم آ گیا، اور وہ ابھی وہیں تھا، شہر مارے سردی کے اینٹھ گیا۔ عبداللہ اس سے کچھ برہم تھا، انعام و اکرام دینے میں لیت و لعل سے کام لے رہا تھا، اس لیے کہ اس نے ایک دفعہ اسے ایک ہزار دینار دیے تھے مگر اس نے ان

میں ہاتھ بھی نہیں لگایا، وہ اپنے تئیں اس سے بالا سمجھتا تھا۔ عبداللہ کو ابوتمام کی اس حرکت پر بہت غصّہ آیا، اس نے کہا، "یہ میری بخشش کی حقارت کرتا ہی، اور مجھ پر بالا رہنا چاہتا ہی"، پھر وہ اس کے پاس یکے بعد دیگرے راتب بھیجنے لگا، جس پر ابوتمام نے کہا:۔

" نہ بچا گرمی کے لیے کوئی کھنڈر نہ پرانا مکان نہ نیا کپڑا،
نہ پرانا کپڑا کہ پہنا جائے۔
آنسوؤں کے ساتھ انصاف یہ ہی کہ گرمی گزارنے کے
مقام پر رویا جائے، جس طرح نوجوانی پر، بچپن کے کھیل پر،
اور عشق بازی پر رویا جاتا ہی۔
اچھا زمانہ گزر گیا، اور اس کی خوبیاں بھی۔ اس کی برائیاں
باقی رہ گئیں، جو ہمارے لیے برا بدل ہی۔"

یہ اشعار ابوالعمثیل تک بھی پہنچے، جو عبداللہ بن طاہر کا خاندانی شاعر تھا، وہ ابوتمام کے پاس آیا، اور عبداللہ بن طاہر کی جانب سے معذرت کی۔ اس نے خود بھی عبداللہ کو سخت سست کہا، اور جو وہ چاہتا تھا، وہ اسے دیا، پھر وہ عبداللہ بن طاہر کے پاس آیا، اور کہا، "ای امیر کیا تو ابوتمام جیسے شخص کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہی؟ اس پر زیادتی کرتا ہی؟ خدا کی قسم اگر وہ اتنا بلند پایہ نہ ہوتا تو بھی اس کا شر اس قابل تھا کہ اس سے ڈرا جاتا۔ اس کی برائی سے بچا جاتا، آپ جیسی ہستی کے لیے ضروری تھا کہ اس سے رعایت کرتی، اس کی نگہداشت کرتی۔ وہ اپنے وطن سے آپ کے پاس آیا ہی، گھر بار چھوڑ کے وہ آپ کے پاس اپنی آرزوؤں کا پشتارہ لے کر پہنچا ہی، اپنی سواری کو آپ کی طرف ہنکاتا ہوا، اپنے دماغ اور خیال کو آپ سے لگائے ہوئے وہ آیا۔

اپ پر واجب تھا کہ اس کا حق پورا پورا ادا کرتے یہاں تک کہ وہ خوش خوش واپس جاتا، اگر وہ فائدہ اٹھا کر نہ جاتا، تو آپ کے بارے میں وہ یہ نہ کہتا۔

تقول فی قومس صحبی وقد اخذت منا السری وخطی المھریۃ القود

امطلع الشمس تبغی ان نؤم بنا فقلت کلا ولکن مطلع الجود

عبداللہ نے اس سے کہا، "تو نے مجھے تنبیہ کی بہت اچھا کیا۔ تو نے اس کی سفارش بھی بڑے تکلف سے کی، کچھ تو برہم بھی ہوا، اور زحمت بھی اٹھائی۔ تجھے اور ابو تمام کو میری خوشنودی مزاج حاصل ہے ——— ای غلام! ابو تمام کو حاضر کر" غلام نے ابو تمام کو بلایا، عبداللہ نے اس روز اس سے مجلس گرم رکھی، پھر اسے دو ہزار دینار اور اونٹ انعام میں دیے، خلعتِ فاخرہ سے بھی اسے نوازا، اور بہت سی چیزیں دیں، ایک محافظ ساتھ کر دیا، کہ اس کے حدودِ ریاست تک اس کو پہنچا دے۔

---

(۱۴۷) ابو نخیلہ

ابو نخیلہ کنیت[1] نہیں نام ہے، اس کی دو کنیتیں تھیں، ایک ابو الجنید دوسری ابو العرماس اسے اس کے والد نے عاق کر دیا تھا، اور اپنے گھر سے نکال دیا تھا یہ شام کی طرف روانہ ہوا، وہاں اس وقت تک مقیم رہا جب تک باپ کا انتقال نہ ہو گیا، پھر واپس آیا، لیکن اس کا نسب ہمیشہ مشکوک سمجھا جاتا رہا۔

---

[1] ابو نخیلہ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ بعض روایتوں کے مطابق اس کی پیدائش، ایک درخت کی جڑ کے پاس ہوئی تھی، ایک روایت یہ بھی ہے اس نے کھجور کا ایک درخت لگایا تھا، اور اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

رجز گوئی میں اسے زیادہ ملکہ حاصل تھا، اس نے قصائد بھی کہے ہیں، لیکن بہت زیادہ نہیں جب یہ شام گیا تھا تو مسلمہ بن عبدالملک کے ساتھ ہو گیا تھا۔ مسلمہ نے اس سے بہت اچھا سلوک کیا، اس پر احسانات کیے، اسے یکے بعد دیگرے خلفا کی بارگاہ تک پہنچایا، اُن سے انعامات دلوائے، خلفا کی عنایت و کرم نے اسے بے نیاز کر دیا۔ اس کے باوجود اس نے اُن کے ساتھ کچھ زیادہ وفاداری نہیں کی۔ یہ بنو ہاشم کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گیا، اپنے تئیں "شاعرِ بنی ہاشم" کہنے لگا، خلفاء بنی عبّاس کی اس نے خوب خوب مدح کی۔ بنی امیہ کی اس نے ہجو کی اور بہت زیادہ کی، یہ لالچی بھی بہت تھا، اسی لالچ کے سبب اس نے خلیفہ منصور کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس میں اسے ترغیب دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کا حق منسوخ کر دے، اور اپنے بیٹے محمد المہدی کو اپنا ولی عہد بنائے۔ منصور نے اس صلے میں اسے دو ہزار درہم عطا کیے، اور حکم دیا کہ اپنا قصیدہ عیسیٰ بن موسیٰ کی موجودگی میں سنائے، اس نے ایسا ہی کیا، عیسیٰ نے اسے پکڑنا چاہا، لیکن یہ بھاگ کھڑا ہوا، اس کی تلاش میں عیسیٰ نے اپنا غلام دوڑایا، جس نے اسے خراسان میں پکڑا، اور وہیں ذبح کر دیا، اور اس کے چہرے کی کھال اُتار لی۔

یحییٰ بن نجیم کہتے ہیں جب ابو نخیلہ کو اس کے باپ نے اپنے ہاں سے نکال دیا، تو یہ تلاشِ معاش میں نکل کھڑا ہوا، بادیہ میں اس نے تربیت حاصل کی۔ یہاں تک کہ یہ شعر کہنے پر قادر ہو گیا، یہ رجز بہت اچھا کہتا تھا، قصیدے بھی اس کے بہت خوب ہوتے تھے۔ بہت جلد اس کی یہ خصوصیت مشہور ہو گئی، اس کے شعر دیہاتوں اور شہروں تک پہنچ گئے۔ لوگ ان سے روایت بھی کرنے لگے۔

پھر یہ مسلمہ بن عبدالملک کے پاس پہنچا، اس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، مال و دولت سے نوازا، اس کی سفارش کی، اور اسے ولید بن عبدالملک تک پہنچا دیا، اس نے اس کی تعریف میں قصائد لکھے اسی کے دامنِ کرم سے لپٹا رہا، اس نے اسے فکرِ دُنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔

یحییٰ بن نجیم کہتے ہیں، مجھ سے ابو نخیلہ نے بیان کیا کہ میں مسلمہ کے پاس گیا، میں نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا۔

" ای مسلمہ، ای خلفاء کے فرزند! ای میدانِ جنگ کے سورما،
ای زمین کے کوہِ وقار!
میں تیرا شکر بجالاتا ہوں، کیوں کہ شکر تقوے کا ایک
ذریعہ ہے، تیرا ہر ممنونِ کرم تیرا شکر گزار نہیں ہے۔
جب میں تیرے پاس ملنے کے لیے آیا تو تو نے مجھے
ایک لمبا چوڑا لحاف دیا، (اپنی بخشش کا)
تو نے مجھے مشہورِ عام کر دیا، اگرچہ میں پہلے بھی کم مشہور
نہیں تھا، لیکن بعض شہرتیں پچھلی شہرتوں سے اچھی ہوتی ہیں"

ابو نخیلہ کا بیان ہے کہ مجھ سے (یہ اشعار سن کر) مسلمہ نے کہا۔

" تم کس قبیلے سے ہو؟"

" بنی سعد سے "

" بنی سعد والوں کو قصیدے سے کیا تعلق؟ وہ تو رجز کہنا جانتے ہیں"

"خدا کی قسم عرب میں سب سے بہتر رجز گو، میں ہوں"

" اپنے رجز میں سے کچھ مجھے سناؤ"

جب اس نے یہ فرمائش کی تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا میں

نے کبھی کوئی رجز کہا ہی نہیں ہے، جو کچھ میں نے کہا تھا، اللہ نے سب بھلا دیا تھا۔ اُس وقت مجھے نہ اپنا کوئی رجز یاد آرہا تھا نہ کسی دوسرے کا بس رؤبہ کا قصیدۂ رجزیہ یاد آرہا تھا، جو اس نے اسی سال کہا تھا مجھے خیال ہوا یہ ابھی مسلمہ تک نہیں پہنچا ہوگا، میں نے اسے وہی سُنا دیا وہ سَر جھکائے سُنتا رہا، میں رُک رُک کے سُناتا رہا، پھر اس نے میری طرف سَر اُٹھا کر کہا، "اپنے تئیں زیادہ تکلیف مت دو، میں اسے تم سے پہلے سے جانتا ہوں"

میں مسلمہ کے پاس سے واپس چلا آیا، اس احساس کے ساتھ کہ گویا میں اس کے نزدیک سب سے جھوٹا آدمی ہوں، اور اپنی نگاہ میں بے انتہا رُسوا کچھ عرصے کے بعد میں نے اپنی اس کم زوری پر قابو حاصل کر لیا، میں نے بہت سے رجزیہ اشعار میں اس کی مدح کی، پھر اس نے میری منزلت پہچانی، اور اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔

میں نے اس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی، خُدا اس پر رحم کرے، نہ اس نے مجھے کوئی تکلیف پہنچائی، یہاں تک کہ ہم ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔

---

(۱۴۸) ہشام اور ابو نخیلہ

ہمعی کی روایت ہے، ابو نخیلہ بیان کرتا تھا، "میں ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ مسلمہ کا انتقال ہو گیا۔ میں تھا پردیسی، مجھے معلوم نہیں تھا ہشام کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ میں نے اس کے بعض مخصوصین و مقربین کی جستجو کی۔ مجھے بتایا گیا، دو آدمی اس کے ہاں بڑی

منزلت رکھتے ہیں، ایک تو قبیلۂ قیس کا ایک فرد ہے اور دوسرا یمنی ہے۔ میں چُھپ چُھپاتے قیسی کے ہاں پہنچا، میں نے اپنے دل میں کہا، یہ ان دونوں میں مجھ سے زیادہ قریب ہے، اور میری موانست کا زیادہ مستحق ہے۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا، پھر میں نے اپنا ہاتھ اس کے بازووں پر رکھا اور کہا، "میں آپ ہی کی تلاش میں تھا، تاکہ آپ کے رحم وکرم سے بہرہ یاب ہوں۔ میں ایک پردیسی ہوں، آپ کا ہم قبیلہ ہوں، شاعر ہوں، میں خلیفہ کے اخلاق و عادات سے ناواقف ہوں، میری التجا ہے کہ آپ میری رہ نمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ نیز یہ کہ آپ میری سفارش کیجیے اور اس تک مجھے پہنچا دیجیے"

اس نے کہا، "میں آپ کی سب باتیں پوری کروں گا، ہشام ذرا سخت گیر آدمی ہے، نہ ویسا جیسا اس کے دوسرے خاندان والوں کو تم نے سُن رکھا ہے۔ جب اس سے سوال کیا جائے، یا اس کی مدح میں طلب شامل کر دی جائے تو طالب ناکام رہتا ہے، اس کی مدح کرو تو صِرف اسی کے متعلق کہو پھر وہ تمھیں مالا مال کر دے گا۔ کل تم وہاں آؤ، میں دروازے پر تمھارا انتظار کروں گا، اور اس تک پہنچا دوں گا، خُدا تمھاری مدد کرے۔"

دوسرے روز خلیفہ کی بارگاہ پر حاضر ہوا، وہ آدمی میرا منتظر کھڑا تھا، وہ مجھے ہشام کے پاس لے گیا، وہاں ابوالنجم[1] بھی تھا، جو مجھ سے پہلے پہنچ گیا تھا آغاز اسی نے کیا، اس نے اپنا قصیدہ شروع کیا :-

"ہشام اور مروان کے وصف میں یہ دو شعر ایسے ہیں، جن کا کوئی مثل نہیں۔

---

[1] ابوالنجم العجلی اس کا نام "المفضل" تھا، بعض لوگ اس کا نام فضل بن قدامہ بھی بتاتے ہیں، عہدِ اسلام کا بہترین رجز گو تھا۔

تیرے دونوں ہاتھ سخاوت میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے
ہیں جس طرح گھوڑ دَوڑ کے گھوڑے مقابلہ کرتے ہیں۔
میں زمانے کی مصیبتوں کا شکار ہوں، قیمتی غلام تک میں
نے فروخت کر دیے۔
بہت ہی کم قیمت پر، میں نے گھوڑوں، اور گھوڑوں کے
پٹھوں کو بھی بیچ دیا"
ابوالنجم بڑی دیر تک اپنا قصیدہ پڑھتا رہا، اس میں طلبِ حاجت کا بھی بہت زیادہ اظہار کیا۔ ہشام نے اس اختلاط اور طوُل گوئی پر اسے ڈانٹا، اس کے چہرے سے بدمزگی کے آثار ظاہر ہونے لگے، پھر میں نے اجازت طلب کی۔ مجھے اجازت ملی، تو میں نے شروع کیا:۔
"میں نے سانڈنی سے کہا، تیز چل، وہ چلی، اور خوب تیز
چلی
ان سانڈنیوں نے اپنے لمبے سفر میں رات کا لباس پہن
لیا ہے، جو پرانی چادر کی طرح ہے۔
سانڈنیاں امیرالمومنین کی طرف چلیں، جو سخی ہیں اور قبیلۂ
معد، اور اس کے علاوہ دوسروں کے آقا ہیں۔
اُس نے مغرور اور بہادر کو بُلایا، معزز اور شریف، بزرگی
لے اور شرافت والے کو بُلایا۔
اس کے چہرے پر خوش بختی کا چاند ہے، نازک مواقع پر
سرداری تجھی کو زیب دیتی ہے۔
تو ابھی نوجوان تھا کہ تجھے خلافت کا لباس پہنایا گیا، جب

تو کھڑا ہوا تو کڑکنے والا بادل برسنے لگا "

جب میں آخری شعر پر پہنچا، تو ارادہ کیا کہ اس سے کچھ طلب کروں، لیکن میں کہتے کہتے رُک گیا، میں نے کہا، "میں نے ایک شخص سے نصیحت حاصل کی ہے، میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ مبادا غلطی میں پھنس جاؤں، اور مجھ سے اس کا التفات ہٹ جائے" میں نے دیکھا یہ سُن کر ہشام کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

جب میں قصیدہ سُنا کر فارغ ہوا تو ہشام نے اپنے ندیموں سے کہا، " یہ سعدی لڑکا، عجلی بوڑھے سے زیادہ اچھا شاعر ہے" میں باہر چلا آیا، چند روز کے بعد خلافت پناہ کی طرف سے مجھے انعام ملا، کچھ عرصے بعد میں پھر ہشام کے دربار میں حاضر ہوا، اور ایک قصیدہ مدحیہ سُنایا۔ اس نے اپنے جُبّوں میں سے ایک ریشمی جُبّہ میرے اوپر ڈال دیا، جس کے دامن سمور کے تھے۔ ایک روز اور میں ہشام کے سامنے پہنچا، اس روز سمور اور سُرخ ریشم کا بنا ہوا لباس وہ پہنے تھا وہی اس نے مجھے پہنا دیا۔ پھر تیسری مرتبہ میں اس کے حضور میں حاضر ہوا، اس دفعہ اس نے مجھے کچھ نہیں دیا، یہ مجھے گراں گزرا، میں نے کہا:۔

" تو نے مجھے وہ لباس پہنایا جو زرہ کی طرح سخت ہے، اپنے ان ریشمی کپڑوں سے جو بہ حفاظت رکھے ہوئے تھے۔

میں اس لباس اور لحاف میں ایسا معلوم ہوتا ہوں جیسے میں عبد شمس اور بنی مناف میں سے ہوں۔

اور ریشم تو چادر ہی کے لیے موزوں ہوتا ہے "

ہشام یہ سُن کر ہنسا، اپنا ہاتھ جُبّے کے اندر ڈالا، اسے اُتارا اور میری

طرف پھینک دیا، اور کہا، "یہ لے، خُدا تجھے یہ مبارک نہ کرے"!

محمدؐ بن ہشام کا بیان ہے کہ جب خلافت سفاح کو پہنچی تو یہی قصیدہ ابو نخیلہ نے اس کی شان میں "منتقل" کر دیا، کچھ تھوڑا سا ردّ و بدل بھی کر دیا یعنی اسے "دالیہ" قصیدہ بنا دیا، آج ابو نخیلہ کے یہ اشعار، سفاح کی شان میں نظر آتے ہیں۔

---

(۱۴۹) ابو نخیلہ اور ابو العباس

ابو الفیاض بیان کرتے ہیں، ابو نخیلہ ابو العباس کے پاس حاضر ہوا، اگرچہ اسے اس کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ وہ جانتا تھا ابو نخیلہ پر سلمہ نے کیسے کیسے احسانات کیے تھے۔ اس نے بنو مروان کی بہت زیادہ مدح کی تھی، لیکن وہ جانتا تھا، ابو العباس نے اس سے بہت زیادہ بکر سازوں اور مجرموں کو معاف کر دیا تھا، جب ابو نخیلہ اس کے سامنے پہنچا تو اسے سلام کیا، دُعائے ترقی و اقبال دی، تعریف و ستایش کی، پھر اپنا کلام سُنانے کی اجازت چاہی، ابو العباس نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"آپ کا غلام اے امیر المومنین، ابو نخیلہ الحمانی[۱]"

"خُدا تجھے غارت کرے، اے بُری طرح راندے ہوئے شخص، کیا کل تو نے ہی سلمہ بن عبدالملک کی شان میں نہیں کہا تھا:۔

"اے سلمہ! اے خلفاء کے فرزند، اے میدانِ جنگ کے سورما،

---

[۱] نسبت ہے، حمان کی طرف جو بصرے کا ایک محلّہ تھا۔

ای زمین کے ماہِ تاباں!"

خُدا کی قسم اگر میں نے تجھ جیسوں کو امن نہ دے دیا ہوتا تو تیری آنکھیں تجھے خون میں لتھڑا ہوُا دیکھتیں، ہمیں تیرے اشعار سُننے کی کوئی ضرورت نہیں ہی، تو ہمیں بنو مروان کے فضائل بہت کچھ سُنا چکا"

ابو نخیلہ نے کہا، یا امیرالمومنین :-

" ہم ایسے لوگ تھے جو بادشاہوں سے خوف زدہ رہتے
تھے، جو اونٹوں اور کشتیوں پر سوار ہوُا کرتے تھے
ایک زمانۂ دراز تک ہم آپ کے والدِ بزرگ وار کی طرف
نظرِ امید سے دیکھتے رہے۔ پھر ایک عرصے تک ہم آپ کے
برادرِ بزرگ سے لو لگائے رہے
اب ہم تجھ سے دامنِ آرزو باندھے ہوئے ہیں، تیرے
علاوہ جس کے لیے میں نے جو کچھ کہا،
وہ جھوٹ تھا جسے اِس نے مٹا دیا"

ابوالعباس مُسکرایا، پھر اس نے ابو نخیلہ سے کہا، "تو شاعر ہی، طالب خیر ہی، لوگ ہمیشہ بادشاہوں کی مدح ان کے عہد میں کرتے رہے ہیں، توبہ گناہ کو محو کر دیتی ہی، کام یابی حسد کو زائل کر دیتی ہی، ہم نے تجھے معاف کیا، ہم تجھ پر مستقل احسان کرتے رہیں گے، اب تو ہمارا شاعر ہی۔ بس تو اس پر قائم رہ، تاکہ بنو مروان کی مدح کا داغ تجھ سے زائل ہو جائے، یہ تیری غلطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

(۱۵۰) ابو نخیلہ کا انجام

عبد اللہ بن ابی سلیم مولی عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں، اس اثنا میں کہ میں تنہا ابو الفضل (یعنی سلیمان بن عبد اللہ) کے پاس حیرہ اور کوفہ کے درمیان مقیم تھا، وہ منصور کے پاس جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ جس نے طے کر لیا تھا کہ مہدی کو اپنا ولی عہد بنائے، اور عیسٰی بن موسٰی کی ولی عہدی منسوخ کر دے۔ وہ اس کام کو بڑی ستعدی سے انجام دینا چاہتا تھا، اتنے میں شاعر ابو نخیلہ مع اپنے دو بیٹوں اور غلام کے سامان لادے ہوئے آیا اس سے ابو الفضل نے کہا، "ابو نخیلہ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" اس نے جواب دیا، "میں معبد بن زرارہ کے بیٹے قعقاع بن معبد کے پاس گیا تھا میں نے کچھ شعر کہے تھے جن میں امیر المومنین کو آمادہ کیا گیا تھا کہ مہدی کو ولی عہد بنائیں، اور عیسٰی بن موسٰی کو معزول کر دیں۔

سلیمان بن عبد اللہ نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کے پاس سے چلا جاؤں، مبادا اسے عیسٰی کی طرف سے کچھ ناشدنی پیش آجائے۔ مجھ سے سلیمان نے کہا، "ای عبد اللہ، ابو نخیلہ کو لے جا، اس کی مہمان داری کر، اس سے حسنِ سلوک کر" میں نے ایسا ہی کیا، سلیمان منصور کے پاس گیا، اور اسے ابو نخیلہ کی خبر دی۔ جس روز بیعت ہونے والی تھی سلیمان ابو نخیلہ کو لے کر آیا، اور اسے منصور کے حضور میں پیش کیا، ابو نخیلہ کھڑا ہوا، اور اس نے حاضرین کے سامنے اپنا وہ قصیدہ پڑھا، جس میں اس نے کہا تھا:۔

" ہمارا ولی عہد عیسٰی کچھ مبارک و مسعود نہیں ہے، تو یہ ولی

عہدی محمد (مہدی) کی طرف منتقل کر دے،
عیسیٰ کے پاس سے منتقل کر دے، ایک جگہ سے دوسری
جگہ، یہاں تک کہ تو اسے ایک ہاتھ سے دوسرے تک پہنچا دے"

راوی کہتا ہے منصور نے ابو نخیلہ کو دس ہزار درہم عطا کیے، اور محمد (مہدی) کی ولایتِ عہد کے لیے بیعت لی، عیسیٰ بن موسیٰ اپنے گھر چلے گئے۔ راوی کا بیان ہے، مجھ سے داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بیان کرتے تھے ہمیں والد نے بلایا، اور فرمایا، "بیٹو، تم نے دیکھ لیا، میں کس طرح نظر انداز کر دیا گیا؟ بتاؤ تم کیا پسند کرو گے یہ کہ تمھیں ایک معزولی کا بیٹا کہا جائے، یا "مفقود" کا؟ ہم نے جواب دیا، "نہیں! ہم معزول کی اولاد کہلانا پسند کریں گے" انھوں نے کہا، "بیٹو، تم نے صحیح رائے قائم کی"

مدائنی روایت کرتے ہیں ابو نخیلہ نے اپنے اس قصیدے کا خوب چرچا کیا، یہاں تک کہ عام و خاص سب کی زبان پر یہ چڑھ گیا، یہ بات منصور کے کان تک بھی پہنچی، اس نے ابو نخیلہ کو بلوایا، عیسیٰ بن موسیٰ اس کی داہنی طرف بیٹھے ہوئے تھے، ابو نخیلہ نے سارا قصیدہ سُنا ڈالا، منصور نے چُپ چاپ سارا قصیدہ سُن لیا، ابو نخیلہ کا بیان ہے، میں نے منصور کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے، پھر اس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا، "اگر تم چاہو تو اپنے چچا کو خوش کر لو، اس کی بہت زیادہ خوشنودیٔ مزاج حاصل کر لو، جیسے نیک بخت لڑکا حاصل کرتا ہے" عیسیٰ نے کہا، "اس وقت میری سمجھ کام نہیں کرتی نہ میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکتا ہوں"

راوی کہتا ہے، ابو نخیلہ کا بیان ہے، جب میں واپس ہوا، تو مجھ سے عقال بن شبہ ملا۔ اس نے کہا، "یہ صحیح ہے کہ تم نے امیر المومنین کو اس وقت

خوش کر دیا، بات اگر یہیں پر ختم ہوگئی، تو میری زندگی کی قسم تمیں اچھا صلہ ملے گا، اور اگر نہ ختم ہوئی، پھر یا تو زمین میں سُرنگ تلاش کرنا یا آسمان کے لیے سیڑھی ڈھونڈنا" میں نے اس سے کہا، "اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا"

علی بن ابی نخیلہ کا بیان ہے، ابو منصور نے ابو نخیلہ کو حکم دیا کہ خراسان بھاگ جائے، وہاں اسے قطری نے پکڑ لیا، اسے بازو کے بل گرایا، جب چھری اس کی گردن پر رکھی تو اس سے کہا، "اے خبیث کیا تو ہی وہ نہیں تھا جس نے کہا تھا، "اب تو جو ہونا تھا سو ہو چکا؟ اب بتا کیا ہوگا؟" اس نے کہا، اس "ہونے" پر خدا کی پھٹکار میں اس کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتا" قطری نے اسے ذبح کر دیا، اس کی کھال کھینچی، اس کا دھڑ گِدھوں کے لیے چھوڑ دیا، اور قسم کھائی، وہ اپنے گھر جانے کا خیال بھی نہیں کرے گا، یہاں تک کہ درندے اور پرندے اس کا گوشت نہ کھالیں، وہ اس وقت اٹھا، جب اس کی صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں، اور چلا گیا۔

---

(۱۵۱) دو دوست!

عینیہ بن حصن کوفہ آیا، اور چندے وہاں مقیم رہا، اس نے کہا، "جب سے میں اس سرزمین پر آیا ہوں، ابو ثور (یعنی عمرو بن معدی کرب[1]) سے نہیں ملا، ــــ اے غلام سواری تیار کر" اس نے ایک گھوڑی پر زین

---

[1] عمر بن معدی کرب زبیدی، کنیت ابا ثور، یمن کا بہت بڑا بہادر، یہ زید و دعبل پر بھی بہادری اور قوت میں فوقیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں فالج کی حالت میں وفات پائی۔

کس دی، جب وہ اس کے قریب لائی گئی، اس نے غلام سے کہا، "کم بخت کیا
تو نے زمانۂ جاہلیت میں مجھے کبھی گھوڑی پر سوار ہوتے دیکھا تھا؟ جو اب
اسلام لانے کے بعد میں اس پر سوار ہوؤں؟" اب غلام نے ایک اعلیٰ درجے
کا گھوڑا سازو یراق سے آراستہ کیا، اس پر وہ سوار ہوا۔ اور محلۂ بنی زبید کی
طرف روانہ ہوا، پھر اس نے عمرو کے مکان کا پتا پوچھا، وہ بتا دیا گیا، عینیہ
اس کے دروازے پر پہنچا، اور آواز دی، "ای ابو ثور، باہر آؤ" وہ ہانپتا کانپتا
باہر آیا، گویا چور چور ہو رہا ہو، اس نے کہا، "ابو مالک، یہ صبح تمھیں مبارک
ہو" عینیہ نے کہا، "کیا خدا نے ہمارے لیے اس طرح کے الفاظ کے بجائے
"السلام علیکم" نہیں مقرر کیا ہو؟" اس نے کہا، "ان باتوں کو چھوڑو، جنھیں
ہم نہیں جانتے، آؤ، اترو، دیکھو میرے پاس کتنا اچھا چربی والا مینڈھا ہو"
عینیہ اتر آیا، وہ مینڈھے کے پاس گیا، اور اسے ذبح کیا، پھر اس کی کھال
اتاری، اس کے پارچے کیے، سارا گوشت ایک بڑی سی ہانڈی میں رکھا
اور اسے پکانا شروع کیا، جب وہ پک گیا تو وہ ایک بڑی سی لگن لایا، اس
میں روٹی کو توڑا، پھر اس پر ہانڈی انڈیل دی، پھر اس کا ثرید[1] بنایا۔ اب
دونوں بیٹھ گئے، اور کھانے لگے۔

عمرو نے کہا، "کیا پیو گے؟ دودھ یا وہ "چیز" جسے ہم عہدِ جاہلیت
میں پیا کرتے تھے؟"

"کیا اسے خدائے بزرگ و برتر نے حرام نہیں کر دیا ہو؟"

"تم عمر میں بڑے ہو یا میں؟"

"تم"

---

[1] عربوں کی ایک مرغوب غذا، رسول اللہ بھی اسے بہت پسند فرماتے تھے۔

"اسلام میں تم نے پہل کی یا میں نے؟"

"تم نے"

"میں نے قرآن پڑھا ہے، خدا کی قسم میں نے اس میں حرمت کا حکم نہیں پڑھا ہے، سوا اس کے کہ "کیا تم باز نہیں آؤ گے؟" ہم نے جواب دیا، "نہیں" وہ (قرآن) خاموش ہو گیا، اور ہم بھی چپ رہے"

عینیہ نے کہا، "ہاں بھئی، تم سن میں بھی بڑے ہو، اور اسلام میں بھی مقدم ہو" (جو چاہو کہو)

پھر یہ دونوں بیٹھ گئے، اشعار پڑھنے لگے، اور شراب پینے لگے، اور ایامِ جاہلیت کی باتیں کرنے لگے، یہاں تک کہ شام ہو گئی۔

جب عینیہ نے واپس جانے کا ارادہ کیا، تو عمرو نے کہا، "اگر ابو مالک یہاں سے بغیر تحفے کے چلا گیا تو یہ میرے لیے ڈوب مرنے کی بات ہوگی" پھر اس نے اسے ایک نہایت اعلیٰ درجے کے حسب نسب کی سانڈنی دی، گویا وہ چاندی کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ عمرو نے عینیہ کو اس سانڈنی پر بٹھا دیا، پھر کہا، "اے غلام تھیلی لا" تھیلی لائی گئی، اس میں چار ہزار درہم تھے۔ یہ کیسہ عمرو نے عینیہ کے سامنے رکھ دیا، عینیہ نے کہا، "مال تو میں خدا کی قسم نہیں قبول کروں گا" عمرو نے کہا، "یہ تو حضرت عمرؓ کے عطایا میں سے ہے" لیکن عینیہ نے اسے قبول نہیں کیا، اور چلا گیا، اس نے اسی سلسلے میں کہا:۔

"خدا اے ذوالعرش کی قسم! تو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، جب ہمیں روکنے والا پینے سے روکے!

اے ابو ثور، تجھے اچھی جزا دی جائے، تو کتنا اچھا نوجوان ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے، اور جو مہمان نواز ہے۔"

تو نے ہماری مہمان داری کی، بڑے اعزاز و اکرام سے
مہمان داری کی، تو نے ہمیں علم کا تحفہ دیا، جواب تک لا معلوم تھا۔
تو نے کہا، اگر جامِ شراب دُور میں ہو تو حلال ہے، جو اندھیاری
رات کی بجلی کی چمک رکھتا ہو!
تو نے ایسی عزّی دلیل پیش کی جو ہر دھاندلی کرنے والے
کو انصاف پسند بنا دیتی ہے۔
ابو نور کہتا ہے، میں حرام کو حلال کر دیتا ہوں، بلا شبہ اس
کی بات مضبوط اور مقبول ہے!"

---

(۱۵۲) ابو حیّہ نمیری

ابو حیہ الہیثم بن الربیع، بہترین شاعر، عہدِ امویہ و عباسیہ کا باکمال نغز گو،
ان ہر دو ادوار کے خلفا کی شان میں اس نے مدحیہ قصیدے لکھے۔ بصرے
کا رہنے والا تھا، رجز بھی کہتا تھا، اور قصیدے بھی، طوّل گو بھی تھا، ساتھ
ہی ساتھ بڑا بزدل، پرلے درجے کا کنجوس، اور بے حد جھوٹا بھی تھا، ابو العلا
اس کی تعریف میں بہت رطب اللسان رہتے تھے، عبد الرحمٰن کہتے ہیں میں
نے اپنے چچا کو کہتے ہوئے سُنا، "شعرا میں ابو حیہ کی مثال ایسے شخص کی ہے جو
میانہ اندام ہو، نہ بہت لمبا نہ حد درجہ کوتاہ!
ابراہیم بن ایوب قتیبہ سے روایت کرتے ہیں، ابو حیّہ کے پاس ایک
تلوار تھی، جس کا نام "لعاب المینہ" تھا، اس تلوار میں اور لکڑی کے
ٹکڑے میں کوئی فرق نہیں تھا، اس کی بزدلی کا قصّہ اس کا ایک پڑوسی

بیان کرتا تھا۔ ابو حیہ کے گھر میں ایک دفعہ رات کو کتا گھس آیا، یہ حضرت سمجھے چور ہی، میں جھانک کر تماشا دیکھ رہا تھا، اُس نے اپنی تلوار "لعاب المنیہ" نکالی، اسے بے نیام کیا، وہ گھر کے بیچ میں کھڑا ہوا تھا، اور کہہ رہا تھا۔

"اے دھوکے باز، تو نے ہم پر جرأت کی؟ خدا کی قسم تو نے اپنے لیے بہت بری راہ اختیار کی، میرے پاس بہت اچھا سانچی صیقل کی ہوئی تلوار ہی جس کا نام تو نے سنا ہوگا "لعاب المنیہ" ہی، اس کی مار مشہور ہی، تو اپنے انجام سے نہ ڈر، جا، تجھے معاف کیا، آ، باہر نکل قبل اس کے کہ تجھے سزا دی جائے، خدا کی قسم اگر میں نے اپنی مدد کے لیے قبیلۂ قیس کو بلایا تو تو ہرگز اس کے سامنے نہیں ٹھیر سکے گا، تجھے معلوم بھی ہی، قیس کون ہی؟ خدا کی قسم اگر یہ قبیلہ میدان میں آجائے تو فضا کو پیادوں اور سواروں سے پاٹ دے، سبحان اللہ یہ قبیلہ کتنا بڑا اور کتنا اچھا ہی؟"۔

وہ اسی طرح صحن مکان میں کھڑا ہوا للکارتا رہا کہ اتنے میں کتا باہر نکل آیا، ابو حیہ نے اُسے دیکھ کر کہا، "الحمد اللہ، خدا نے تیری صورت مسخ کر کے تجھے کتا بنا دیا، اور مجھے لڑائی کی دردسری سے بچا لیا۔"

عبداللہ بن مسلم بیان کرتے ہیں، ابو حیہ نمیری سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں تھا، ایک روز کہنے لگا "میں صحرا کی طرف گیا، وہاں میں نے کوؤں کو بُلایا، وہ سب میرے گرد جمع ہو گئے، پھر میں نے اُن میں سے جسے چاہا پکڑ لیا" اس سے کہا گیا، "ابو حیہ کیا کہتے ہو؟ ہم تمھارے ساتھ صحرا چلتے ہیں، وہاں تم کوّے بُلاؤ، اگر وہ نہ آئے تو کیا کرو گے؟" اس نے کہا، "اب تو وہاں سے کوّے چلے گئے"

ایک روز وہ کہنے لگا، ایک دفعہ ایک ہرنی میرے سامنے سے گزری، میں نے اسے تیر مارا، وہ بچ نکلی، لیکن تیر نے اس کا راستہ روک لیا، پھر وہ کترائی، پھر تیر آڑے آگیا، خُدا کی قسم تیر اور ہرنی میں یونہی آنکھ مچولی ہوتی رہی، آخر تیر نے اسے ایک ٹیکرے پر پچھاڑ ہی دیا!

---

(۱۵۳) ایک اچھّا نُسخہ

ابو غزالہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس عبداللہ بن فضالہ بن شریک الوالبی اسدی، جو بنو اسد بن خزیمہ کا ایک فرد تھا آیا، اس نے کہا، "میری سانڈنی کم زور ہوگئی، کجاوہ کہنہ ہوگیا، رزق ختم ہوگیا" حضرت نے فرمایا، "وہ سانڈنی میرے پاس لاؤ" اسدی اپنی سانڈنی لایا، آپ نے فرمایا، "اس کا منہ ادھر کرو، اب اس کی پیٹھ دکھاؤ" اس نے ایسا ہی کیا، آپ نے فرمایا، "اس پر دباغت کی ہوئی کھال چڑھاؤ، اور اس پر موٹے بال سی دو، اسے نجد لے جاؤ، صبح شام اسے گھمایا کرو، بس یہ اچھی ہو جائے گی۔"

ابن فضالہ نے کہا، "میں تو آپ کے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ آپ مجھے کچھ مرحمت فرمائیں گے، تاکہ میں اپنی ضروریات پُوری کروں، میں آپ سے نسخہ لکھانے تھوڑے ہی آیا تھا، اس سانڈنی پر خُدا کی لعنت جو مجھے لے کر آپ تک آئی۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کی یہ باتیں سُن کر ارشاد فرمایا، "ہاں اور اس کے سوار پر بھی!"

ابن فضالہ واپس چلا گیا۔

---

(۱۵۴) حاتمِ دوران!

ابو ہارون المدائنی بیان کرتے ہیں، ایک نہ ایک آدمی سعید بن العاص کے پاس آیا کرتا تھا، اور اُن سے سوال کیا کرتا تھا، جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ کہتے میرے پاس اس وقت تو کچھ ہے نہیں، ہاں تم میرے نام لکھ لو، وہ لکھ لیتا۔ پھر وہ اپنے رفقا سے کہتے، "کیا تمھیں یقین ہے اُس آدمی سے میں نے کوئی رقم لی ہوگی؟ بات صرف اتنی ہے کہ یہ میرے پاس آیا، سوال کیا، اسے دیکھ کر مجھے حیا آگئی، مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اسے یونھی واپس کردوں۔"

ایک مرتبہ سعید کے پاس قریش کا ایک غلام اپنے آقا کے ایک لڑکے کو لے کر آیا اور کہا، "اس لڑکے کا باپ مرگیا، ہم اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں" سعید نے کہا، "میرے پاس تو کچھ ہے نہیں، البتہ میرے نام سے لکھ لو میں ادا کردوں گا"

جب سعید کا انتقال ہوا تو ایک آدمی عمرو بن سعید کے پاس آیا اور کہا، "میں آپ کے والد کے پاس فلاں کے لڑکے کو لے کر آیا تھا" پھر اس نے سارا ماجرا سنایا۔ عمرو نے کہا، "تو تم نے کیا لکھ لیا تھا؟" "دس ہزار!" اس نے جواب دیا! یہ سُن کر عمرو اپنی جماعت کی طرف متوجہ ہوا اور گویا ہوا اس شخص سے زیادہ بے وقوف کون ہوگا، جس سے سعید نے کہا ہو میرے نام جو کچھ چاہو لکھ لو، اور وہ صرف دس ہزار ہی لکھے، اگر وہ ایک لاکھ بھی

مانگتا تو بہ خُدا میں ادا کر دیتا۔"

عروہ بن زبیر کہتے ہیں، سعید بن عاص جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وہ اپنے محل میں تھے۔ ان سے ان کے صاحب زادے عمرو نے کہا، "کاش اس وقت آپ مدینے چلے چلتے"، انھوں نے جواب دیا، "میرے بچے میری قوم اس بارے میں بخل نہیں کرے گی کہ مجھے اپنی گردن پر تھوڑی دیر اٹھائے پھرے، جب میں مرجاؤں، تم اسے اطّلاع دینا، جب لوگ مجھے دفن کر دیں تب تم معاویہ کے پاس جانا اور انھیں میری موت کی خبر دینا اور دیکھنا وہ میرے قرض کے بارے میں کیا کرتے ہیں؟ دیکھ میرے بچّے! وہ کوشش کریں گے کہ میرا قرض ادا کر دیں لیکن تو انھیں ایسا نہ کرنے دینا، بلکہ میرا یہ محل انھیں پیش کرنا، اس کو میں نے صرف تفریح کے لیے بنایا ہے یہ کوئی جایداد نہیں ہے" جب سعید کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے نے لوگوں کو ان کی وفات کی اطّلاع دی، لوگوں نے ان کی نعش قصر سے اٹھائی، اور بقیع میں لے جا کر دفن کر دی۔

لوگوں نے سعید کی قبر پر پرسا دیا، اور انھیں دفن کر کے رخصت ہو گئے۔ عمرو بن سعید نے خود جا کر سعید کی خبرِ وفات امیر معاویہ کو دی، انھیں بہت رنج ہوا، عمرو پر انھوں نے شفقت ظاہر کی، پھر پوچھا "کیا سعید نے کچھ قرض چھوڑا ہے؟" جواب ملا، "جی ہاں، تین لاکھ!" امیر معاویہ نے کہا، "یہ قرض میں ادا کروں گا"، عمرو نے کہا، "انھیں امید تھی آپ ایسا ہی کریں گے، لیکن انھوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کی یہ پیش کش قبول نہ کروں، البتہ آپ کی خدمت میں ان کی کچھ جایداد پیش کروں، آپ اسے خرید لیجیے، اسی سے ان کا قرض ادا ہو جائے گا" امیر معاویہ نے

کہا، "وہ کیا جایداد ہے بتاؤ؟" عمرو نے کہا، "ان کا قصر جو وادیٔ مدینے میں واقع ہے" معاویہ نے جواب دیا، "جاؤ میں نے سعید کا قرض اُتارنے کی قیمت کے طور پر اسے لے لیا۔" پھر کہا، "مدینے جاؤ اور قیمت پوری پوری لینے جاؤ" عمرو نے کہا، "بہت خوب" پھر وہ قیمت لے کر مدینے گیا وہاں سعید کے قرض داروں میں ساری قیمت تقسیم کر دی، اور سارا قرض اچھی طرح ادا کر دیا۔

اسی سلسلے میں ایک قریشی نوجوان آیا، اس کے پاس ایک تمسک تھا، جس میں بیس ہزار درہم لکھے ہوئے تھے، گواہی خود سعید کی اور ان کے غلام کی تھی۔ وہ تمسک محرر کو بلوا کر پڑھوایا گیا۔ جب اس نے وہ تمسک پڑھا، تو رونے لگا، اس نے کہا، "ہاں یہ میرے آقا کی تحریر ہے، اور یہ میری ہی گواہی ہے" عمرو نے پوچھا، "اس نوجوان کے والد پر کس طرح بیس ہزار درہم قرض ہو گئے، حالاں کہ یہ دریوزہ گران قریش میں سے ایک ہے؟" غلام نے کہا سنو:۔

اپنے معزول ہونے کے بعد ایک مرتبہ سعید کہیں جا رہے تھے کہ یہ نوجوان آ گیا اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا، یہاں تک کہ ان کی ڈیوڑھی تک پہنچ گیا، سعید رُک گئے، انھوں نے پوچھا، "تمھیں کوئی ضرورت ہے؟" اس نے کہا "نہیں! میں نے دیکھا آپ اکیلے چل رہے ہیں، میرے جی میں آئی کہ آپ کا ساتھ دوں" یہ سُن کر انھوں نے مجھے حکم دیا، "کاغذ لاؤ" میں نے یہی کاغذ لے کر انھیں دے دیا، انھوں نے اسے یہ تمسک لکھ دیا، گویا وہ اس کے مقروض ہیں اور کہا۔

"اس وقت تم ہم سے کچھ نہیں پا سکتے، یہ لو، جب ہمارے پاس مال آئے تو ہمارے پاس آنا۔"

عمروؓ نے کہا، "خدا کی قسم کوئی شبہہ نہیں، اس شخص کو یہ پوری رقم ضرور ملے گی" پھر اس نے بیس ہزار درہم اس تمسک کے اسے عطا کر دیے!

---

(۱۵۵) بھینس کے آگے بین!

معبد نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ولید بن یزید نے مجھے طلب کیا، میں اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ ایک روز میں شام کے ایک حمام میں تھا کہ ایک بارعب و جلال آدمی اپنے غلاموں کے ساتھ آیا، حمام کا منتظم تمام لوگوں سے بے پروا ہو کر اس کی آؤ بھگت میں لگ گیا، اس آدمی کی مالش کی۔ میں نے کہا، اگر میں نے اسے یہ نہ بتا دیا کہ میرے پاس کیا ہے تو گویا میں گنتا ہوں، میں اس کے پیچھے سے آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا، اس طرح کہ وہ مجھے بخوبی دیکھ سکے اور میری باتیں سن سکے۔ پھر میں گن گنانے لگا، وہ میری طرف متوجہ ہوا، اور اپنے غلاموں سے کہا، "یہ جو کچھ ہے اس کے سامنے پیش کرو" جو کچھ اس کے سامنے تھا میرے پاس آ گیا۔ پھر اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے گھر تک چلوں، میں راضی ہو گیا، اس نے وہاں کرم و عنایت کا کوئی دقیقہ مجھ پر اٹھا نہ رکھا، پھر نبیذ سامنے لا کر رکھی گئی، میں نے جو گانا سنا تھا وہ پہلے گانے سے کہیں زیادہ اچھا ہوتا تھا، وہ میرے گانے سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا۔ بڑی دیر تک میرا گانا بجانا جاری رہا۔ پھر اس نے کہا، "اے غلام، ہمارے بڑے میاں کو بلاؤ"، ایک مرد بزرگ نمودار ہوا، جب اس نے اسے دیکھا تو کچھ اشارہ کیا، بوڑھے نے عود اٹھا لیا، اور گانا شروع کیا۔

"ہانڈی میں تھی مچھلی، بلی آئی، اور اسے چٹ کر گئی، وائے

ری شومیٔ قسمت!"

صاحبِ خانہ نے یہ شعر سُنا تو پھڑک اٹھا، لگا تالیاں بجانے اور وفورِ طرب سے پاؤں رگڑنے۔ پھر بوڑھے نے گایا:۔

"دوست مجھے آڑو سے مارتا ہے، وہ گمان کرتا ہے، میں اسے نہیں دیکھتا،"

یہ شعر سُن کر تو جوشِ مسرت سے وہ گویا دیوانہ ہو گیا، جامے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

میں وہاں سے کھسک آیا، اور اپنی راہ لی، اسے پتا بھی نہ چلا، میں نے اس دن کا سا لغو گانا کبھی نہ سُنا ہو گا، نہ اس بوڑھے کا سا کوئی جاہل میری نظر سے گزرا ہو گا!

---

(۱۵۶) ولید اور ایک گویّا

حسین بن یحییٰ حماد سے اور وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک نے مکّے کے عامل کو لکھا، "میرے پاس ابن سریج کو بھیج دو" اس نے حکم کی تعمیل کی، جب ابن سریج پہنچ گیا، تو وہاں اسے بہت دن ٹھہرنا پڑا، نہ ولید نے اسے بلایا نہ ملتفت ہوا۔ عرصے کے بعد جب اسے یاد آیا، تو اس نے کہا۔ "کم بختو! ابنِ سریج کہاں ہے؟" کہا گیا "وہ تو درِ دولت پر موجود ہے" حکم دیا، "اسے فوراً حاضر کرو" عرض کیا گیا، "بہت خوب امیرالمومنین"

ابنِ سریج نے تیاری کی، کپڑے پہنے اور ولید کی طرف چلا، جب اس

کے سامنے پہنچا تو سلام کیا، ولید نے اشارے سے کہا، "بیٹھو!" دور ہٹ کر بیٹھ گیا، پھر ولید نے اسے قریب بلایا، وہ قریب آگیا، بالکل اس کے پاس پہنچ گیا۔

ولید نے کہا، "کم بخت غلام! مجھے تیری کچھ باتیں معلوم ہوئی ہیں جن کی بنا پر میں نے تجھے بلایا ہے، مثلاً یہ کہ تو ادیب بہت اچھا ہے، تجھ میں جودتِ اختیار بھی ہے، ساتھ ہی ساتھ ظرفِ لسان بھی اور حلاوتِ مجلس بھی"

ابن سریج نے کہا، "یا امیرالمومنین، قربانت شوم، میرا ذکر میرے دیکھنے سے بہتر ہے"

ولید نے کہا، "مجھے اُمید ہے تو ایسا نہیں ہوگا، جو کچھ سُنا سکتا ہو سُنا"

ابن سریج نے احوص کا کلام "منزلتی سلمیٰ علی القدم اسلما" سُنانا شروع کیا، یہاں تک کہ اس نے کہا:۔

"اسے چھوڑ دے، اور خلیفہ کی مدح کر، کہ وہ تیری مصیبتیں
زائل کر دے اور تجھے سرفراز کرے،

بے شک اس کے ہاتھوں میں رحمت کی کنجیاں ہیں وہ
برسنے والا ابرِ کرم ہے، جس سے لوگ زندہ رہتے ہیں،

وہ امامِ وقت ہے، اس کے پاس حکومت بے طلب آئی
اس نے نہ ناجائز مال لیا، نہ خونِ ناحق کیا،

بندوں کے رب نے اسے اپنی مخلوق کا نگہبان بنایا،
بلاشبہہ خُدا لوگوں کو خوب جانتا ہے،

جب اللہ نے اسے اس کارِ اہم کے لیے چن لیا، تو جس
مسلمان کو اس نے بلایا، اس نے آ کر بیعت کر لی،

جس نے اس کی دوستی پائی، اس نے گویا تو نگری اور

عزّت پالی، مرگِ عاجل سے وہی ڈرتا ہو جو بد بخت ہو۔"
ولید نے کہا، "شاباش، احوص نے بہت خوب کہا" پھر کہا، "ای غلام! ہاں کچھ اور!" اب ابنِ سریج نے، عدی بن الرقاع کے وہ اشعار سُنائے جو اس نے ولید کی مدح میں کہے تھے:۔

" نیند اُڑ گئی، غم و الم آ گئے، چھا گئے، میرے اور میری
نیند کے مابین حائل ہو گئے، اور اسے آنے سے روک دیا،
جوانی ایک آڑ تھی، جس میں میں آرام حاصل کرتا تھا،
جس کے سایے میں مدّتوں بیٹھا، مگر وہ آڑ پھر ختم ہو گئی،
میرے سر پر سیاہی کے بعد سفیدی چھا گئی، وہ (محبوبہ)
خوب صورت لمبے بالوں والی ہو تو اِس کی کنپٹی پر گنجا پن نہیں
دیکھے گا"

یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:۔

۔رُود بھیجے وہ ذات جس کے لیے تمام عبادتیں ہیں، اور
ایمان والے دُعا کریں جب وہ جمعہ کی نماز پڑھیں،
اس شخص کے لیے، جو سب سے کھلم کھلا بڑھ گیا حسنِ
سلوک اور ستایش کے سبب، یہ دونوں اس کے ساتھی بن
گئے،

یہ وہ شخص ہو جس کے ہاتھوں خُدا نے اپنی امت متحد
کر دی، حالاں کہ پہلے وہ گروہوں میں بٹی ہوئی تھی،
ہم نے خُدا سے پناہ مانگی کہ ہم تو زندہ رہیں اور وہ اس
جہان سے رخصت ہو جائے، اور ہم کسی دوسرے شخص کی

اطاعت پر مجبور ہو جائیں،

بلاشبہہ ولید امیر المومنین ہے، اس کے پاس حکومت ہے،

خدا اس کا مددگار ہے، اور وہ سربلند ہے،

جس چیز کا وہ حکم دے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں،

جس چیز کو وہ منع کر دے اسے کوئی بخشنے والا نہیں۔"

ولید نے ابنِ سریج سے کہا، "اے غلام، تو نے سچ کہا، یہ تجھے کہاں سے ہاتھ لگا؟" ابنِ سریج نے کہا، "یہ تو خدا کی دین ہے" ولید گویا ہوا، "اگر اس کے علاوہ کچھ ہو تو میں تیرے ادب کی داد دوں" ابنِ سریج نے کہا، "یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے" ولید نے کہا، "وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے زیادہ بھی بخش دیتا ہے" ابنِ سریج نے عرض کیا، "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے، آیا میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں؟" ولید نے کہا، "خدا کی قسم تیرا علم بہت زیادہ ہے اور میں اسے تیرے گانے سے زیادہ پسند کرتا ہوں،

اچھا اب کچھ مجھے سُنا" اب ابنِ سریج نے عدی بن الرقاع کے وہ اشعار سُنائے جو اس نے ولید کی مدح میں کہے تھے:۔

عرف الدیار توھما فاعتادھا   من بعد ماشمل البلی ابلادھا

یہاں تک کہ وہ ان اشعار پر پہنچا:۔

"اللہ اس پر اپنی رحمت بھیجے جسے میں نے پالیا، اس پر اپنی نعمت پوری کرے، بلکہ اور زیادہ کرے،

جب موسمِ بہار کے ساتھ بور کا سلسلہ شروع ہو تو موسلا دھار برسنے والا بادل خناصرہ (مقام کا نام) کو سیراب کرے،

اور خوب برسے،

ولید جہاں اُترا وہاں کے باشندوں کے لیے بارش بن گیا، یہاں اس کا ابرِ کرم باشندوں اور شہر پر خوب برسا،

کیا تو نہیں دیکھتا تمام مخلوق نے اپنی باگیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں، وہ سب کی رہ نمائی کرتا ہے،

جب اللہ نے تجھے حکومت دی، تو گویا، اپنی امت کی فلاح اور راہ یابی کا انتظام کر لیا،

تو نے مسلمانوں کی سرزمین کو آباد کیا، جس سے وہ ترقی کر گئی، تو نے ان عناصر کو روکا جو فساد برپا کرنا چاہتے تھے،

تو نے دشمن کی سرزمین پر ایسی مصیبت پھیلائی، جو ہر گوشے میں پھیل گئی، خواہ نشیب ہو یا بلند مقام،

تو نے ایسی کام یابی حاصل کی، جو کوئی اور خلیفہ باوجود کوشش کے نہ حاصل کر سکا،

جب تو اس کی تعریف کرے تو تو اسے مجموعۂ مکارم پائے گا، جو ہر نئی اور پرانی تعریف کا مستحق ہے۔"

ولید نے خادم کی طرف اشارہ کیا، ابنِ سریج خلعتِ فاخرہ سے ڈھانپ دیا گیا، اس کے سامنے دیناروں کی ہمیانیاں اور درہموں کی تھیلیاں ڈھیر کر دی گئیں۔

پھر ولید نے کہا، "بنی نوفل بن حارث کا غلام بڑی دولت سے مالا مال ہے" ابنِ سریج نے کہا، "اور آپ کو، اے امیرالمومنین، خدا نے بہت بڑی سلطنت عطا کی ہے، شرف دیا ہے، عزت دی ہے، جس کے سبب آپ کا

ہاتھ کشادہ ہے، کوتاہ نہیں ہے، اور نہ انشاء اللہ کوتاہ ہوگا۔ خدا اسے ہمیشہ ہمیشہ سلامت رکھے، جو اس نے آپ کو دے رکھا ہے اور آپ کی دولت و ثروت قائم رکھے۔ جو کچھ خدا نے آپ کو دیا ہے آپ اُس کے اہل ہیں۔ اللہ اسے آپ سے اس لیے نہیں چھینے گا کہ آپ میں اس کے قائم رکھنے کا جوہر ہے"

ولید نے کہا، "تو نوفلی بھی ہے، اور خطیب بھی؟" ابنِ سریج نے کہا، "آپ ہی کے بل پر بول رہا ہوں، آپ ہی کی زبان سے نوا سنج ہوں، آپ ہی کی دی ہوئی عزت سے کام یاب ہوں"

---

(۱۵۷) باپ بیٹے کا جھگڑا

اسحٰق کی روایت ہے، کہ جب میرے والد نے "لبت ہنداً" والا راگ بنایا، تو میں نے اُن سے جھگڑا کیا۔ اُن کے بنائے ہوئے راگ میں عیب نکالا اور اُن سے کہا، "اگر کوئی شخص آپ کے سامنے آپ پر تنقید کرتا ہے، یا آپ کی اچھائیوں میں بُرائیاں نکالتا ہے، تو آپ اُس کی باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیتے۔ آپ نے یہ ایسا راگ نکالا ہے، جیسا ابنِ سریج نکال چکا ہے۔ آپ نے اُس کے راگ سے تعرض تو کیا، لیکن اُس تک پہنچ نہ سکے۔ یہ شعر اس سے زیادہ وسعتِ فن اور راگ کی خوبی کو چاہتا ہے، اسے چھوڑ دیجیے، جو پہلے سے ایجاد ہو چکا ہے، کچھ اور ایجاد کیجیے"

والد میری یہ باتیں سُن کر بہت برہم ہوئے۔ میں ہمیشہ ان کے سامنے اپنے ہُنر کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتا تھا، اور اُن کے ہُنر میں عیب نکالا کرتا تھا، اگر انھوں نے میری نکتہ چینی مان لی، تو پھر کوئی بات ہی نہیں، اور اگر خفا ہو

گئے، تو میں انھیں منا لیتا تھا، اور خوش کر لیتا تھا۔

انھوں نے مجھ سے کہا، "اللہ شاہد ہی تجھے چھوڑنے کا نہیں جب تک تو میرے مقابلے میں کوئی راگ نہ نکالے۔ میں نے ثقیلِ ثانی میں اس راگ کے طرز پر ایک لحن ایجاد کیا تھا، وہ مجھے پسند تھا، اسی پر میں نے اپنا یہ راگ ڈھال لیا:۔

"جس نے غصّے کے سبب منہ موڑ لیا اس سے کہہ، حالاں کہ
وہ تجھ سے دور ہو گیا۔
تو وہاں پہنچ گیا، جہاں کا تو نے ارادہ کیا، اگرچہ تو کھیل
رہا تھا"

یہ باتیں کرتے کرتے ہم ایک صحرا کی طرف نکل گئے کہ یہیں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرا لیں۔ والد نے کہا، "تم میرے اور اپنے درمیان کسے حاکم بنانا چاہتے ہو؟" میں نے کہا، "اس جگہ جسے آپ مناسب سمجھیں" انھوں نے کہا، "جو شخص سب سے پہلے سامنے آئے، اسے میں اپنا راگ سناؤں گا، اور تم اپنا سنانا" یہ رائے مجھے پسند آئی میں نے کہا، "بہتر" اتنے میں ایک نبطی بوڑھا اپنے گدھے پر کانٹوں کا گٹھر لادے ہوئے سامنے آیا۔ والد اس کی طرف متوجہ ہوئے انھوں نے اس سے کہا، "میں اور میرا یہ ساتھی، ایک معاملے میں تمھیں حکم بنانا چاہتے ہیں" اس نے پوچھا، "وہ کیا بات ہی؟" ہم نے کہا، "ہم میں سے ہر شخص یہ سمجھ رہا ہی کہ وہ اپنے ساتھی سے زیادہ اچھا گاتا ہی، تم مجھ سے سنو، اور میرے ساتھی سے بھی سنو، اور اپنا فیصلہ سنا دو!"

نبطی نے جواب دیا، "ہاں! بسم اللہ کرو" میرے والد نے ابتدا کی، اور اپنا راگ اسے سنایا، ان کے بعد میں نے اپنا راگ سنایا۔

جب میں سُنا چکا، تو وہ نبطی میری طرف متوجہ ہُوا، اس نے کہا، "بھئی میرا فیصلہ تو تمھارے خلاف ہی" یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی، والد نے میرے مُنہ پہ ایک چانٹا مارا، ایسا چانٹا میں نے کبھی نہیں کھایا ہوگا۔ وہ خاموش ہو گئے، میں نے بھی سکوت اختیار کر لیا، اس کے بعد اس سلسلے میں میں نے ان سے کوئی گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ ہم الگ الگ ہو گئے۔

---

(۱۵۸) پتے کی بات!

حمّاد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے تھے، جعفر بن یحییٰ برمکی نے ایک روز، یہ جانتے ہوئے کہ خلیفہ ہارون رشید نے مجھے اور دوسرے گویّوں کو اس روز بلایا ہی، مجھ سے کہا، "میرے پاس آؤ میں تمھیں بڑی اچھی بات بتاؤں گا"۔ میں جعفر کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے کہا، "بتاؤ تم کیا پسند کرتے ہو؟ جس اچھّی چیز کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ تمھیں دوں، یا تمھیں ایک ایسی چیز بتاؤں جس سے تم لاکھوں درہم کما لو"

میں نے کہا، "خُدا وزیر صاحب کے جاہ و اقبال میں ترقّی دے، مجھے تو مال کے بجائے وہی چیز بتائیے جو آپ کے عطیے کی قائم مقام ہو"

جعفر نے کہا، امیر المومنین ذی الرمہ[1] کے شعر بڑے جوش سے پڑھتے

---

[1] ذی الرمہ — نام غیلان بن عقبہ، کنیّت ابو الحارث، لقب ذوالرمہ۔ رمہ پُرانی رسّی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اس کے تین بھائی تھے، مسعود، جرفاس اور ہشام، یہ تینوں شاعر تھے، ذی الرمہ کوفہ اور بصرہ میں قیام رکھتا تھا۔

حمّاد الراویہ کہتے ہیں۔ شعرائے جاہلیت میں امراؤ القیس (بقیہ نوٹ صہ ۴۵۲ پر)

ہیں، اس کے اشعار بہت پسند کرتے ہیں، اس کی بے حد منزلت کرتے ہیں، جب اس کے کلام کو گانے میں سُنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں، اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، جتنا کسی اور کا کلام سُن کر محظوظ ہوتے ہیں، تو انھیں ذوالرمہ کا کلام سُنا۔ جب تو انھیں خوش کرلے، اور وہ تیرے لیے انعام کا حکم دیں، تو تو گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جا، زمین کو بوسہ دے، اور کہہ، اس انعام کے سوا میری ایک اور ضرورت ہے جو تمام فائدوں پر بالا ہے۔ اس سے نہ آپ میں کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔ یہ سُن کر امیرالمومنین فرمائیں گے تیری وہ کون سی حاجت ہے؟ تب کہیو ایک ٹکڑا آپ مجھے دے دیجیے، یہ آپ کے لیے آسان ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے، نہ کسی کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جب امیرالمومنین اس پر راضی ہو جائیں تو ان سے عرض کر "ذوالرمہ کے اشعار مجھی کو خاص طور پر عطا فرما دیجیے، ان میں سے بہترین اشعار میں منتخب کر کے سُناؤں گا، نیز تمام لوگوں کو منع کر دیجیے کہ وہ میرے گانے میں مداخلت نہ کریں۔ مجھے ذوالرمہ کے شعر بہت پسند ہیں، میں ان کی داد دیتا ہوں، اور ہرگز یہ نہیں

(صفحہ ۴۵۱ کا بقیہ نوٹ)، بہترین تشبیہیں باندھتا تھا، اور شعرائے اسلام میں ذوالرمہ کی تشبیہیں بے مثال ہوتی تھیں،

فرزدق اور جریر جیسے شعرا اس کے فضل و کمال کے سبب اس سے حسد کرتے تھے کہتے ہیں، پہلے پہل ذوالرمہ کے شعر سُنو، تو بڑے میٹھے معلوم ہوتے ہیں، زیادہ پڑھو، تو کم زور نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر ان میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی۔ ہجو اور مدح کے میدان میں اس نے کوئی کامیابی نہیں حاصل کی۔

ذوالرمہ کا بادیہ میں انتقال ہوا، وفات کے وقت اس کی عمر صرف چالیس سال کی تھی۔

چاہتا کہ مداخلت کرکے مجھے بدمزہ کیا جائے یہی بات تو اُن سے پختہ کرلے"

میں نے جعفر کی یہ بات مان لی، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میں خلیفہ کے پاس سے کبھی بے انعام لیے نہیں واپس آیا۔ میں اسی مسئلے پر امیرالمومنین سے باتیں کرنے کا ارادہ کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک دفعہ میں نے انھیں موقعہ سے پالیا میں کھڑا ہوگیا، اور میں نے ان سے وہی مانگا، جو مجھے جعفر نے بتایا تھا۔ میں نے خلیفہ کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔ اس نے کہا، "بس یہی؟" پھر کہا، "میں تجھے تیری مانگی ہوئی چیز خاص طور پر دوں گا" میری اس فرمائش پر حاضرینِ دربار مذاق کرنے لگے، کہنے لگے، "تو نے بڑی چیز مانگی" خلیفہ خاموش رہا، میں نے کہا، "یا امیرالمومنین کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس بات کو پختہ کرلوں؟" انھوں نے فرمایا، "جس طرح چاہو پختہ کرلو" میں نے کہا، "خدا، رسولؐ، اور امیرالمومنین مہدی کی تُربت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس امر کا قول دیجیے کہ اگر کوئی گویا ذوالرمہ کا شعر گائے، تو اسے کوئی انعام نہ مرحمت فرمایا جائے، بس یہی قول میں آپ سے مانگتا ہوں" خلیفہ نے حلفیہ وعدہ کیا کہ اگر کسی گویے نے ذوالرمہ کا شعر گایا، تو نہ وہ اس کا اعزاز بڑھائیں گے، نہ اسے انعام دیں گے، نہ اس کا گانا سُنیں گے۔" میں نے شکریہ ادا کیا، زمین بوس ہُوا، پھر ہم لوگ چلے آئے۔

میں نے ذوالرمہ کے اشعار پر سَو بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ راگ بنائے۔ خلیفہ جب کوئی راگ سُنتا خوش ہوتا، بہت زیادہ خوش ہوتا، مجھے صلہ اور انعام دیتا۔ اس باب میں میرے سوا کسی نے نفع نہیں اٹھایا، خُدا کی قسم میں نے اس سلسلے میں لاکھوں درہم انعام کے حاصل کیے۔

(۱۵۹) اولوالعزم مُغنّی

حمّاد کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، میں نے تمھارے دادا کے مال، غلّہ، اور باندیوں کی قیمت کا جائزہ لیا، تو معلوم ہوا اُن کی قیمت دو کروڑ چالیس لاکھ درہم ہے، علاوہ ازیں وظیفہ دس ہزار درہم ماہ وار سے زیادہ تھا۔ یہ سب اس آمدنی کے علاوہ تھا، جو جائدادوں سے ملتی تھی۔ اس میں وہ انعامات بھی شامل نہیں تھے، جن کی یادداشت محفوظ نہیں تھی۔ خُدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ بامروّت کسی کو نہیں دیکھا۔

ہر وقت ان کے باورچی خانے میں کھانا تیار رہتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا، "یہ کیوں کر ممکن تھا؟" انھوں نے کہا، "باورچی خانے میں ہر وقت تین بکریاں اس طرح موجود رہتی تھیں، ایک ہانڈی میں پکتی ہوتی تھی، دوسری کھال اُتری ہوئی، لٹکتی رہتی تھی اور تیسری بندھی رہتی تھی کہ ضرورت ہو اور فوراً ذبح کی جائے جب لوگ آتے، تو جو کچھ ہانڈی میں ہوتا کھا لیتے، جب ہانڈی کا گوشت ختم ہو جاتا، تو لٹکتی ہوئی بکری کے ٹکرے کیے جاتے اور ہانڈی میں ڈال دیے جاتے اسی اثنا میں زندہ بکری ذبح کر لی جاتی اور لٹکا دی جاتی، اور دوسری زندہ بکری اس کی جگہ مطبخ میں باندھ دی جاتی۔

والد مرحوم کا، کھانے، خوشبو، اور داد و دہش کا خرچ تیس ہزار درہم ماہ وار تھا۔ یہ رقم تنخواہوں اور پوشش وغیرہ کے علاوہ تھی، ایک دفعہ یہ اتفاق پیش آیا کہ ان کے احباب کی اسی۸۰ باندیاں ودیعت کے طور پر ان کے پاس رکھی گئیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے کھانے، خوش بُو اور پوشش پر

اتنا ہی صرف کیا جاتا تھا، جتنا وہ اپنی ذاتی کنیزوں پر صرف کرتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی اپنے آقا کے پاس واپس کی جاتی، تو ایک ایک کو والد سازوسامان اور کپڑے دیتے۔

جب والد کا انتقال ہوا، تو ان کی مِلک میں صرف تین ہزار دینار تھے، اور سات سو دینار کا ان پر قرض تھا، جسے میں نے ادا کیا۔

---

(۱۶۰) سیر چشم گویا

مخارق کہتے ہیں، ابراہیم موصلی، یوم مہرجان[1] کے موقعہ پر محمد بن یحییٰ بن خالد کے پاس آیا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ وہ ان کے پاس ٹھہرے، ابراہیم نے کہا، "یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے، کیوں کہ امیرالمومنین کا قاصد بیٹھا ہوا ہے" محمدؒ نے کہا، "اچھا واپسی میں ہمارے پاس سے گزرنا، تمھیں میں وہ سب تحائف اور ہدایا دے دوں گا، جو آج کے روز میرے پاس آئیں گے" اس نے کہا، "بہت بہتر" پھر اس نے محمدؒ کے ہاں اپنا ایک دوست چھوڑ دیا، جس کا کام یہ تھا کہ اس روز کے محمدؒ کے تحفوں کا حساب رکھے۔

اس دن محمدؒ کے پاس طرح طرح کے ہدیے اور تحفے آئے۔ انھی تحفوں میں ایک ہاتھی کا مجسمہ بھی تھا، جو سونے کا بنا ہوا تھا، جس کی دونوں آنکھیں یاقوت کی تھیں۔

محمدؒ نے ابراہیم کے دوست سے کہا، "ابراہیم کو اس ہاتھی کی خبر نہ دینا، تاکہ ہم اسے فلاں کے پاس بھیج دیں" اس نے مان لیا، واپسی میں ابراہیم

---

[1] پارسیوں کا یوم عید۔

اس کے پاس آیا، اس نے محمدؐ سے کہا، "جو تحفے اور ہدیے آج آپ کے پاس آئے ہیں وہ لائیے" محمدؐ نے سب چیزیں سامنے کر دیں، صرف ہاتھی نہیں دیا، اور کہا، "تم سے چھپاؤں کیوں؟ ایسی ایسی بات ہوئی ہے" ابراہیم نے کہا، "نہیں بھائی اس کی سند نہیں، جو شرط ہوئی ہے اسے نباہو، اور ہاتھی کا طلائی مجسّمہ بھی لاؤ" پھر ابراہیم نے کہا، "کیا یہ ہدیہ اب میرا نہیں ہے؟ کہ میں اس کے ساتھ جو چاہوں کروں؟" محمدؐ نے کہا، "ہاں ضرور ہے!" ابراہیم نے کہا، "وہ مجسمہ اس لونڈی کو دے دو" پھر اس نے تمام تحائف اور ہدایا، محمدؐ کے حاضرینِ بزم میں تقسیم کرنے شروع کر دیے، ایک ایک چیز اس نے تمام حاضرین پر، محمدؐ کے بھائیوں، غلاموں، نوکروں، اور باندیوں پر تقسیم کر دی، یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا۔

پھر اس نے مجلس سے دو سیب اٹھا لیے، جب وہ چلنے لگا تو اس نے کہا، "یہ میرے ہیں!" یہ کہا اور چلا گیا۔

محمدؐ کو ابراہیم کی خودداری اور اولوالعزمی پر بڑی حیرت ہوئی۔

---

(۱۶۱) ایک لونڈی کا عطیّہ!

اسمٰعیل بن جامع السہمی کہتے ہیں مکّے میں زمانے نے مجھ پر آفات و مصائب کا دروازہ کھول دیا۔ میں مع اپنے اہل و عیال کے مدینے منتقل ہو گیا۔ ایک دن وہاں ایسا بھی آیا کہ میرے پاس سوا تین درہم کے کچھ نہ تھا، یہ رقم میری آستین میں تھی، ایک خوب صورت کنیز جس کے سر پر گھڑا رکھا ہوا تھا، کنوئیں کی طرف جاتی ہوئی میرے سامنے سے گزری۔ بڑی دل سوزی میں یہ

اشعار گا رہی تھی :-

" ہم نے اپنے دوستوں سے طولِ شب (فرقت) کی شکایت
کی۔ انھوں نے کہا، ہماری شب (وصل) کتنی چھوٹی تھی۔
یہ اس لیے کہ ان کی آنکھوں پر نیند چھا گئی، اور ہماری آنکھوں
پر نہ چھا سکی۔
اگر وہ ہماری طرح ستائے ہوئے ہوتے تو وہ بستر پر ہماری
طرح ہوتے "

یہ گانا میرے دل میں اُتر گیا، میں اسے یاد نہ کر سکا، میں نے کہا، " ای جاریہ تیرے حُسنِ غنا نے مجھے تڑپا دیا۔ کچھ ہرج نہ ہو تو ایک دفعہ اور یہی گانا سُنا دے " اس نے کہا، " ہاں شوق سے سُنیے " پھر اس نے اپنی پیٹھ پاس کی ایک دیوار سے ٹکا دی، ایک پانو اٹھا کر دوسرے پر رکھا، گھڑے کو اپنی ران پر رکھ لیا، اور گانے لگی۔

خُدا کی قسم مجھے ایک حرف بھی یاد نہ ہوا، میں نے کہا، " تم بہت خوب گائیں، اگر جی چاہے تو ایک دفعہ اور! " وہ تاڑ گئی، اس نے تُرش روئی سے کہا، " تمھاری بھی کیسی عجیب باتیں ہیں، بھلا کوئی ایسی باندی کو جو ضریبہ[۱] ہو، اس کے کام سے روکتا ہے؟ " میں نے آستین سے تینوں درہم نکالے اور اسے دے دیے۔ میں نے کہا، " آج کا دن اس رقم سے گزارو، یہاں تک کہ ہم پھر ملیں " کنیز نے یہ رقم بڑی کراہت سے قبول کی، اور کہا، " تم اس وقت مجھ سے یہ راگ حاصل کرنا چاہتے ہو، مجھے امید ہے اس راگ کے ذریعے تم تین ہزار

[۱] اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا کو ایک مقررہ رقم محنت مزدوری کرکے ادا کرتا رہتا ہے۔

دینار حاصل کر لوگے" یہ کہہ کے وہ گانے لگی یہاں تک کہ وہ راگ میں نے حاصل کر لیا، اسے اچھی طرح سمجھ لیا، اور خوش خوش اپنے گھر چلا آیا، بار بار اُسی کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ وہ میری زبان پر چڑھ گیا،

کچھ عرصے کے بعد میں نے بغداد جانے کا ارادہ کیا، وہاں پہنچا، سرائے والے نے مجھے محول[1] کے دروازے پر اُتار دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہاں جاؤں؟ کدھر کا رُخ کروں؟ میں لوگوں کے ساتھ ساتھ یونہیں چلنے لگا، یہاں تک کہ ایک پُل کے پاس پہنچا۔ اسے میں نے لوگوں کے ساتھ پار کیا۔ پھر میں ایک سڑک پر پہنچا جو شہر کو جا رہی تھی۔ میری نظر ایک نمایاں مسجد پر پڑی، جو فضل بن الربیع کے مکان کے پاس واقع تھی۔ میں نے کہا، "یہ مسجد تو مال دار لوگوں کی معلوم ہوتی ہے" میں مسجد میں داخل ہوا، مغرب کی نماز ادا کی اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، آخر غایت درجے بھوک اور تھکن کے عالم میں میں نے عشا کی نماز پڑھی، مسجد سے سب لوگ چلے گئے، صرف ایک آدمی باقی رہ گیا، جو ابھی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے خدام اور شرفا کی ایک جماعت کھڑی ہوئی انتظار کر رہی تھی کہ وہ نماز ختم کر لے، وہ آہستہ آہستہ نماز پڑھتا رہا، جب وہ واپس جانے لگا، تو اس نے مجھے دیکھا، کہا:۔

"شاید تم پردیسی ہو؟"

"جی ہاں"

"اس شہر میں تم کب آئے؟"

"آج ہی! میری کوئی قیام گاہ نہیں ہے۔ نہ کسی کو یہاں پہچانتا ہوں نہ کوئی ایسا ہنر رکھتا ہوں، جس کے ذریعے روشناسِ اہلِ خبر ہوں"۔

---

[1] بغداد کے ایک گنجان محلے کا نام

"کچھ جانتے بھی ہو؟"

"جی ہاں۔ گانا"

یہ سنتے ہی وہ لپکا، اور اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی سے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا اشارہ کردیا، میں نے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا "تم نہیں جانتے؟ یہ سلام الابرش ہیں!"

کچھ دیر کے بعد ایک قاصد میری طلب میں آیا، اس نے مجھے قصورِ خلافت میں سے ایک قصر میں پہنچا دیا۔ وہ مجھے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جاتا رہا، یہاں تک کہ محل کے چوکھٹ کے پاس ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس نے کھانا منگایا، میں ایسے دسترخوان پر بٹھایا گیا، جو بادشاہوں کا سا تھا خوب پیٹ بھر کے میں نے کھانا کھایا، میں اسی حالت میں تھا کہ میں نے کسی کی چاپ سنی، اور سنا کوئی کہ رہا ہے "وہ آدمی کہاں ہے؟" کہا گیا، "وہ یہیں ہے" اس نے کہا، "اس کے غسل، لباس، اور خوش بو کا انتظام کرو" میرے لیے یہ سب انتظامات ہوئے۔ پھر میں ایک سواری پر بٹھا کر خلیفہ ہارون رشید کے درِ دولت پر پہنچایا گیا۔ خلیفہ کی اقامت گاہ میں نے پہرے داروں، تکبیر کے نعروں، اور روشنی سے پہچانی، میں متعدد کمروں میں سے گزرا، یہاں تک کہ میں ایک کشادہ کمرے میں جس کے وسط میں ملے جُلے بہت سے تخت بچھے ہوئے تھے پہنچا، اس آدمی نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا، میں بیٹھ گیا، دیکھتا کیا ہوں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے، اس کے داہنی طرف تین لونڈیاں ہیں، ان کی گود میں عود بجانے کی تین لکڑیاں ہیں، اور اس آدمی کی گود میں عود رکھا ہوا ہے۔ اس نے میرا خیر مقدم کیا، سامنے مجلس جمی ہوئی تھی، کچھ لوگ چلے گئے تھے، اور باقی بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے ابھی بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ پردے کے

پیچھے سے ایک خادم برآمد ہوا، اس نے اس آدمی سے کہا: "گاؤ!" اس نے میرے راگ پر یہ اشعار شروع کیے:-

" وہ کبھی ایک میل بھی پیدل نہیں چلی وہ کبھی بے پردہ پالان میں نہیں بیٹھی، اس نے کبھی سورج کو نہیں دیکھا، مگر نقاب سے!

وہ اس طرح آہستہ آہستہ چلتی ہے، گویا ہوا اسے پلٹاتی ہے ہرنوں کی چال، رم خوردہ چال!"

اس شخص نے کچھ اچھا نہیں گایا، تال سُر بھی ٹھیک نہیں تھے۔ پھر وہ خادم جاریہ کے پاس آیا، جو اس آدمی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اس سے کہا "تم گاؤ!" یہ جاریہ بھی میرے راگ پر گائی، ہاں اس آدمی سے کچھ اچھا گائی، اس نے یہ شعر گائے:-

" جس چیز کی مجھے تمنا ہے مصر مجھے نہیں دیتا، بلکہ اس چیز سے مجھے دور کر دیتا ہے جس کی مجھے آرزو ہے۔

ہر وہ چیز جس سے نوجوان خوف زدہ ہو مصیبت نہیں ہے، اور نہ ہر وہ چیز جس کی وہ امید کرتا ہے، پا لینے والا ہے۔"

اب وہ خادم دوسری کنیز کے پاس گیا، لیکن اس سے کچھ تقاضا نہیں کیا، بلکہ تغافل برتا۔ چنانچہ وہ نہیں گا سکی، اب خادم اس لونڈی کے پاس گیا جو اس کنیز کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، وہ حکم الوادی کے لے پر گانے لگی:-

" اس نے ہمیں شرم دلائی کہ ہم تعداد میں کم ہیں، میں نے کہا، اچھے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

ہمیں ہماری کمیٔ تعداد سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا، کیوں کہ

ہمارے پڑوسی طاقت ور اور معزز ہیں، بہتوں کے پڑوسی
ذلیل ہوتے ہیں۔
ہم ان لوگوں میں ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے، جب
عامر اور سعول اس کے نام سے گھبرا رہے ہوں۔
موت کی محبت ہماری موت کو ہم سے قریب کر دیتی ہے،
ان کی زندگیاں موت سے ڈرتی رہتی ہیں اس لیے دراز ہوتی
ہیں"

مجھے امید ہوئی اب خادم میرے پاس آئے گا، میں نے اس آدمی سے کہا، "میرا باپ تجھ پر قربان، ذرا عود تولے لے، اور اس کے تار اس طرح کس دے، اس کا ایک درجہ یوں کر دے، اور یہ تار اس طرح گرا دے جیسے میں نے بتایا تھا، اس نے ویسا ہی کیا، اتنے میں خادم میرے پاس آیا، اس نے کہا، "خدا تجھے معاف کرے، اب تو گا" میں نے پہلے آدمی کی لے میں گانا شروع کیا، لیکن اشعار وہ نہیں تھے، جو اس نے گائے تھے۔ خدام کی جو جماعت حاضر تھی، وہ سب کی سب تختوں پر ٹیک لگا کے بیٹھ گئی، انھوں نے پوچھا، "یہ کس کا گانا ہے؟"

"میرا"

وہ لوگ بڑی تیزی سے میرے پاس سے چلے گئے، وہی خادم میرے پاس آیا، اس نے کہا، "تم جھوٹے ہو، یہ گانا ابن جامع کا ہے" گانے کا دور باری باری سے اس طرح چلتا رہا، جب پھر میری طرف آیا، تو میں نے اس کنیز سے جو اس آدمی کے پاس بیٹھی تھی کہا "تو عود اٹھالے، اس نے اٹھالیا، پھر اس نے عود کو ٹھیک کیا، جیسا میں نے بتایا تھا ویسا ہی اسے

کر دیا۔ میں نے اسی کے راگ پر گانا شروع کیا، میرے پاس خادموں کی پہلی والی جماعت آئی، ان لوگوں نے کہا۔

"کم بخت یہ راگ کس کا ہے؟"

"میرا"

وہ لوگ واپس چلے گئے، خادم نمودار ہوا، میں نے اپنے راگ پر گانا سنایا جسے میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا:۔

"میں اپنی سانڈنی کے لیے کیوں نہ روؤں؟ کیوں نہ رنج کروں؟ جب چرواہے پانی پلا کر گھاٹ پر واپس پلٹیں۔
میں وفورِ شوق میں اس پر سوار ہو جاتا تھا، وہ ایسے شخص کو لے کر رواں ہوتی تھی، جو بہت فکرمند اور غم گین تھا"

خُدا کی قسم یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ایوان کا ایوان ہل رہا ہے، خادم آیا، اس نے کہا:۔

"کم بخت یہ کس کا راگ ہے؟"

میرا"

وہ واپس چلا گیا، پھر آیا، اس نے کہا، "تو جھوٹا ہے، یہ ابنِ جامع کا راگ ہے!"

"میں اسمٰعیل بن جامع ہوں"

یہ سُنتے ہی پردے کے پیچھے سے (جہاں سے خادم نکلا کرتا تھا) ہارون رشید اور جعفر بن یحیٰی برکی برآمد ہوئے، مجھ سے فضل بن الربیع نے کہا، "دیکھ امیرالمومنین تیرے پاس تشریف لا رہے ہیں"، جب وہ تخت پر چڑھے، میں جلدی سے کھڑا ہو گیا، انھوں نے مجھ سے فرمایا:۔

"ابنِ جامع!"

"خُدا مجھے آپ پر، اے امیرالمومنین قربان کرے"

"ارے بھئی تم اس شہر میں کب آئے؟"

"ابھی حال میں، میں آیا، اور امیرالمومنین نے مجھے پہچان لیا"

"ابنِ جامع بیٹھو!"

پھر خلیفہ اور جعفر آگے بڑھے اور دونوں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے مجھ سے کہا، "تجھے خوش خبری ہو، کشادہ دست ہو جا، اپنا دامن پھیلا، میں تجھے بہت سی چیزوں کا مالک بناؤں گا" میں نے دُعا دی، پھر فرمایا، "ابنِ جامع مجھے گانا سُناؤ"

اس فرمایش پر مجھے اس خوب صورت کنیز کا گانا یاد آگیا، جسے میں نے مدینے میں حاصل کیا تھا۔ میں نے اس آدمی سے کہا کہ وہ عود ٹھیک کرے اسی طرح جیسا میں چاہتا ہوں۔ وہ جانتا تھا میں کیا چاہتا ہوں، اس نے عود کے اوزان درست کیے، اسے ٹھیک ٹھاک کیا، یہاں تک کہ سب تار درست ہو گئے، اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، اب میں نے گانا شروع کیا، وہی خوب صورت کنیز والا گانا۔

رشید نے جعفر کو دیکھا، اور کہا، "کیا تم نے ایسا گانا کبھی سُنا ہے؟"

"خُدا کی قسم! میرے کان اس طرح کے گانے سے کبھی آشنا نہیں ہوئے" جعفر نے جواب دیا۔

پھر رشید نے سر اٹھا کر خادم سے قریب آنے کا اشارہ کیا، اس سے ایک تھیلی منگائی، جس میں ایک ہزار دینار تھے، وہ لے آیا، خلیفہ نے تھیلی لے کر میری طرف پھینک دی۔ میں نے اسے اپنی ران کے نیچے دبا لیا، اور

امیرالمومنین کو دُعا دی۔ خادم نے کہا، "ای ابنِ جامع، یہ راگ امیرالمومنین کو پھر سُنا" میں نے دوبارہ وہ راگ سُنایا، اب کی کچھ اضافہ بھی کر دیا۔ خلیفہ سے جعفر نے کہا "میرے آقا آپ نے ملاحظہ فرمایا کس طرح ابنِ جامع نے اس راگ میں پہلے کے مقابلے میں جب ہم نے سُنا تھا، کچھ اور بڑھا دیا؟ اگرچہ راگ وہی ہی" رشید نے پھر اس خادم کی طرف نگاہ ڈالی، اور ایک دوسری تھیلی طلب کی۔ جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ یہ تھیلی بھی میرے پاس پہنچ گئی، میں نے اسے بھی اپنی ران کے نیچے دبا لیا۔ پھر اس آدمی نے کہا، "اسمٰعیل جو تمھیں یاد ہو سُناؤ" میں نے ایک کے بعد دوسرا راگ سُنانا شروع کیا، اس اُمید میں کہ وہ ان راگوں کو سکھوانے کے لیے باندیاں خریدے گا، چنانچہ میں نے اسے سُنایا، میں برابر سُناتا رہا، یہاں تک کہ رات بھیگ گئی۔

اس آدمی نے کہا، "اسمٰعیل آج کی رات تو ہم تمھارا گانا سُنتے سُنتے تھک گئے۔ اب تم امیرالمومنین کو وہی راگ (خوب صورت کنیز والا) پھر سُنا دو" میں نے پھر وہی راگ سُنا دیا، پھر خلیفہ نے خادم کو بلا کر تھیلی لانے کا حکم دیا، وہ تیسری مرتبہ تھیلی لے آیا۔ اس میں بھی ایک ہزار دینار تھے۔

مجھے یاد آگیا، اس خوب صورت کنیز نے یہ راگ سُناتے وقت کیا کہا تھا؟ میرے لبوں پر تبسم آگیا خلیفہ نے یہ دیکھ لیا، پوچھا، "تم مُسکرائے کیوں؟" میں اپنے گھٹنے کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے کہا، "ای امیرالمومنیں سچ ہمیشہ نجات بخشتا ہی" اس نے مجھے جھڑکتے ہوئے کہا، "واقعہ کہو" میں نے اسے کنیز کا سارا ماجرا سُنا دیا، جب میں کہہ چکا، اس نے کہا، "تم نے سچ سچ کہہ دیا، ایسا ہی ہوا ہوگا" یہ کہہ کے وہ کھڑا ہو گیا، میں بھی تخت پر سے اُترا، مجھے نہیں معلوم تھا کدھر جاؤں؟ اتنے میں دو فرّاش آئے، اور مجھے اپنے ساتھ ایک گھر میں

لے گئے، جو امیرالمومنین کے حکم سے آراستہ کیا گیا تھا، جس میں ملوک و سلاطین کے برتنے کی تمام چیزیں موجود تھیں، مثلاً غلام، کنیزیں، نوکر، چاکر، میں اس گھر میں اس طرح داخل ہوا تھا کہ فقیر بے نوا تھا، لیکن جب داخل ہوا تو بڑے اور خوش حال لوگوں میں شامل ہو گیا۔

(۱۶۲) ایک گوشہ گیر مُغنّی!

معبد کا بیان ہے، میں غریض سے ملنے کی تمنا میں مکے گیا، مجھے معلوم ہوا تھا وہ اپنے خاص طرز میں اس راگ کو بہت اچھا گاتا ہے:-

معدا مد اسیلا متولا بمکۃ   نا نشاد انس لا اشیا مل انس وما

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ پہلا راگ تھا، جسے غریض نے بنایا تھا، نیز یہ کہ جنوں نے اسے منع کیا تھا کہ یہ راگ نہ گایا کرے، اس لیے کہ ایک جنوں کا گروہ اس لحن سے مسحور ہو گیا تھا، آخر وہ جن مکہ چھوڑ کر اس کی خوبی کے سبب چلے گئے، جب میں مکے پہنچا تو میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا، مجھے اس کے گھر کا پتا نشان بتا دیا گیا، میں گھر پر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا، کسی نے بھی جواب نہ دیا، میں نے بعض پڑوسیوں سے دریافت کیا، "کیا اس گھر میں کوئی ہے؟" جواب ملا، "ہاں اس گھر میں غریض ہے"

میں نے کہا، "میں نے تو بڑی دیر تک دروازہ کھٹکھٹایا مگر صدائے برنخاست" لوگوں نے کہا، "وہاں غریض ہے" میں پھر الٹے پانو واپس آیا، اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ اب کے بھی کسی نے جواب نہیں دیا، میں نے دل میں کہا، اگر میرے گانے نے مجھے نفع دیا، تو بس آج ہی دے گا،

میں نے جمیل کا ایک شعر اپنی لے میں گانا شروع کیا۔ خدا کی قسم دروازے میں حرکت اب بھی میں نے نہیں دیکھی میں نے کہا، "میرا سحر باطل ہو گیا میرا شعر ضایع ہو گیا، میں نے وہ چیز طلب کی، جو میرے لیے دشوار تھی، میں خود اپنی نظر میں گر گیا، میں نے کہا" اس نے اس لیے پروا نہیں کی کہ میرا گانا ہی کیا ہی؟" اتنے میں میں نے سُنا کوئی آواز دے رہا ہی، "ای معبد گویّے مجھ سے سُن جمیل کا وہ شعر جسے تو گا رہا تھا، ای بد بخت تو نے اس میں غلطی کی" یہ کہہ کے اس نے گایا۔

یہ میں نے اتنا اچھا راگ سُنا کہ اس سے اچھا کبھی نہیں سُنا ہو گا۔ میں خود اپنی نظر میں بے مایہ ہو گیا، میں نے اپنے اوپر اس کی فضیلت مان لی، جسے وہ خود بھی محسوس کرتا تھا۔ میں نے کہا، واقعی یہ شخص لوگوں سے محجوب رہنے کا مستحق ہی، اس کے نفس کی تنزیہ اور قدر کی تعظیم کا تقاضا یہی ہی، اس جیسا شخص ہرگز اس کا مستحق نہیں کہ بازاروں میں گھومے اور عام لوگوں میں کھلے ملے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ مدینے واپس چلا جاؤں، میں تھوڑی دُور گیا ہوں گا کہ آواز آئی، "ای معبد دیکھ میں تجھ سے بات کر رہا ہوں" میں واپس آیا، مجھ سے کہا گیا، "غریض نے تمھیں بلایا ہی" میں خوش خوش دوڑا ہوا گیا۔ جب دروازے کے قریب پہنچا، اس نے کہا، "کیا تم اندر آنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا، "کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہی؟" اس نے دروازہ تھپتھپایا، وہ کھُل گیا، مجھ سے کہا، "اندر آؤ، لیکن زیادہ دیر تک مت بیٹھنا" میں اندر پہنچا، دیکھتا کیا ہوں، گھر میں ایک آفتابِ عالم تاب ضو فشاں ہی، میں نے اسے سلام کیا، غریض نے سلام کا جواب دیا، کہا، "بیٹھو" میں بیٹھ گیا، میں نے اسے شریف تر

اور حسین تر شخص پایا گیا با اعتبارِ جمال، اور کیا بہ لحاظِ اخلاق، اور کیا بہ حیثیتِ خلق
اس نے کہا۔

"اے معبد اتنی دور دراز جگہ کیوں کر آنا ہوا؟"

"میں آپ پر قربان آپ نے مجھے پہچانا کیوں کر؟"

"تیرے راگ سے"

"یہ کیوں کر؟ آپ نے تو میرا راگ کبھی نہیں سُنا"

"جب تم نے گایا تو میں نے پہچان لیا، میں نے کہہ دیا، اگر دُنیا میں معبد ہے تو یہی ہے"

"میں آپ پر قربان، آپ نے میرا جواب "وما انس الخ" سے کیوں دیا؟"

"میں جان گیا تھا، تو چاہتا ہے کہ میں اپنا یہ گانا تجھے سُناؤں :۔

وما انس مل اشیاء لا انس شادنا بمکۃ مکحولا اسیلا مدامعہ

اور یہ آسان نہیں تھا، اس لیے کہ یہ وہ راگ ہے جس کے گانے کی مجھے ممانعت کی گئی ہے، اس لیے میں نے تیرے راگ کے جواب میں جو تو نے گایا تھا، تجھے یہ راگ سُنایا"

"خُدا کی قسم جو میں سمجھ رہا تھا وہی آپ نے کہا، میرے لائق کوئی خدمت؟"

"اے ابو عباد اگر زیادہ گفتگو قابلِ ملامت نہ ہوتی اور زیادہ نشست گراں نہ ہوتی تو میں بہت کچھ کہتا، اب مجھے معاف کرو"

میں غریض کے پاس سے واپس آگیا، وہ میری نظروں میں سب سے بڑا آدمی تھا، میں مدینے واپس گیا، میں نے اس کی باتوں کا چرچا کیا، اس کی قیافہ دانی اور ذکاوت پر میں بہت حیران تھا، میں نے بہت سے لوگ

دیکھے لیکن میری نگاہ میں وہ ان سب میں بڑا تھا !

---

(۱۶۳) مسخرے کا انتقام

مدائنی کی روایت ہے، کہ موسمِ بہار کی ایک رات کو عبداللہ بن جعفر مع اپنے دوستوں کے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ ہر چیز بھیگ گئی۔ انھوں نے کہا، "آؤ دریائے عقیق چلیں" یہ ایک تفریح گاہ تھی، جہاں موسمِ بہار اور برشگال میں اہلِ مدینہ جایا کرتے تھے۔ سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے، وہاں پہنچے، کنارے پر ٹھہر گئے، دریا سے جھاگ اُڑ رہے تھے، جس طرح دریائے فرات سے جھاگ اٹھتے ہیں۔ وہ لوگ دیکھ رہے تھے، اب آسمان سے بارش ہونے ہی والی ہے۔ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، یہاں کوئی پناہ گاہ تو ہے نہیں، جہاں ہم پناہ لے سکیں، بارش اب ہونے ہی والی ہے۔ ہم سب تر بتر ہو جائیں گے، تم میں سے کوئی عویس کا گھر جانتا ہے؟ یہیں کہیں قریب ہی تو ہے؟ وہیں ہم لوگ بیٹھیں، وہ پُر لطف باتیں کرکر کے ہنسائے گا۔

عویس ایک جگہ کھڑا ہوا عبداللہ بن جعفر کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے سُنا، عبداللہ سے عبدالرحمٰن بن حسانؓ بن ثابت نے کہا، "قربانت شوم، آپ بھی کہاں عویس کے ہاں جانے کا ارادہ کرتے ہیں، اس کے اوپر تو خدا کی پھٹکار ہے، وہ تو ہیجڑا ہے، جس سے بھی ملتا ہے بُرا بھلا کہتا ہے۔"

عبداللہ نے کہا، "یہ مت کہو وہ دل چسپ آدمی ہے، ہمیں اس سے انس ہے۔" یہ سُن کر عویس جلدی سے اپنے گھر گیا، اپنی بیوی سے کہا، "اری نیک بخت

ہمارے پاس لوگوں کے سردار حضرت عبداللہ بن جعفر تشریف لا رہے ہیں، تیرے پاس ان کی مہمان داری کے لیے کچھ ہے؟" وہ بولی، ہاں کیوں نہیں؟ یہ بکری کا بچہ ذبح کر لیں گے" اس کے پاس بکری کا ایک مضبوط اور تن درست پٹھا تھا جسے اس نے دودھ پر پالا تھا، عویس نے جلدی سے بڑھ کر بکری کا بچہ ذبح کیا، اور اس کی بیوی آٹا گوندھنے لگی۔

پھر عویس باہر نکلا اس نے دیکھا عبداللہ اسی کی طرف آ رہے ہیں، عویس نے ان سے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میرے غریب خانے پر چلیے، وہیں آپ تشریف رکھیے، جب تک بارش رکے" انھوں نے جواب دیا، "ہم تمھارے ہی پاس آ رہے تھے" عویس نے کہا، "تو تشریف لے چلیے، آیئے میرے آقا" وہ ساتھ پیدل آیا، یہاں تک کہ سب لوگ اُتر پڑے باتیں ہونے لگیں، کھانے کا وقت بھی آ گیا، عویس نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان جب میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرما کر آپ نے میری عزت افزائی کی ہے تو اب شام کا کھانا بھی نوش فرما لیجیے" عبداللہ نے کہا، "ہاں لاؤ، کیا کھلاتے ہو؟" وہ فوراً اسی بکری کا گوشت، چربی، اور روٹی لے آیا، سب نے اور عبداللہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ کھانا بہت پسند کیا گیا، جب وہ لوگ اپنے ہاتھ دھونے لگے عویس نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں آپ کے ساتھ چلوں اور کچھ گانا سناؤں" عبداللہ بن جعفر نے کہا، "ہاں اے عویس ضرور" پھر عویس نے ایک چادر لی، اس کا تہمد باندھا، اور اس کے دو پلے لٹکا دیے، پھر اس نے ایک چھڑی لی، اور سوانگ بھر کے چلنے لگا، اس نے سنایا:-

یا خلیلی نابنی سھدی — لم تنم عینی ولا تکد

" اے میرے دوست، مجھے تو بے داری ہی سے واسطہ پڑا ہے،
نہ میری آنکھ سوئی، نہ اس نے تکلیف اٹھائی "

یہ شعر سب کو پسند آیا، سب نے بے ساختہ کہا، "واللہ عویس، تم نے خوب گایا، واہ وا واہ!"

عویس نے کہا، "میرے آقا آپ جانتے ہیں یہ کس کا شعر ہے؟"

عبداللہ نے کہا، "نہیں میں تو نہیں جانتا، ہاں یہ جانتا ہوں شعر بہت عمدہ ہے"

عویس نے کہا، "یہ شعر فارعہ بنتِ ثابت، حضرت حسان بن ثابت کی بہن کا ہے، جو عبدالرحمٰن بن حارث، بن ہشام، مخزولی سے محبت کرتی تھیں۔ انھی کے عشق میں یہ شعر انھوں نے کہا تھا"

حاضرین نے اپنی گردن جھکالی، عبدالرحمٰن کا تو شرمندگی کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا، زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں سما جاتے!

---

(۱۶۴) جریر اور فرزدق

بنی ہذیل کا ایک بوڑھا روایت کرتا ہے، جو رشتے سے فرزدق کا ماموں تھا۔ مجھے معلوم ہوا حجاج کے دروازے پر فرزدق اور جریر موجود ہیں خیال ہوا اپنی بہن کے لڑکے سے ملاقات کرلوں، ایک اونٹ پر بیٹھ کر میں روانہ ہوا قبل اس کے کہ یہ دونوں وہاں سے رخصت ہوتے میں نے انھیں پالیا، دونوں کے پاس رفقا کی ایک ایک جماعت تھی، میں فرزدق کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

ایک روز امیر کے نقیب نے پکارا، "جریر کہاں ہے؟" جریر نے "فرزدق کی طرف اشارہ کیا، یہ ہے ابو فراس" اس کے گروہ والوں نے اس کے چھچھورے پن پر ناگواری ظاہر کی۔ پھر نقیب نے کہا، "فرزدق کہاں ہے؟" فرزدق کھڑا ہوا اور اندر آگیا، لوگوں نے جریر سے کہا، یہ کیا بات ہے کہ تم اس سے دشمنی رکھتے ہو ہجو کرتے ہو، لاف زنی کرتے ہو، اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہو اور مقابلہ کرتے ہو. اور پھر اسے پہلے دربار میں بھیجتے ہو" جریر نے جواب دیا، "بات دراصل یہ ہے کہ وہ کم سخن ہے، اس کے کلام کا خزانہ جلد خالی ہو جائے گا، پھر اس کے بعد جب میں جاؤں گا تو بازی میرے ہاتھ رہے گی، لوگوں نے کہا، تمھاری نظر بڑی دور رس ہے۔

ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نقیب باہر نکلا اس نے آواز دی، "جریر کہاں ہے؟" جریر اٹھا، اور اندر داخل ہو گیا، وہ کہتا ہے کہ میں اندر پہنچا تو فرزدق اپنی مدح ختم کر چکا تھا، وہ کہہ رہا تھا:-

دین الذی یھم تسامی دارما ام من الی سلفی طھیۃ تجعل

اس کا عمامہ اس کے سر پر بڑی چھلنی کی طرح رکھا ہوا تھا، پیچھے سے میں چیخا،

"جان لو، سمجھ لو! یہ ابنِ یوسف ہے : یہ کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے۔

تمھارے اوپر نفاق کی راہیں کس نے مسدود کیں؟ کون ہے جو حجاج کی طرح بے جگری سے حملہ کر سکتا ہو؟

اگر بزدل آدمی کی زین ہٹ جائے تو کیا وہ موت کے چنگل سے بچ جائے گا؟"

حجاج نے کہا، کتنی اچھی تشبیہ ہے، وہ بہت مسرور ہوا، پھر جریر نے کہا،

"تیرے محبت کرنے والے دل میں محبت جاگزیں ہو گئی ہے،
تو مقام تو ضح میں سویرے اپنے محل کو لے کر پہنچ جا"

اس نے پھر اسے دہرایا، حجاج نے کہا، "اسے یہ یہ انعام دو" مگر میں نے اسے کم سمجھا۔

ہذلی کا بیان ہے کہ جریر اُجڈ عرب تھا، اس نے حجاج سے کہا، "امیر نے میرے لیے ایسے عطیے کا حکم دیا ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا، بہتر ہو کہ کاتب کو بلایا جائے، اور لکھوا دیا جائے، حجاج نے کاتب کو بلایا، اور اس بات کا خیال رکھا کہ رقم دوگنی کر دی جائے، فرزدق کو بھی اس نے اتنا ہی عطیہ دیا۔

ہذلی کہتا ہے، میں فرزدق کے پاس آیا، اس نے مجھے ساٹھ دینار اور ایک غلام دیا۔ پھر میں اس کے رواۃ کے پاس گیا، میں نے دیکھا اس کے اشعار میں جو نقص تھے انھیں وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ میں نے جو شعر پسند آیا یاد کر لیا، میں نے اس سے کہا، "اے ابو فراس، سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اس نے کہا، "میرے بعد سب سے بڑا شاعر ابنِ مراغہ[1] ہے" میں نے کہا "اچھا غزل گو شاعر سب سے بہتر کون ہے؟" اس نے کہا، "وہ جس نے کہا ہے:-

"میرے اوپر غم کا بار بار آنا جانا ایسا ہے، گویا میں صبح تک
تارے گننے میں لگا ہوا ہوں"

میں نے کہا، "یہ تو احوص کا شعر ہے" اس نے کہا، "ہاں یہ اسی کا شعر ہے"۔

ہذلی کہتا ہے، پھر میں جریر کے پاس آیا، فرزدق نے مجھے جو کچھ دیا تھا

---

[1] ابنِ مراغہ یعنی جریر۔

یا اسے کم سمجھ رہا تھا، اس کی تلافی جریر کے عطیے سے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا،
تمھیں تمھارے بھانجے نے کیا دیا؟" میں نے بتا دیا، اس نے کہا، "اتنا ہی
میں بھی دیتا ہوں" اس نے بھی مجھے ساٹھ دینار اور ایک غلام دیا،
میں جریر کے رواۃ کے پاس آیا، وہ لوگ اس کے اشعار کے نقائص درست
رہے تھے، میں نے جو شعر پسند آیا، یاد کر لیا، پھر میں نے کہا، "اے ابو حرزہ
زل کا سب سے بہتر شاعر کون ہے؟" اس نے کہا، وہ جس نے کہا ہے:۔

" اے کاش میں ان کے ساتھ رہتا، جن سے اب جدائی کی تکلیف
اٹھا رہا ہوں، وہ قبیلہ خثعم کے لوگ ہیں، جب میں ان سے دور
ہو گیا انھوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا میں اس سے محروم
ہو گیا۔

وہ ایسے لوگ ہیں جو سدیر اور حیرہ میں آتے جاتے ہیں،
انھی سے امید کی جا سکتی ہے، اور وہی فریاد سن سکتے ہیں۔

گو میں ان کی آبادی سے دور ہوں، خواہ وہ ملنے سے اجتناب
کرتے ہوں، یا قطع تعلق کر چکے ہوں۔

لیکن جتنا زمانہ ان کا میرے ساتھ گزرا انھوں نے میرے
ساتھ بھلائی کی، یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ صرف ایک امید اور
طمع ہے"

میں نے کہا، "وہ کون ہے جس نے یہ شعر کہے ہیں؟" اس نے کہا، "احوص!"
نی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ احوص نسب کا بہترین شاعر ہے۔

(۱۶۵) اِنصاف

ابوالضحاک کا بیان ہو کہ ابوزینب الازدی اور ابومزرع[1] ولید بن عتبہ سے بدلہ لینے کی تاک میں تھے، ایک روز وہ دونوں مسجد میں آئے، ولید جماعت میں نہیں تھا، انھوں نے سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس نے شراب پی ہو۔ وہ لوگ اس کے گھر میں داخل ہوئے، دیکھا وہ قے کر رہا ہو، ان دونوں نے مدہوشی کے عالم میں اسے اٹھایا، اور بستر پر لٹا دیا، اور اس کی انگلی سے مُہر کی انگوٹھی اُتار لی۔

جب اس کی حالت سنبھلی تو دیکھتا کیا ہو انگوٹھی غائب۔ پھر اس نے اس کی بابت پوچھ گچھ کی۔ لوگوں نے جواب دیا، "ہمیں نہیں معلوم، ہم نے دیکھا دو آدمی آئے، گھر میں داخل ہوئے، انھوں نے آپ کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیا۔ اس نے کہا، "ان کا ذرا ناک نقشہ تو بیان کرو" انھوں نے جواب دیا، "ان میں سے ایک تو لمبا تڑ نگا خوب صورت سا آدمی تھا، اور دوسرا چوڑا چکلا ایک قمیص پہنے ہوئے تھا" اس نے کہا، "ہاں یہ ابوزینب تھا، اور وہ ابو مزرع" ابوزینب اور اس کا ساتھی عبداللہ بن حبیش الاسدی سے ملے اور علقمہ بن یزید البکری وغیرہ سے بھی ملے، انھیں واقعہ کی خبر دی، انھوں نے کہا، "امیرالمومنین کے پاس جاؤ، اور انھیں واقعہ کی اطلاع دو" ان میں سے ایک نے کہا، "وہ ہماری بات اپنے بھائی کے بارے میں شاید ہی

---

[1] تاریخ طبری میں ابومورع لکھا ہو، ——— ابوزینب یعنی زہیر بن حارث بن عوف۔

مانیں" بہرحال وہ لوگ امیرالمومنین کے پاس گئے، انھوں نے کہا، "ہم آپ کے پاس ایک بات کے سلسلے میں آئے ہیں۔ ہم اس بوجھ کو اپنی گردن سے آپ کے سامنے اُتار دینا چاہتے ہیں، ہمیں اندیشہ ہے آپ شاید اسے باور نہ کریں" انھوں نے کہا، "کہو تو!" انھوں نے جواب دیا، "ہم نے دیکھا ولید شراب کے نشے میں مدہوش ہو رہا تھا، یہ اس کی انگوٹھی ہے، جو ہم نے اُتار لی تھی، اس حالت میں کہ وہ عقل کھو چکا تھا، امیرالمومنین حضرت عثمان نے اس معاملہ میں حضرت علی سے رائے لی، انھوں نے فرمایا، "ولید کو حاضر کرو، اگر یہ اس کے خلاف علی الاعلان گواہی دے دیں تو اس پر حد جاری کر دو"۔

حضرت عثمانؓ نے ولید کو طلب کیا، وہ حاضر ہوئے، ابوزینب، ابومزع ابوجندب الاسدی اور سعد بن مالک الاشعری نے ان کے خلاف شراب پینے کی گواہی بے قسم کھائے ہوئے دی۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا، "اٹھیے اور ولید کے کوڑے لگائیے" حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ سے کہا، "اٹھو اور کوڑے لگاؤ" حضرت حسنؓ نے فرمایا، "آپ مجھی سے کیوں فرماتے ہیں، کسی اور سے ارشاد فرما دیجیے" اب حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہؓ بن جعفر سے کہا، "تم اٹھو اور ولید کے کوڑے لگاؤ" انھوں نے کوڑے لگانا شروع کیے۔ جب انھوں نے چالیس کوڑے لگا لیے تو حضرت علیؓ نے کہا، "بس یہ کافی ہے!"

---

(۱۶۶) گویّا اور اس کی باندی!

محمد بن موسی الیزیدی بیان کرتے ہیں کہ اسحٰق موصلی کی کنیز دمن سے، جو

اس کی کنیزوں میں بہت بڑا درجہ رکھتی تھی، اور سب سے زیادہ اس سے بہرہ مند ہوتی تھی، میں ملا۔ میں نے اس سے کہا، " اپنے آقا سے غنا میں تو نے کیا حاصل کیا؟" اس نے کہا، " خدا کی قسم اس سے نہ میں نے کچھ حاصل کیا، نہ کسی اور کنیز نے۔ وہ سکھانے کے بارے میں بڑا بخیل تھا، زندگی بھر میں اس سے میں نے بس ایک ہی راگ حاصل کیا، وہ بھی اس طرح کہ وہ خلیفہ کے دربار سے نشے میں مست واپس آیا، وہ اس کمرے میں گیا جہاں سوتا تھا، اس نے دیکھا عود لٹکا ہوا ہی، جو اس کے سونے کے کمرے میں ہمیشہ رکھا رہتا تھا۔ اس نے عود ہاتھ میں لے لیا، اور خادم سے کہا، " ای غلام، جا، ومن کو بلا لا" غلام میرے پاس آیا، میں اس کے ساتھ گئی، جب میں دروازے پر پہنچی تو وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا، عود اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اس راگ کو ڈھال رہا تھا اور اسی کو دہرا رہا تھا، وہ اسے ٹھیک کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے اسے بالکل ٹھیک کر لیا، وہ یہ تھا:۔

" میری رات نے جانے سے انکار کر دیا، میری آنکھیں ستاروں سے ٹکا دی گئیں۔

اس رات کی صبح نہیں آتی، نہ اب اس کے آنے کا کوئی امکان ہی "

جب میں نے یہ سنا تو مجھے خیال ہوا، اگر میں اس کے سامنے گئی تو یہ گانا بند کر دے گا، میں ٹھٹھک کر سننے لگی، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گیا۔ میں نے یہ راگ یاد کر لیا، جب وہ فارغ ہو گیا، تو عود رکھ دیا، اسے یاد آیا، اس نے مجھے بلایا تھا اس نے کہا، " ای غلام ومن کہاں ہی؟ " میں نے کہا، " میں یہ رہی!" وہ گھبرا گیا، اس نے کہا، " تو کب سے یہاں کھڑی ہی؟ " میں نے کہا، " جب سے

آپ نے اپنا راگ چھیڑا، اسے — آپ کا شکریہ نہ ہو — میں نے حاصل بھی کرلیا" اس نے مجھ پر قہر اور افسوس کی نگاہ ڈالی، پھر کہا، "سُنا تو وہ راگ!" میں نے پورے کا پورا سُنا دیا، قریب تھا وہ غصّے سے دیوانہ ہو جائے، وہ کچھ نادم اور شرمندہ سا معلوم ہو رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا، "ابھی اس میں ذرا سی کسر ہے، میں اسے تجھے ٹھیک ٹھیک سکھا دوں گا" میں نے کہا، "مجھے آپ کی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے، اسے اپنے لیے ٹھیک کیجیے، خُدا کی قسم اسے تو میں نے آپ کی خلافِ مرضی حاصل کرلیا"

پھر وہ کروٹ کے بل لیٹ گیا، اور سو گیا، میں چلی آئی، کئی دن تک اس کا یہ حال رہا، جب مجھے دیکھتا ناک بھوں چڑھا لیتا۔

---

(۱۶۷) تیز رو ڈاکو!

حاجز[۱] ایک بے مایہ آدمی تھا، قبائلِ عرب پر ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا، تیز اتنا دوڑتا تھا کہ گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ دیتا تھا، عباس بن ہشام کہتے ہیں کہ عوف بن حارث ازدی نے اپنے بیٹے حاجز سے کہا، "بیٹے مجھے اپنے سب سے بڑے دشمن کا قصّہ سُناؤ!" اس نے کہا، "بہت بہتر سُنیے، مجھے ایک دفعہ خثعم نے دہشت زدہ کردیا، میں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا، گھوڑا بھی مجھ سے پیچھے رہ گیا، میرے سامنے دو ہرنیاں آگئیں، میں راستے کی تنگی کے سبب انھیں ہاتھ سے ہٹانے لگا، وہ میرے بھاگنے میں آڑے آرہی تھیں، جب ذرا کُشادہ راستہ

---

[۱] حاجز بن عوف، بن حارث، بن الاخثم ... ... بن سلامان، جاہلی شاعر تھا، بہت زیادہ مشہور نہیں ہے۔

سامنے آیا میں ان دونوں سے آگے نکل گیا۔

اس کے باپ نے پوچھا، "تیز دوڑنے میں تھیں کوئی ساتھی بھی ملا؟ اس نے کہا، "سوا گرد اور دھول کے کوئی نہیں ہم ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے، میں اس پر سبقت نہ لے جا سکا۔

عوف بن حارث بن اخثم نے بنی عامر بن ہلال بن صعصعہ پر، ایک اندھیرے دن میں ڈاکہ ڈالا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "اترو، میں تمھاری رہ نمائی کروں گا" وہ چلا اور بنی ہلال کی ایک جماعت کے پاس پہنچا اس نے اپنے گھوڑے کے پانوں کس کر باندھ دیے، تاکہ وہ ہنہنائے اور ان لوگوں کو اس کی طمع پیدا ہو، جب وہ قبیلے کے پاس پہنچا، قبیلے والوں کو شبہہ ہوا، وہ اس کے تعاقب میں سوار ہوئے، وہ انھیں شکست دیتا ہوا ان کے سامنے سے بھاگتا چلا گیا۔ وہ اس کے تعاقب میں لگے رہے۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے یہ لوگ اس کے ساتھیوں، بنی سلامان تک پہنچ گئے، وہاں انھیں بہت سخت نقصان اٹھانا پڑا، سلامان نے خوب مالِ غنیمت حاصل کیا۔

ابوعمرو کہتا ہے، حاجز اپنے ایک غزوہ میں تھا کہ اسے قبیلۂ خثعم نے گھیر لیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھتیجا بشیر بھی تھا، اس نے کہا، "بشیر کیا کہتے ہو؟" ابن عم نے کہا، "انھیں جانے دیجیے، یہ پانی پی لیں گے تو سیراب ہو کر چلے جائیں گے ہم بھی ان کے ساتھ چل دیں گے، وہ ہمیں بھی اپنے ہی میں سمجھیں گے، ان دونوں نے یہی کیا۔ حاجز کی پنڈلی میں ایک نشان تھا، خثعم کی ایک عورت کی اس پر نگاہ پڑ گئی، وہ چلائی، "وی آلِ خثعم! حاجز یہی ہے" وہ اس کے پیچھے دوڑ پڑے، ان میں سے ایک بڑھیا جو جادوگرنی بھی تھی، بولی، "اس کے ہتھیاروں

اور اس کی تیز روی کا میں بندوبست کرتی ہوں" انھوں نے جواب دیا، "ہم اس کی تیز روی کی پروا نہیں کرتے، ہمارے پاس عوف ہی جو اس کے برابر دوڑ لیتا ہی، تو تو اس کے ہتھیاروں کا بندوبست کر" بڑھیا نے قبیلے والوں کے لیے حاجز کے ہتھیاروں کو سحر بند کر دیا۔ عوف بن اعزا لخثعمی اس کے پیچھے دوڑا، اور قریب پہنچ گیا، قبیلے کے لوگ چلائے، "ای عوف، حاجز کے تیر مار۔ وہ آگے نہ بڑھا اور بزدلی دکھائی، قبیلے والے برہم ہو گئے وہ چلائے، "ای حاجز ہم نے تجھے معاف کیا، تجھے قسم ہی عوف کو قتل کر دے، اس نے ہمیں رسوا کر دیا" حاجز نے کمان کھینچی کہ عوف کے تیر مارے، لیکن کمان کی تانت ٹوٹ گئی، اس لیے کہ اس جادوگرنی نے اس کے ہتھیاروں پر جادو کر دیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بھتیجے بشیر کی کمان اٹھالی، اسے تانا، وہ بھی ٹوٹ گئی، پھر دونوں بھاگے اور ان سے بہت آگے نکل گئے، راستے میں حاجز کو ایک اونٹ ملا وہ اس پر بیٹھ گیا، وہ اس راستے پر نہیں گیا، جس پر جانا چاہتا تھا بلکہ قبیلۂ خثعم ہی کی طرف چلا، حاجز اس پر سے اتر پڑا، بھاگا، اور بچ گیا۔

ابو عمرو کہتا ہی، ایک دفعہ حاجز سفر کو نکلا، پھر واپس نہیں آیا، نہ اس کی کوئی اطلاع ملی، لوگوں نے خیال کیا، یا تو وہ پیاسا مر گیا، یا راستہ بھول گیا۔

---

(۱۶۸) وفادار کنیز!

قلم الصالحیہ، صالح بن عبدالوہاب کی کنیز تھی، بڑی خوب صورت اور ہنرمند، ایک مرتبہ اس کا ایک راگ جو محمد بن کناسہ کے شعرِ ذیل پر بنایا گیا تھا خلیفہ واثق باللہ کے سامنے گایا گیا۔

"میرے اندر ایک قسم کی جھجک اور حیا پیدا ہو جاتی ہے، جب
اہلِ وفا اور اہلِ کرم سے دوچار ہوتا ہوں۔
اس وقت اپنے نفس کو آزاد چھوڑ دیتا ہوں، اور بے لاگ
کہنے لگتا ہوں"

واثق نے پوچھا، "یہ کس کا راگ ہے؟"

"قلم الصالحیہ کا جو صالح بن عبدالوہاب کی کنیز ہے"

خلیفہ نے محمد بن عبدالملک الزیات کو بلایا، وہ فوراً حاضر ہوا، واثق نے اس سے پوچھا، "یہ صالح بن عبدالوہاب کون ہے؟" اس نے بتایا پھر خلیفہ نے کہا، "وہ کہاں رہتا ہے؟ اسے حاضر کرو، اس کے ساتھ کنیز کو بھی طلب کرو۔" دونوں واثق کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جب قلم سامنے آئی خلیفہ نے اسے بیٹھنے اور گانے کا حکم دیا، وہ گائی، خلیفہ نے اس کا گانا پسند کیا، اور اس کی خریداری کی خواہش ظاہر کی۔ صالح نے کہا، "میں اسے اس شرط پر فروخت کروں گا کہ مجھے ایک لاکھ دینار دیے جائیں، اور مصر کی گورنری عطا کی جائے۔" واثق کو اس بات پر غصہ آگیا، اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد واثق کے دربار میں زُرزُر الکبیر نے گایا۔ اس نے احمد بن عبدالوہاب برادرِ صالح کے شعرِ ذیل پر یہ راگ سُنایا، یہ راگ قلم کا ایجاد کیا ہوا تھا۔

"احباب کے مکان نے ظاہر ہونے سے انکار کر دیا۔ قسم ہے تیری
کوشش کی کہ تو نے کوئی مددگار نہیں پایا"

واثق نے کہا، "یہ راگ کس کا ہے؟" کہا گیا، "قلم کا جو صالح کی لونڈی ہے"
خلیفہ نے ابن الزیات کو بلوایا، اور حکم دیا کہ وہ صالح اور اس کی باندی قلم کو حاضر

کرے، جب وہ دونوں حاضر ہوئے اور قلم خلیفہ کے سامنے آئی، تو خلیفہ نے یہی راگ گانے کا حکم دیا، اس نے گایا، واثق نے اس سے کہا، "یہ راگ تمھارا ہے؟"

"جی ہاں امیرالمومنین"

"خدا تمھیں مبارک کرے"

پھر صالح کو اذنِ باریابی ملا، اس نے کہا، "چوں کہ امیرالمومنین قلم کو پسند فرماتے ہیں، مجھے یہ زیبا نہیں ہے کہ امیرالمومنین جس چیز کو پسند فرمائیں، اس کا میں مالک بنا رہوں۔ میں اسے امیرالمومنین کی نذر کرتا ہوں، اس کا کچھ حق میرے اوپر ہے، جب میں اسے پورا کرلوں تو اس کنیز کو ان کی ملک بنا دوں گا۔ خدا انھیں یہ کنیز مبارک کرے" واثق نے صالح سے کہا، "میں نے تمھاری یہ بات قبول کرلی" پھر اس نے ابنِ زیات کو حکم دیا کہ صالح کو پانچ ہزار دینار دے دیے جائیں، رقم کی تعیین اس نے احتیاطاً کی تھی، لیکن ابنِ زیات نے یہ رقم صالح کو نہیں دی۔ ٹال مٹول کرتا رہا صالح نے قلم کے پاس ایک آدمی بھیجا، تاکہ وہ اسے اس واقعہ سے باخبر کردے، قلم نے واثق کو گانا سنایا اس نے بہت پسند کیا، اور کہا، "خدا تجھے برکت دے، اور اسے برکت دے جس نے تجھے پالا پوسا"

"میرے مالک! جس نے پالا پوسا اس بے چارے کو مجھ سے کیا نفع؟ سوا رنج اور افسوس کے ساتھ خالی ہاتھ مجھے چھوڑ دینے سے؟"

کیا میں نے اس کے لیے پانچ ہزار دینار کا حکم نہیں صادر کیا؟"

بے شک آپ نے حکم صادر فرمایا، لیکن ابنِ زیات نے انھیں ایک کوڑی بھی نہیں دی"

واثق نے اپنے ایک معتمد خادم کو بلایا۔ اسے ایک رقعہ لکھ کر دیا کہ

فوراً صالح کو اُن پانچ ہزار دیناروں کے ساتھ پانچ ہزار دینار اور دے دیے جائیں۔

صالح کا بیان ہے میں خادم کے ساتھ رقعہ لے کر ابنِ زیات کے پاس گیا، اس نے مجھے اپنے قریب بُلایا، اور کہا، "پہلے پانچ ہزار تو یہ لو، باقی رہے دوسرے پانچ ہزار وہ ایک ہفتے کے بعد تمھیں بھیج دوں گا" میں چلا آیا۔ پھر وہ مجھے اس طرح بھول گیا، گویا مجھے پہچانتا ہی نہیں، آخر میں نے اسے تقاضے کا خط لکھا۔ اس نے جواب دیا، "رسید بھیج دو، اور رقم ایک ہفتے کے بعد لے جاؤ" مجھے یہ بُرا معلوم ہوا کہ رسید تو دے دوں، اور وصول کچھ نہ کروں، میں چھپ گیا جب اسے معلوم ہوا میں چھپ گیا ہوں۔ وہ ڈرا کہیں میں واثق سے شکایت نہ کر دوں۔ اس نے رُپیہ بھیج دیا، اور رسید منگالی، کچھ عرصے کے بعد مجھے خادم ملا، اس نے کہا "خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور دریافت کروں، آیا رقم آپ کو ملی یا نہیں؟" میں نے کہا، "ہاں! میں نے لے لی"!

صالح کہتا ہے، میں نے اس رقم سے ایک جائداد خرید لی، اسی کا کام دیکھنے لگا، وہی جائداد میرا ذریعۂ رزق بن گئی، میں نے پھر امیرالمومنین کے پاس آنا جانا گویا ترک کر دیا۔ سب سے غافل ہو کر، بس، میں اسی میں لگ گیا۔

---

(۱۶۹) حضرت عمرؓ کی خوش طبعی!

ولید بن مغیرہ ساداتِ قریش میں سے تھے سخی اور دریا دل بھی بے انتہا تھے، ان کا لقب وحید تھا، ان کی ماں صخرہ بن حارث بن عبداللہ بن

عبد شمس قبیلۂ بجیلہ اور قیس کی ایک خاتون تھیں۔ جب ولید بن مغیرہ کا انتقال ہوگیا تو ان کے یومِ وفات کو اہلِ قریش نے تاریخی دن ان کی بزرگی اور اعزاز کے سبب بنا لیا، جس طرح انھوں نے واقعۂ فیل کو تاریخی سال بنا لیا تھا۔ یہ تو ابنِ ذاب کا بیان ہے، لیکن زبیر بن بکار کا قول ہے جو وہ عمرو بن ابی بکر موصلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن مغیرہ کی وفات، تاریخی بنائی گئی تھی۔ یہ واقعہ بنار کعبہ سے سات برس پہلے کا تھا، پھر اسی سے تاریخ چلنے لگی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں خالد بن ولیدؓ نے جنگِ ردہ میں بڑے کارنامے کیے جو بہت مشہور واقعہ ہے جس کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ حیرہ کو حضرت خالدؓ ہی نے فتح کیا تھا، ان کے پاس حیرہ والوں نے عبدالمسیح عمرو بن نفیلہ کو بھیجا۔ خالدؓ نے ان سے گفتگو کی اور کہا:۔

"آپ کا کہاں سے آنا ہوا؟"

"اپنی پسِ پشت سے"

"کہاں کا ارادہ ہے؟"

"اپنے سامنے"

"تم کس کے بیٹے ہو؟"

"ایک آدمی اور ایک عورت کا"

"تمھاری عمر کیا ہے؟"

"اب لبِ گور ہوں"

"کیا تم سمجھ دار ہو؟"

"ہاں! اور جنچی تلی رائے بھی رکھتا ہوں"

"یہ قلعے کیسے ہیں؟"

"ہم نے انھیں اس لیے بنایا ہے کہ اپنے ضعفا کی خوف زدگی سے حفاظت کریں"

"تمھاری قوم نے کیا کام تمھیں سپرد کیا ہے؟ یہ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"زہرِ ہلاہل!"

"اس سے تم کیا کام لوگے؟"

"میرا ارادہ یہ ہے کہ دیکھوں آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر میں نے وہ جواب پایا جو میری قوم کے لیے باعثِ فلاح ہوا تو میں اس کے پاس واپس جاؤں گا، ورنہ یہ زہر پی لوں گا۔ اپنے تئیں قتل کر ڈالوں گا، اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ وہ چیز لے کر جسے وہ ناپسند کرتی ہے"

"یہ زہر مجھے دکھاؤ"

اس نے انھیں دے دیا، خالدؓ نے کہا، "بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم (خدا کے نام کے ساتھ جس کی برکت سے زمین آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے) یہ کہہ کر وہ زہر انھوں نے کھا لیا، ان پر غشی سی طاری ہوئی، مگر فوراً وہ چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے ہوش میں آگئے، ابنِ نفیلہ اپنی قوم میں واپس گیا۔ اسے اس واقعہ کی اطلاع دی اور کہا، "یہ مسلمانوں کی قوم انسان نہیں جنات ہے، تم میں اس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ صلح کر لو۔ اس بنیاد پر جو تم چاہتے ہو" حیرہ والوں نے ایسا ہی کیا

محمد بن ضحاک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب حضرت خالد بن ولید سے بہت مشابہ تھے۔ ایک مرتبہ صبح صبح حضرت عمرؓ

باہر نکلے، ان سے ایک بوڑھا ملا۔ اس نے کہا، "ای ابو سلیمان مرحبا!" حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ عقلمہ بن علاثہ تھے۔ انھیں سلام کا جواب دیا، علقمہ نے کہا، "کیا تمھیں عمرؓ نے معزول کر دیا ہے؟" حضرت عمر نے کہا، "ہاں!" علقمہ نے کہا، "یہ شخص کبھی شکم سیر نہ ہو، خدا اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرے" حضرت عمر نے پوچھا، "تم اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "میں سوا سمع وطاعت کے کیا کہہ سکتا ہوں؟" جب صبح ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت خالد کو بلایا، علقمہ بن علاثہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ حضرت خالد کی طرف متوجہ ہوئے، اور کہا، "تم سے علقمہ نے کیا کہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں"

"مجھے یقین دلاؤ"

حضرت خالد نے قسم کھائی کہ نہ وہ علقمہ سے ملے، نہ علقمہ نے ان سے کچھ کہا، علقمہ نے حضرت خالدؓ سے کہا، "ابو سلیمان اب زیادہ باتیں نہ بناؤ" حضرت عمرؓ مسکرائے، حضرت خالد سمجھ گئے کہ علقمہ کو غلط فہمی ہوئی، پھر ان کی طرف دیکھا، اب علقمہ بھی سمجھ گئے، انھوں نے کہا، "اوہو، وہ امیر المومنین آپ ہی تھے؟ مجھے معاف فرمائیے، خدا آپ سے درگزر کرے" حضرت عمرؓ ہنسے پھر انھوں نے صبح کا سارا قصہ کہا۔

---

(۱۷۰) خون کا جوش!

ابو سہیل بیان کرتے ہیں، معاویہ نے یزید کے لیے بیعت کا خیال ظاہر کیا تو اہل شام سے کہا، "امیر المومنین بوڑھے ہو گئے، ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں،

ان کا وقتِ وفات قریب آگیا، ان کا ارادہ ہے کہ اپنا جانشین مقرر کر دیں، تمھاری رائے میں کون مناسب ہے؟" انھوں نے جواب دیا، "عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید" معاویہ خاموش ہو گئے، بات اپنے دل میں رکھ لی، ابن اثال کو جو طبیب تھا اشارہ کیا، اس نے عبدالرحمٰن کو زہر پلا دیا، وہ وفات پا گئے، یہ بات اُن کے بھتیجے خالد بن مہاجر بن خالد بن ولید کو معلوم ہوئی، وہ اس وقت مکّے میں تھے۔ وہ اپنے چچا کے متعلّق بہت بری رائے رکھتے تھے، اس لیے کہ ان کے والد جنگِ صفین[1] میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے، اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید معاویہ کے ساتھ۔ خالد بن مہاجر اپنے والد کے مسلک کے مطابق "ہاشمی المذہب" تھے، وہ بنو ہاشم کے ایک محلّے میں گئے۔ ابن زبیر ان سے خفا تھے، انھوں نے شراب کی مشک ان پر ڈال دی، اس کا کچھ حصّہ ان پر گر پڑا۔ انھوں نے الزام لگایا کہ خالد نشے میں تھے، اس پر انھیں سزا ملی، جب ان کے چچا عبدالرحمٰن قتل کیے گئے، عروہ بن زبیر ان کے پاس سے گزرے، انھوں نے کہا، اے خالد کیا تم اجازت دو گے کہ ابنِ اثال تمھارے چچا کی ہڈیوں کو شام میں خاک کر دے، اور تم مکّے میں اپنا تہمد پھٹکارتے ہوئے گھومو، اور اسی بے فکری میں مگن رہو؟" یہ سن کر خالد کی رگِ حمیّت جوش میں آئی، انھوں نے اپنے غلام نافع کو بلایا، اسے واقعہ بتایا، اور کہا، "ابنِ اثال کا قتل بہت ضروری ہے" نافع ہٹا کٹا آدمی تھا، دونوں مکّے سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے، ابنِ اثال معاوؓ کے پاس رہتا تھا، خالد دمشق کی مسجد میں ابنِ اثال کی تاک میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ان کا غلام نافع ایک دوسرے ستون سے لگ کر بیٹھ گیا، یہاں تک

---

[1] صفین، رقہ کے قریب، دریائے فرات کے کنارے مغربی جانب واقع ہے، علی علیہ السلام اور معاوؓ کے مابین یہیں ۳۷ھ میں جنگ ہوئی تھی۔

کہ ابنِ اثال نکلا، خالد نے نافع سے کہا، "خبردار تم اس سے تعرض نہ کرنا، میں اسے ماروں گا، لیکن تم پشت کی طرف سے میری حفاظت کرو، اگر پیچھے سے مجھ پر وار ہو تو تم جانو!"

جب ابنِ اثال خالد کے سامنے آیا، خالد نے اچک کر اس پر حملہ کیا، اور اسے قتل کر دیا۔ خالد پر اس کے ساتھیوں نے حملہ کر دیا، نافع نے انھیں للکارا، وہ نکل پڑے لیکن خالد اور نافع دونوں بھاگ نکلے، ابنِ اثال کے ساتھیوں نے ان کا تعاقب کیا، جب ان دونوں کو انھوں نے آگھیرا، تو ان دونوں نے ان پر حملہ کیا، آخر وہ چھٹک گئے، خالد اور نافع ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئے اور انھیں بھلاوے میں ڈال دیا۔

یہ خبر معاویہ کو پہنچی، انھوں نے کہا، "یہ کام خالد بن مہاجر کا ہے جس گلی میں وہ داخل ہوا ہے اسے تہ و بالا کر دو، آخر بڑی تگ و دو کے بعد خالد گرفتار کر لیے گئے۔ معاویہ کے سامنے لائے گئے۔ انھوں نے کہا، "خدا تجھ سے سمجھے، تو زائر ہے؟ تو نے میرے طبیب کو قتل کر دیا؟" خالد نے کہا، "ہاں میں نے مامور کو قتل کر دیا لیکن آمر بچ گیا" معاویہ نے کہا، "تجھ پر خدا کی پھٹکار خدا کی قسم اگر اس نے ایک بار بھی کلمہ پڑھا ہوتا، تو میں اس کے قصاص میں تجھے قتل کر دیتا تیرے ساتھ نافع بھی تھا"؟

"نہیں"

"وہ ضرور تھا، وہ نہ ہوتا تو بہ خدا تو یہ جرأت نہ کرتا"

معاویہ نے نافع کو بلوایا، وہ ڈھونڈھ کر لایا گیا، اسے معاویہ نے سو کوڑے لگوائے، اور خالد کو صرف یہ سزا دی کہ اسے قید کر دیا، اور قبیلۂ بنی مخذوم پر بارہ ہزار درہم ابنِ اثال کی دیت (خون بہا) عائد کر دی، جس میں سے چھ ہزار

بیت المال میں داخل کر دیے، اور چھ ہزار خود لے لیے، معاہد[1] کے بارے میں معاویہ نے یہی اصول جاری کر رکھا تھا کہ دیت کی رقم نصف اپنے لیے، اور نصف بیت المال کے لیے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ انھوں نے یہ رسم مٹادی کہ خون بہا کی رقم میں سے فرماں روائے وقت بھی کچھ لے، اور یہ اصول بنادیا کہ ساری رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے"

جب معاویہ نے خالد بن مہاجر کو جیل بھیج دیا، تو اس نے کہا تھا:۔

" میرے قدم آہستہ آہستہ اُٹھتے ہیں، جیل میں رہنے والے
قیدی کی طرح۔

میں کس چیز کے ساتھ ان وادیوں میں چلوں، میرے نشانِ
قدم کے پیچھے میرا تہمد بھی چلتا ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ، کیا تو اس آگ کو دیکھتا ہے جو
قبر والے پر بھڑک رہی ہے؟

یہ آگ سردی سے بچنے کے لیے نہیں جلائی گئی ہے، نہ
اس سے کوئی تاپتا ہے، نہ اس سے بھاپ اُٹھتی ہے۔

کیا ہے تمھاری رات کا حال، جس طرح دن ختم ہوتا ہے، وہ کیوں
ختم نہیں ہوتی؟

کیا دن چھوٹے ہو جائیں گے، یا قیدی، قید و بند سے خوف
زدہ رکھا جائے گا۔"

---

[1] معاہد فقہ کی اصطلاح میں ذمّی کو کہتے ہیں، جس سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا عہد کیا جاتا ہے، ابنِ اثال نصرانی تھا۔

یہ اشعار معاویہ تک پہنچے۔ انھوں نے اسے رہا کر دیا۔ خالد رہا ہو کر چلے آئے۔ وہاں عروہ بن زبیر سے ملاقات ہوئی، خالد نے کہا، "ابن اثال کو تو میں نے قتل کر دیا لیکن ابھی ابن جرموز[51] باقی ہے جو بصرے میں ابن زبیر کی ہڈیوں کو خاک میں ملا رہا ہے، اگر تجھ میں بدلہ لینے کی طاقت ہے، تو اسے قتل کر، عروہ نے اس کی شکایت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے کی، انھوں نے خالد کو قسم دی کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کرے، وہ باز آ گیا۔

---

(۱۷۱) دریا دل امیر

علی بن یوسف بیان کرتے ہیں کہ میں ابو دلف قاسم بن عیسیٰ العجلی کے پاس موجود تھا اتنے میں ان کا حاجب آیا، اس نے جعیفران[52] بن الموسوس کے لیے اذنِ باریابی طلب کیا۔ اس نے کہا، "میں موسوس کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ ہم نے عقل مندوں کے حقوق ادا کر دیے، اور دیوانوں کے حقوق ہم پر باقی رہ گئے۔ میں نے کہا، " میں امیر پر قربان موسوس تو بہت سے عقل مندوں سے بہتر ہے، ایسی زبان رکھتا ہے جس سے ڈرا جائے۔ قول ماثور رکھتا ہے، جو باقی رہنے والا ہے۔ خدا کے لیے اس سے نہ کھنچیے، اس سے نہ آپ کو تکلیف پہنچے گی نہ اذیت، ابو دلف نے اجازت دے دی، جب موسوس اس کے سامنے پہنچا، اس نے کہا:۔

---

[51] ابن جرموز ۔ حضرت زبیرؓ کا قاتل۔

[52] جعیفران بن علی بن اصغر، کنیت ابوالفضل، مولد و منشا بغداد، یہ بہت بڑا ادیب اور شاعر تھا، مقبول بھی بہت تھا۔

"اے وہ شخص موجوداتِ عالم میں سب سے زیادہ سخی اور شریف ہے اور
جو قحط الرجال کے سبب بہت ہر دل عزیز ہے۔
جب میں لوگوں سے کسی کے متعلق سوال کرتا ہوں تو سب
لوگوں میں قابلِ ستایش وہی ایک نظر آتا ہے۔
سب لوگ کہتے ہیں، وہ قاسم ہی ہے، جو اسلاف کے وقار
کو سب سے زیادہ قائم رکھنے والا ہے۔
تو ہمیشہ قابلِ رشک، اور پُر مسرت عالم میں رہے، تو ہمیشہ
لوگوں میں مکرّم اور معزز شمار کیا جائے"

ابو دلف نے اسے خلعت اور ایک ہزار درہم دیے۔ جب درہم اس کے سامنے لائے گئے، تو اس نے ان میں سے صرف دس درہم لے لیے اور کہا، "داروغہ کو حکم دے دیجیے باقی رقم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جب میں آؤں مجھے دے دیا کرے، ورنہ شاید یہ رقم ضایع ہو جائے" ابو دلف نے داروغہ سے کہا "اسے ایک ہزار درہم دے دو، اور جب یہ تمھارے پاس آئے، تو یہ جو مانگے وہ دے دو، یہاں تک کہ موت ہم دونوں کو جُدا کر دے" یہ سُن کر جیفران رونے لگا، ہچکیاں لے لے کر رونے لگا، اور کہا:۔

"یہ، جسے میں دیکھ رہا ہوں، ایک روز اسے موت آئے
گی، کیوں کہ ہر شے فنا ہو گی۔
اگر خُدا کے سوا کوئی اور چیز ہمیشہ رہنے والی ہوتی، تو یہ
مایۂ فضل وجود ہمیشہ باقی رہتا"

پھر وہ چلا گیا، ابو دلف نے کہا، "تو اسے مجھ سے زیادہ جانتا ہے؟"
ایک مدّت گزر گئی، ایک دفعہ جیفران مجھ سے ملا، اس نے کہا، "اے

ابوالحسن ہمارے سردار اور آقا کا کیا شغل ہے؟ وہ کیسا ہے؟" میں نے کہا،" بہت اچھا، تم سے ملنے کا بے حد مشتاق ہے" اس نے کہا،" اے بھائی خُدا جانتا ہے میں بھی اس سے ملنے کا بڑا شائق ہوں لیکن میں اس کے اہلِ لشکر کو، ان کے شر کو، اور اصرار و شدّت کو بھی جانتا ہوں، خُدا کی قسم نہ وہ اسے چھوڑیں گے، نہ وہ انھیں چھوڑنے گا، اس کا کرم اس کی اجازت نہیں دیتا کہ انھیں اپنی زرپاشیوں سے محروم کر دے۔ وہ نہیں چاہتا اس کے ہاں سے کوئی خالی ہاتھ نکلے" میں نے کہا،" ان باتوں کو چھوڑو، ابودلف سے ملو، اس سے بار بار طلب کرنے میں اس کا کچھ نقصان نہیں ہے"

"کیوں کر؟ کیا وہ خلیفہ سے بھی زیادہ دولت مند ہے؟"

"نہیں تو"

" اگر خلیفہ بھی یوہیں خرچ کرے، جیسے ابودلف خرچ کرتا ہے، اور اپنے آدمیوں کو اسی طرح کھلائے جس طرح ابودلف کھلاتا ہے تو وہ بھی دو دن میں کنگال ہو جائے، خیر میرا کچھ کلام سُنو!"

" ہاں ابوالفضل کچھ سُناؤ"

اس نے کہا:۔

" اے ابوالحسن قاسم کو میرا یہ پیام پہنچا دے کہ میں نے اس کو کسی رنجش کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے۔

نہ غم و غصّے کی وجہ سے، نہ کسی رُکاوٹ کے باعث، اور نہ کسی دشمنی کے سبب۔

میں اس کے مال سے الگ رہتا ہوں، اور اپنی حمد و ثنا کو بے لوث رکھتا ہوں۔

ابو دلف سردار ہی، پاکیزہ اطوار ہی، بڑے بڑے عطیے دینے
والا ہی، اس کے مکان کا صحن بڑا فراخ ہی۔
وہ بڑا سخی ہی، جب یکے بعد دیگرے اس کے پاس محتاج
اور نادار آتے ہیں، وہ اپنے بڑے بڑے عطیوں کو ان کے لیے
عام کر دیتا ہی۔"

میں نے ابو دلف کو یہ اشعار سنائے اور وہ باتیں بھی جو میرے اور جعیفران کے مابین ہوئی تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا، "عرصہ ہوا جب میں اس سے ملا تھا۔ میں نے اسے ٹھہرایا، سلام کیا، اس نے مجھ سے کہا، "ای امیر ہمیشہ آپ پر خدا کی برکت نازل ہو" پھر اس نے کہا:۔

"ای مال و دولت کی سخاوت کرنے والے، ای اعمال و افعال
میں بزرگ و شریف۔
تو نے مجھے سوال کی ذلت سے بچا لیا، امیدوں کو پورا
کرنے والی سخاوت کے سبب
زمانے کے تغیرات سے خدائے بزرگ و برتر تجھے محفوظ
رکھے!"

پھر ابو جعیفران ابو دلف کے پاس آنے جانے لگا، وہ ہمیشہ اس کی خوبیوں کے بیان میں رطب اللسان رہتا تھا، یہاں تک کہ موت نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

---

*

(۱۷۲) قتّال[۱] کلابی

قتّال لقب تھا، یہی مشہور ہو گیا، اس لیے کہ اس کی رعونت اور تبختر کا یہی حال تھا، پورا نام عبداللہ بن المفرحی ابنِ عامر قتّال، مرد میدان، شجاع اور شاعر تھا، بنی ابی بکر ابنِ کلاب کا ایک پیرِ کہن سال، جس کی کنیت ابوخالد تھی، بیان کرتا تھا۔ ایک دفعہ قتّال اپنے ابنِ عم پر برہم ہوا، اس کے بھتیجے نے قسم کھائی کہ جب اسے دیکھے گا قتل کر دے گا، کچھ عرصے کے بعد اس نے اسے دیکھا تو تلوار سونت لی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ قتّال بھاگا، یہ اس کے پیچھے پیچھے چلا، جب اس کے قریب پہنچا، قتّال نے اسے اللہ اور رحم کا واسطہ دیا، لیکن وہ ذرا بھی ملتفت نہ ہوا، اس اثنا میں کہ وہ دوڑ رہا تھا اور اس کے قریب پہنچ چکا تھا قتّال نے ایک نیزہ زمین میں گڑا ہوا دیکھا، اسے اٹھا لیا، اور زیاد کے کھینچ مارا، اور اسے قتل کر دیا، اس نے کہا:-

"میں نے زیاد کو اس حال میں کہ ہمارے اس کے مابین ایک طویل مسافت تھی، روکا، اسے میں نے خدا کا واسطہ دیا، اور رشتے

---

[۱] کنیت ابوالمسیب، عہدِ اسلامی کا مشہور شاعر، دولتِ مروانیہ میں، الراعی، فرزدق، اور جریر کا ہم عصر تھا، اس کا لقب قتّال اس کی رعونت اور تمرّد کے سبب پڑ گیا تھا، بہادر بھی تھا اور شاعر بھی، حد درجے پست فطرت تھا، اس کے گھر والے اس کی جرائم پیشگی کے سبب اس سے بہت نالاں رہتے تھے،

ایک کتاب ہے، "کتاب اللصوص" اس میں چوروں کے بڑے دل چسپ واقعات درج ہیں، اس کتاب میں ان حضرت کے بھی بڑے بڑے جرائم بے نقاب کیے گئے ہیں!

کا بھی۔

جب میں نے دیکھا، وہ باز نہیں آتا، اور بگٹٹ بھاگا چلا آ رہا ہی،

تو میں نے اپنا ہاتھ چمکتی ہوئی کاٹنے والی تلوار کی طرف بڑھایا، جب وہ ہڈی پر پڑی، تو اس نے کاری ضرب لگائی۔

تلوار کا وار ایسے ہاتھ سے ہوا جس کی ماں نے کبھی قبیلے کی خدمت نہیں کی تھی۔ جو صاحبِ عزّت وجلال ہی، اور جو کبھی ذلیل نہیں کیا گیا"

پھر یہ بھاگا۔ مقتول کے ساتھی اس کے پیچھے دوڑے، یہ اپنی بنتِ عم زینب کے پاس جو تالاب سے دور رہتی تھی آیا، جب پاس پہنچا، اس سے زینب نے کہا:۔

"ارے کم بخت یہ کیا ہوا"؟

"اپنے کپڑے مجھ پر ڈال دے؟"

زینب نے اس پر اپنے کپڑے ڈال دیے، اسے برقعہ پہنا دیا، وہ مہندی لگائے ہوئے تھی، اس نے بھی مہندی اٹھائی، اور اپنے ہاتھوں میں لگالی، زینب اِدھر اُدھر کہیں چلی گئی، اس کا مقصد پورا ہوگیا، جب مقتول کے عزیز زینب کے گھر آئے تو قتّال کو زینب سمجھتے ہوئے بولے:۔

"وہ خبیث کہاں ہی؟"

"یہاں ٹھہرا نہیں کہیں چلا گیا"

جب قتّال نے دیکھا کہ وہ لوگ دور نکل گئے، تو اس نے دوسرا روپ بھرا اور عمایہ[1] پہنچ

---

[1] عمایہ بحرین میں ایک پہاڑ کا نام ہی، اسے عمایہ اس لیے کہتے تھے کہ اس میں لوگ بھٹک جاتے تھے۔!

گیا وہیں چھپا رہا، اسی پر اس نے کہا:۔

"کوئی ہے جو میری قوم کے نوجوانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دے، جب
جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، میں نے اپنا نام زینب رکھ لیا تھا۔
میں نے اپنی داڑھی پر نقاب ڈال لیا، اور تعاقب کرنے
والوں کو اپنی مہندی لگی ہوئی انگلیاں دکھا دیں۔"

اس نے یہ بھی کہا تھا:۔

"خدا اچھی جزا دے عمایہ کو، جزا کا دینا اسی کے ہاتھ میں ہے،
عمایہ ہر بھاگے ہوئے کی جائے پناہ ہے،
وہاں اگر کوئی قوم اترے تو ہرگز کام یاب نہیں ہو سکتی، اگرچہ
سلطانِ وقت اپنا سارا لشکر کیوں نہ بھیج دے۔"

وہ عمایہ میں بہت دنوں ٹھہرا، ضرورت کی چیزیں اس کا بھائی وہاں پہنچا دیا کرتا تھا، وہ وہاں ایک گھاٹی میں رہتا تھا اسی میں ایک چیتا بھی پناہ گزیں تھا، اپنی عادت کے مطابق چیتا بسیرا لینے آیا۔ جب چیتے نے اسے دیکھا تو اپنے دانت کرکرانے لگا، قتّال نے میان سے تلوار نکال لی، چیتا اس کے سامنے تن کے کھڑا ہو گیا، اس نے اپنے پنجے نکالے، قتّال نے کمان سے تیر نکالا، اور اس کے ہاتھ پر مارا، وہ دھاڑنے لگا، قتّال نے اپنی کمان کو اور اس کی تانت کو بغیر تیر لگائے ہوئے کھینچا، چیتا چُپ ہو گیا، اور پھر اس سے مانوس ہو گیا۔

اس واقعہ کا راوی ابن کلبی ہے، عمرو بن شبیہ نے بھی اپنی روایت میں اس کی تائید کی ہے، وہ کہتا ہے، چیتا پہاڑی بکروں کے شکار کو نکل جاتا تھا، جو کچھ شکار کرتا تھا لے آتا تھا، اور قتّال کے سامنے ڈال دیتا تھا، قتّال کو جتنی ضرورت ہوتی رکھ لیتا، باقی چیتے کے آگے ڈال دیتا، جسے وہ کھا لیتا۔ کبھی

قتال نکلتا، کسی جانور کو اپنے تیر سے زخمی کرتا، ایک کے بعد دوسرے جانور پر وار
کرتا، اپنا شکار غاریں لے آتا، کچھ اپنے لیے رکھ لیتا، باقی چیتے کے آگے ڈال
دیتا، جب قتال گھاٹ پر آتا تو چیتا اس کی حفاظت کرتا، یہاں تک کہ وہ پانی
پی لیتا، جب وہ وہاں سے ہٹ جاتا، تو چیتا آتا اور قتال اس کی حفاظت
کرتا، اور وہ پانی پی لیتا، اس واقعہ کا قتال نے اپنے ایک قصیدے میں بھی
ذکر کیا ہے:-

" غاریں میرا ایک دوست ہے، جو ابوالجون سے کم نہیں،
اپنے ساتھی کے ساتھ بُرا برتاؤ نہیں کرتا۔

ہم دونوں اپنی سرشت کے اعتبار سے ایک دوسرے
کے دشمن ہیں، ہر ایک اپنی دشمنی میں بہت شریف ہے۔

جب ہم آپس میں ملتے ہیں تو ہماری گفتگوئے محبت
خاموش ہوتی ہے، اور نظر سرمگیں نیزے کی طرح!

ہمارے پانی کا صاف ستھرا گھاٹ ایسی جگہ پر ہے جو لوگوں
کو معلوم نہیں اس جگہ کوئی بھی اس سے پہلے نہیں آیا۔

پہاڑی بکرے ہمارے لیے موجود رہتے ہیں، جن کا ہم شکار
کر لیتے ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو ان کی کٹی ہوئی چربی خوب
مزہ دیتی ہے۔

میں شکار کو محبت کے برتاؤ کے سبب نشان دار کر دیتا ہوں
حالاں کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، لیکن میں اسے پاک
کر لیتا ہوں"

پھر قتال پکڑ لیا گیا، ایک عرصۂ دراز تک جیل میں بند رہا، ابنِ ہبار القرشی

اور اس کے ایک ابنِ عم کے مابین دشمنی تھی، اس کے ابن عم کو معلوم ہوا کہ قتال مدینے میں قید ہے، وہ اس کے پاس پہنچا، اور کہا، "اگر میں تجھے جیل سے نکال دوں، تو تو میرے ابنِ عم ابنِ ہبار کو قتل کر دے گا؟"

"ہاں کیوں نہیں!"

"میں کھانے میں رکھ کر تمھیں چھری بھیجتا ہوں، اس سے اپنی ہتھکڑیاں کاٹ ڈالنا، میں تمھاری راہ دیکھتا رہوں گا، تمھیں بچالوں گا، تمھیں گھوڑا دوں گا، جس سے تم نجات حاصل کر لو گے، تلوار دوں گا جس سے اپنی حفاظت کر سکو گے، اگر اس ترکیب سے تم نے نجات پالی تو خیر، ورنہ تمھارا نصیب"

"میں راضی ہوں"

اہلِ مدینہ وضو کے لیے قیدیوں کو باہر نکالتے تھے، قتال نے اس موقعہ پر وہی کیا جو اسے بتایا گیا تھا، قرشی آیا، اور اس نے اسے چھڑا لیا، اسے پناہ دی، یہاں تک کہ اس کی تلاش و تفتیش ختم ہو گئی، پھر قرشی نے اسے تلوار دی، قتال نے اس کے ابنِ عم ابنِ ہبار کو قتل کر دیا، اس صلے میں قرشی نے اسے ایک اچھا اونٹ دیا، اس پر بیٹھ کر وہ سلامتی سے کہیں نکل گیا، اس نے کہا:-

"میں نے ابنِ ہبار کو (قتل کر کے) دروازے پر ٹیک لگائے ہوئے چھوڑا، میرے سامنے ثنابہ اور، اردم پہاڑ تھے۔
میں نے اسے ایسے آدمی کی تلوار سے چورنگ کیا جس کا نام نہیں بتاؤں گا، اگرچہ میرے دل میں خطرات کا ہجوم ہو"

(۱۶۴) "ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!"

عبیدہ بن اشعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ حسنؓ بن حسنؓ میرے والد کے ساتھ ہنسی مذاق کیا کرتے تھے، اس ہنسی مذاق میں اکثر وہ دیکھتے کہ حسنؓ ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتے، جیسے کوئی نشے میں ہو، ان پر زیادتی کرتے پھر ننگی تلوار لے آتے، انھیں دکھاتے، اور کہتے اس سے وہ انھیں قتل کر دیں گے، ایک عرصۂ دراز تک یہی صورت جاری رہی، میرے والد نے طویل مدت تک وہاں کی آمد و رفت بند رکھی، ایک روز مڈ بھیڑ ہو ہی گئی، حسنؓ نے کہا، "اے اشعب، تو نے مجھے چھوڑ دیا، مجھ سے تعلّقات منقطع کر لیے، پیمانِ وفا بھول گیا؟" "میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر تلوار دکھلائے بغیر آپ مجھ پر زیادتی کرتے رہتے تو میں ہرگز کنارہ کشی نہ اختیار کرتا، لیکن تلوار کے ساتھ مذاق نہیں نبھ سکتا۔"

"اچھا اب میں تمھیں تلوار سے الگ رکھوں گا، تم اسے کبھی نہیں دیکھو گے، اور یہ دس دینار ہیں یہ لو، اور یہ گدھی جس پر میں بیٹھا ہوں اس پر بیٹھو اور میرے ساتھ چلو۔ شرط یہ رہی کہ میرے گھر میں تم تلوار کی صورت نہیں دیکھنے پاؤ گے!"

"نہیں اس طرح نہیں، آپ کے گھر میں جتنی تلواریں ہیں سب نکال دینے کا وعدہ کیجیے، قبل اس کے کہ ہم کھائیں پئیں"

"یہ بھی سہی"

میرے والد ان کے ساتھ گئے، حسنؓ نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا،

تلواریں نکال دیں، البتہ ایک تلوار اپنے پاس گھر میں رہنے دی، جب ہنسی مذاق کی پھر نوبت آئی، وہ گھر گئے، اور اپنی مشہور تلوار نکال لائے، انھوں نے کہا۔

"میں یہ تلوار ایک نیک کام کے لیے لایا ہوں، جو میں تمھارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں!"

میرے ماں باپ آپ پر قربان وہ کون سی بھلائی ہے جو اس تلوار سے عمل میں آئے گی؟ کیا آپ اپنی ہماری شرط بھول گئے؟"

"جو کچھ میں کہتا ہوں سنو! میں اس سے تمھاری جان نہیں لوں گا، نہ کوئی ایسی بات کروں گا جو تمھیں ناگوار ہو، میں چاہتا ہوں کہ تمھیں پہلو کے بل لٹاؤں، پھر میں تمھارے سینے پر بیٹھ جاؤں، پھر تمھاری حلق کی کھال اپنی انگلی سے نکال لوں، اس طرح کہ نہ تمھاری کوئی رگ نکالوں گا، نہ پٹھا، نہ قتل کروں گا، میں تو ذرا تلوار کو وہاں تیز کروں گا، پھر میں تمھارے سینے سے اُتر آؤں گا اور تمھیں بیس دینار دوں گا۔"

"میں آپ کو اے ابنِ رسول اللہ خدا کا واسطہ دیتا ہوں، ایسا نہ کیجیے"

یہ کہ کے والد دھاڑیں مار مار کے رونے لگے، چیخنے چلّانے لگے، اور مدد مدد پکارنے لگے، حسنؓ اپنے حلف سے تجاوز نہیں کر رہے تھے کہ نہ انھیں قتل کریں گے، نہ حد سے آگے بڑھیں گے، صرف کھال پر ٹوکا لگائیں گے، لیکن وہ یہ بھی کہ رہے تھے، اگر تم خوشی سے نہ مانے تو زبردستی کی جائے گی بڑی دیر تک دونوں میں یہی ردّ و کد ہوتی رہی، یہاں تک کہ حسنؓ اپنے مزاج سے باز آ گئے، بہ ظاہر وہ والد سے غافل ہو گئے، یک بہ یک کہا، "تم یوں نہیں راضی ہو گے، میں رسّی لاتا ہوں، اس سے تمھیں باندھوں گا" یہ کہ کے وہ

چلے گویا رستی لینے جا رہے ہیں، اشعب بھاگے، اور دیوار سے پھاند کر اس گھر میں کود پڑے جو ان کے اور عبداللہ بن حسنؓ ان کے بھائی کے درمیان تھا، ان کا پاؤں زخمی ہوگیا، عبداللہ گھبرائے ہوئے آئے، انھوں نے ماجرا پوچھا، اشعب نے ساری رام کہانی بیان کی۔ عبداللہ ہنسے اور اشعب کو بیسؔ دینار دینے کا حکم صادر کیا، انھیں اپنے ہاں ٹھہرا کر ان کی مرہم پٹی کی، اس وقت تک انھیں روکا جب تک وہ بالکل تندرست نہ ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد اشعب نے حسنؓ بن حسنؓ سے کبھی ملاقات نہیں کی۔

زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ حسنؓ بن حسنؓ نے ایک دفعہ اشعب کو بلایا، اسے اپنے پاس ٹھہرایا، ایک روز انھوں نے اشعب سے کہا، "میں اس بکری کی کلیجی کھانا چاہتا ہوں" یہ بکری انھیں بڑی عزیز تھی، تھی بھی بڑی خوب صورت، اشعب نے ان سے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ اسے میرے حوالے کیجیے، اس کے بدلے میں میں آپ کے لیے مدینے کی سب سے زیادہ چربی والی بکری ذبح کر دوں گا" انھوں نے کہا، "میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس بکری کی کلیجی کھاؤں گا، اور تو مجھ سے مدینے کی سب سے زیادہ چربی والی بکری کا ذکر کرتا ہے؟ —— اے غلام اسے ذبح کر!" غلام نے وہ بکری ذبح کر دی، اس کی کلیجی اور گوشت بھونا، جسے ان دونوں نے کھایا، دوسرے روز انھوں نے اشعب سے کہا، "اے اشعب میں اپنے اس گھوڑے کی کلیجی کھانا چاہتا ہوں" یہ وہ گھوڑا تھا جس کی قیمت ہزاروں درہم تھی، اشعب نے کہا، "اے میرے آقا، اس کی قیمت تو مجھے مال دار بنا دے گی، یہ مجھے دے دیجیے، خدا کی قسم میں مدینے کے جس گھوڑے

کی کلیجی اپ چاہیں آپ کو کھلا دوں گا"، حسنؓ نے کہا، "میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کی کلیجی کھاؤں گا، اور تو مجھے دوسرے کا لالچ دیتا ہے؟ ـــــــ اے غلام اسے ذبح کر" غلام نے اس کو ذبح کیا، اس کی کلیجی بھونی، حسن اور اشعب نے اسے کھایا، تیسرے روز انھوں نے کہا، "اے اشعب آج میں تیری کلیجی کھانا چاہتا ہوں" اشعب نے کہا، "سبحان اللہ آپ آدمیوں کی کلیجی کھائیں گے؟" انھوں نے کہا، "جو کہنا تھا میں تم سے کہہ چکا" یہ سنتے ہی اشعب بھاگا، اوپر کی منزل سے نیچے کود پڑا، اس کا ایک پاؤں بھی ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا، "ارے بے وقوف کیا واقعی تو نے سمجھ لیا تھا کہ وہ تجھے ذبح کر دیں گے؟" اس نے جواب دیا، "خدا کی قسم اگر وہ میری اور تمام دنیا کی کلیجی کھانا چاہیں تو کھا کر رہیں گے، انھوں نے بکری اور گھوڑے کے ساتھ جو چاہا وہ کر کے رہے۔ یہ میرے ہونے والے انجام کی تمہید تھی!

---

(۱۷۴) دھوکے باز!

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں، سب سے پہلے عربوں نے میری چالاکی و ہوشیاری کا جو واقعہ جانا وہ یہ تھا، میں سفر میں تھا حیرہ جا رہا تھا، چند ساتھیوں نے مجھ سے کہا۔

"ہمارا شراب کو جی چاہ رہا ہے، اور ہمارے پاس صرف ایک کھوٹا درہم ہے!"

"لاؤ وہ مجھے دو، اور دو مشکیزے لے آؤ"

"اس کھوٹے درہم سے ایک مشکیزہ بھی آجائے تو بہت ہے!"

"جو میں مانگتا ہوں وہ دو، ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو"

انھوں نے ایسا ہی کیا، لیکن میرا مذاق اُڑانے لگے ایک مشکیزے میں میں نے تھوڑا سا پانی بھرا اور ایک کلال کے پاس گیا، اس سے کہا، "اس مشکیزے بھر شراب ناپ دو!" اس نے مشکیزے میں شراب بھر دی، میں نے وہی کھوٹا درہم نکالا، اور اسے دے دیا، اس نے کہا، "اس مشکیزے بھر شراب کی قیمت بیس[2] درہم ہے، اور تم یہ کھوٹا درہم دینے چلے ہو؟" میں نے کہا، "میں ٹھہرا ایک دیہاتی، میں سمجھا اس کی قیمت یہی ہوگی، اگر یہ بات نہیں ہے تو اپنی شراب لے لو!" اس نے اتنا لے لیا جتنا دیا تھا، مشکیزے میں میں نے جتنا پانی ڈالا تھا اس کے برابر شراب رہ گئی، میں نے وہ شراب دوسرے مشکیزے میں ڈال لی انھیں اپنی پیٹھ پر رکھا، اور چل دیا، میں نے پہلے مشکیزے میں پھر تھوڑا پانی ڈالا، اور دوسرے کلال کے پاس گیا، میں نے کہا، "میں اس مشکیزے میں ایسی شراب چاہتا ہوں، دیکھ لو میرے پاس کیسی ہے؟" اگر ایسی ہی تمھارے پاس ہو تو مجھے دے دو" اس نے اسے دیکھا، میں نے اسے اس لیے دکھا دیا کہ اسے شک نہ ہو۔ دیکھ کر اس نے کہا، "میرے پاس اس سے بھی بڑھیا مال ہے" میں نے کہا، "لاؤ!" وہ میرے پاس شراب لایا، میں نے پہلے مشکیزے میں ڈال لی، میں نے پھر وہی کھوٹا درہم دے دیا، اس نے بھی پہلے کلال کی طرح باتیں کیں، میں نے کہا، "اپنی شراب لے لو۔" اس نے جو شراب میرے پاس تھی لے لی، وہ دیکھ رہا تھا کہ جو شراب میں نے اسے دکھائی تھی وہ اس میں ملا دی تھی، جب میں باہر آیا تو میں نے پہلی شراب میں یہ شراب بھی ملا دی، اس طرح حیرہ کے تمام کلالوں کے ہاں جا جا کر میں نے یہی کیا، یہاں تک کہ پہلا مشکیزہ لبالب، اور دوسرے کا کچھ حصہ میں نے بھر لیا،

اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا، دونوں مشکیزے میں نے ان کے

سامنے رکھ دیے، اور اُن کا درہم بھی انھیں واپس کر دیا۔

انھوں نے کہا، "ارے کم بخت تو نے کیا کیا کیا؟" میں نے انھیں سارا قصہ سُنایا، وہ بہت متعجب ہوئے، یہ واقعہ سارے عرب میں مشہور ہوگیا، اور آج تک مشہور چلا آرہا ہے۔

(۱۷۵) عقیدت مند شاگرد

اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ مجھ سے برصوما الزائر نے کہا، "میں نے آپ کی جو خدمت کی ہے، میرا جو آپ پر حق ہے، مجھے جو آپ سے تعلق ہے، مجھ جو آپ سے شرفِ نیازمندی حاصل ہے اس کی بنا پر میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک دن مجھے مرحمت فرمایئے۔ جو میرا جی چاہے کروں، آپ کسی بات کی مخالفت نہ کیجیے" میں نے کہا، "اچھی بات، میں تمھیں ایک دن دیتا ہوں" پھر وہ میرے پاس آیا، اور کہا، "مجھے ایک خلعت دلوایئے" میں نے یہ بھی کیا، خلعت کے ساتھ ایک منقش جبّہ بھی اسے دیا، اس نے اسے پہن لیا، جبّہ اوپر ڈال لیا، اور کہا، "ہمارے ساتھ اُس نشست گاہ میں چلیے جہاں میں آپ کے والد کے ساتھ آیا کرتا تھا، ہم ساتھ ساتھ اُس نشست گاہ کی طرف روانہ ہوئے، میں نے اسے خوب عطر اور خوش بو سے بسا دیا تھا۔

جب وہ نشست گاہ کے دروازے پر پہنچا، تو اس نے اپنے تئیں زمین پر گرا دیا، خاک اپنے منہ پر مل لی، رونے لگا، اور ہائے وائے کرنے لگا، بڑی غم کی حالت میں بین بھی کرنے لگا وہ ساری نشست گاہ میں گھومتا اور ان جگہوں کو چومتا جہاں ابو اسحٰق بیٹھا کرتے تھے، وہ برابر روتا رہا، دُہائی دیتا

رہا، یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوا، پھر اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا، انھیں پھاڑنا شروع کیا، میں برابر اسے دلاسا دے رہا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ رو رہا تھا، کچھ عرصے کے بعد وہ خاموش ہوا، اس نے اپنے کپڑے منگوائے انھیں پہنا اور کہا "میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ مجھے خلعت پہنائیے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ برصوما نے اپنے کپڑے اس لیے پھاڑ دیے تاکہ اسے ان کپڑوں سے اچھا خلعت دیا جائے"، پھر کہا "ہمارے ساتھ اپنے گھر چلیے، میں جو چاہتا تھا وہ میں نے لے لیا" میں اپنے گھر واپس آیا، اسے ایک دن اپنے پاس ٹھہرایا، پھر ایک بہت اچھا خلعت دے کر روانہ کیا۔

---

(۱۷۶) "معبد کا جنازہ ہی ذرا دھوم سے نکلے"!

کردم بن معبد مغنّی مولی ابنِ قطن کا بیان ہے، میرے والد کا انتقال ہوا، وہ اس وقت یزید بن ولید کے لشکر میں تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا جب ان کی نعش سلامت القس، جاریۂ یزید بن عبدالملک کی طرف سے گزری، تو لوگ جنازے سے بے پروا ہو کر اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر گھورنے لگے، اس نے نعش کی چارپائی کا پایہ پکڑ لیا، وہ والد کا مرثیہ پڑھ رہی تھی، کہہ رہی تھی:۔

زندگی کی قسم میں نے اپنی رات بہت کرب کے عالم میں
بیمار کی طرح گزاری۔
جب میں نے منزل کو خالی دیکھا تو میری آنکھوں سے
آنسو جاری ہو گئے

غم میرا رفیق بن گیا، مجھ سے اتنا قریب ہوگیا کہ ہم پہلو سے
بھی بڑھ گیا۔
مکان اپنے آقا کے (نہ ہونے سے) ویران ہوگیا ہے، وہ
ایسا آقا ہے جس سے ہم فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔
اگر ہم رنجیدہ ہوتے ہیں، اور اپنی بے کسی پر غمگین ہوتے
ہیں تو ہمیں ملامت نہ کر"

کردم کہتے ہیں، یزید نے میرے والد کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کنیز کو یہ راگ سکھائیں، انھوں نے سکھا دیا تھا، اسی راگ پر اس نے وہ مرثیہ پڑھا۔
میں نے دیکھا ولید بن یزید اور عمر اس کا بھائی صرف قمیص اور چادر اوڑھے والد کی نعش کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، یہاں تک کہ نعش اس کے گھر سے باہر لائی گئی، اسی نے سارے انتظامات کیے، گھر سے قبر تک وہ نعش کے ساتھ رہا۔

---

(۱۷۷) دو دوست گویّے کی قبر پر!

اسحٰق بن یعقوب عثمانی، مولیٰ آلِ عثمان، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ہم عمرو بن عثمان کے صحنِ مکان میں بہ مقام ابطح موجود تھے، یہ ایّامِ حج کے آٹھ دنوں میں سے پانچویں دن کی صبح تھی، میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک آدمی سانڈنی پر سوار آیا، وہ بہت خوب صورت تھا، اس کے ساتھ سازوسامان بھی تھا، اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا، وہ بھی سانڈنی پر سوار تھا۔ ہر ایک نے اپنے ساتھ ایک کوتل گھوڑا، اور خچر رکھ چھوڑا تھا، وہ دونوں میرے

پاس آکر ٹھہر گئے، انھوں نے میرے بارے میں دریافت کیا، میں نے اپنا عثمانی نسب بتادیا، پھر وہ دونوں اُتر آئے، انھوں نے کہا، "ہم دونوں تمھارے ہی خاندان کے ہیں، ضرورت مند ہیں، ہماری تمنا ہے وہ ضرورت ہو سکے تو آپ ہی پوری کر دیں۔ قبل اس کے کہ ہم حج میں مشغول ہوں" میں نے کہا، "آپ دونوں کی وہ کون سی ضرورت ہے؟" انھوں نے کہا، "ہمیں ایسا آدمی چاہیے جو ہمیں عبید بن سریج کی قبر پر پہنچا دے" میں ان دونوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اور انھیں محلۂ بنی قارہ میں لے گیا، جو بنی خزاعہ کا تھا۔ محلے والے موالی عبید ابن سریج تھے، وہاں میں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈھا، جو ان کی رفاقت کرے، اور دسم میں ابن سریج کی قبر پر انھیں لے جائے، میری ملاقات ابنِ ابی دباکل سے ہوئی، میں نے اسی کو ان دونوں کے ساتھ کردیا۔

ابنِ ابی دباکل نے بعد میں مجھے بتایا کہ وہ جب ان دونوں دوستوں کو ابنِ سریج کی قبر پر لے گیا، تو ان میں سے ایک اپنی سواری پر سے اُترا پھر اس نے اپنے چہرے سے عمامہ اٹھایا، دیکھتا کیا ہوں عبداللہ بن سعید بن عبدالملک سامنے کھڑا ہے، اس نے اپنی سانڈنی ذبح کردی، وہ درد ناک آواز میں بڑے اچھے انداز کے ساتھ ذیل کا مرثیہ گانے لگا۔

"ہم دسم میں ایک قبر پر رُکے، اس نے ہمیں غمگین کردیا،
ہم نے وہ ایامِ ماضی یاد کیے، جب وہ ہمارا ساتھی تھا۔
پلکوں کے کنارے لبریز ہو گئے، اُمنڈتے ہوئے آنسوؤں
کے سیلاب سے جو متواتر آرہا تھا۔
جب رُخسار کے میدان سے آنسو ذرا ٹھہر جائیں، تو
آنسوؤں کے بعد خون نکلتا ہے، جو آنسوؤں کے پیچھے بہتا ہے،

ای آنکھو! اگر تم خوش بخت ہونا چاہتی ہو تو ہم دہاڑیں مار مار
کر عبید کا مرثیہ پڑھیں، اس کے لیے ہم جتنا بھی روئیں کم ہے "
پھر اس کا ساتھی اُترا، اس نے بھی اپنی سانڈنی ذبح کی، قرشی نے
اس سے کہا، " ابو یحییٰ[1] کا کوئی راگ سناؤ!" وہ گانے لگا:-
" ای دونوں آنکھو! تم مجھے خوش بخت کرو، ڈبڈبائے اور
بہتے ہوئے آنسوؤں سے، ایسے آنسوؤں سے جو بہت بہنے
والے ہوں!
اہلِ حصاب نے مجھے غم گین اور مشتاق بنا کر چھوڑ دیا،
وہ ایسے گھر والے ہیں جو موت کا پیچھا کرتے ہیں، موت
پر ان کے بعد کوئی عتاب نہیں ہے۔
میری رفاقت کرو، میں اچھی طرح جانتا ہوں، جس نے
موت کو چکھ لیا وہ کبھی واپس نہیں آسکتا۔
اس مقامِ مجون میں کتنے ہی بوڑھے، پاک دامن، اور
نوجوان تھے، وہ لوگ مختلف مقامات میں دفن ہوگئے۔
افسوس! ان کے بعد میں اکیلا رہ گیا، اور میرے ساتھیوں
نے مجھے ملول کر دیا۔"

ابنِ ابی دباکل کہتا ہے، " خدا کی قسم اس نے ابھی تین شعر بھی اس قصیدے کے نہیں پڑھے ہوں گے کہ اس کا ساتھی بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب حواس درست ہوئے تو وہ اپنے خچر کی زین ٹھیک کرنے لگا، وہ ابھی چڑھا نہیں تھا کہ میں نے اس سے پوچھا، " یہ کون ہے؟" اس نے کہا، " ایک جذامی"

---

[1] ابو یحییٰ، ابنِ سریج کی کنیت تھی۔

میں نے پوچھا، "اس کا نام؟" اس نے بتایا، "عبداللہ بن ابی المنتشر"!
تقریباً ایک گھنٹے تک قریشی اسی حالت میں پڑا رہا، پھر اسے افاقہ ہوا، جذامی اس کے چہرے پر پانی چھڑکنے لگا، اس نے غضب ناک ہو کر کہا، "تم ہمیشہ اپنے اوپر ایسی مصیبتیں ڈالا کرو، اور اسی طرح تکلیف میں مبتلا رہا کرو" پھر اس نے گھوڑا اس کے قریب کر دیا، وہ گھوڑے پر چڑھ گیا، جذامی نے خرجی سے ایک پیالہ اور پانی کا برتن نکالا، پیالے میں اس نے ابن سریج کی قبر کی مٹی بھر دی، اور پانی کے برتن سے اس پر پانی ڈالا، پھر کہا، "لو! یہ حریرہ پیو!" اس نے پی لیا۔ پھر اس نے بھی ویسا ہی کیا اور خچر پر سوار ہو گیا، مجھے پیچھے بٹھا لیا، ہم لوگ چلے، ان دونوں نے ایک دوسرے سے کسی ایسی بات کا ذکر نہیں کیا، جو گزر چکی تھی، نہ میں نے ان کے چہرے پر کوئی ایسی بات دیکھی جو پہلے دیکھی تھی، ہم مکّے کی گھاٹی کے پاس پہنچے، انھوں نے کہا، "اے خزاعی اُترا" میں اُتر پڑا، نوجوان نے جذامی سے اشارے اشارے میں کچھ کہا، اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا، اس میں کچھ تھا، میں نے دیکھا تو بیس دینار تھے، وہ دونوں چلے گئے، میں پھر ابن سریج کی قبر پر واپس آیا، دو اونٹوں پر میں نے ان دونوں سانڈنیوں کا سامان بار کیا، جنھیں انھوں نے ذبح کیا تھا، یہ سامان میں نے تیس دینار میں فروخت کر دیا۔

---

(۱۷۸) فنِّ غنا کا "قرآن"!

ابراہیم بن محمد الشافعی کہتے ہیں، کہ سُندہ خیّاط مشہور گوّیا افلح مخزومی کے پاس آیا، اس کے عقل و فضل کی بڑی دھاک تھی، اس سے افلح نے کہا۔

"کہاں سے آرہے ہو؟ اور کہاں کا قصد ہے؟"

"ایک قریشی کی مجلس سے ایک سلسلے پر آپ کو حکم بنانے حاضر ہوا ہوں"

"وہ کیا بات ہے؟"

"میں اس آدمی کے پاس تھا، اسی اثنا میں اس مجلس میں اقطار المحطین اور صفراء العلقین، آئیں، ان دونوں کنیزوں نے ایک دوسری کو ابنِ سریج کا یہ راگ سنایا:۔

"میں ایک گھڑی بھی کیوں کر زندہ رہوں گا؟ اس تکلیف کے ساتھ جو رات کی صورت میں نمودار ہوئی۔

کسی شخص نے نیند کا مزا چکھا، اور آرام سے رات گزاری لیکن میں تو ایسا بدبخت ہوں کہ میری نیند بیداری سے بدل دی جاتی ہے"

ان دونوں نے یہ راگ ساتھ ساتھ گایا، ہم میں اس بات میں اختلاف پیدا ہوا کہ ان دونوں میں کون اچھا گاتی ہے؟ ہم سب اس پر راضی ہو گئے کہ آپ کو حکم بنائیں، اب آپ ان دونوں کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کیجیے"۔

افلح کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، اہلِ حجاز کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں، تو پہلے کچھ دیر سوچتے ہیں پھر فیصلہ کرتے ہیں، جب ثالث فیصلہ کر دیتا ہے تو وہ مان لیا جاتا ہے، جسے وہ گرا دیتا ہے وہ ساقط تسلیم کر لیا جاتا ہے، جسے وہ فضیلت دیتا ہے وہ افضل مان لیا جاتا ہے، بشرطے کہ ہر دو فریق اس کی رائے مان لیں، افلح کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ ایک گروہ کو راضی کرے اور دوسرے کو برہم کرے، اس نے سندہ سے کہا، "مجھے بتائیے وہ دونوں کس طرح گاتی ہیں؟ یہ بھی بتائیے گانے میں ان دونوں کا مسلک کیا ہے؟ جیسا آپ

نے سُنا ہو بتا دیجیے، پھر میں فیصلہ کروں گا" سندہ نے کہا "یہ حبطین کنیز تو اپنے لحن کو چباتی ہے جس طرح نوجوان گھوڑا اپنی لگام چباتا ہے، پھر وہ اپنا راگ کھوپڑی میں لے جاتی ہے اور اسے نتھنوں سے نکالتی ہے، وہ فن غنائی بھی ہے، خدا کی قسم جب وہ ابتدا کرتی ہے تو اعتدال کے ساتھ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ فارغ نہیں ہونے پائی کہ میں چوکنا ہو جاتا ہوں، گویا میں خواب میں اس کے راگ کو دیکھ رہا ہوں، اور یہ صفراء العلقمین، دونوں میں اپنے گلے اور راگ کے اعتبار سے زیادہ اچھی ہے، اور راگ کو لوٹانا بھی خوب جانتی ہے، خدا کی قسم اسے جس کسی نے سُنا وہ اپنے نفس کو کھو بیٹھا، دین کو ضائع کر دیا، یہ ہے میرے نزدیک معاملہ، اب تم اے بھائی بنو مخزوم، جو چاہو فیصلہ کر دو" اس نے کہا، "میں نے فیصلہ یہ کیا ہے کہ وہ دونوں سر کی دو آنکھوں کی طرح ہیں، جس سے بھی نظر ڈالو گے دیکھو گے، اگر دُنیا میں عبید بن سریج کا کوئی فرزند ہوتا تو یہی دونوں ہوتیں"۔ اس فیصلے سے سب لوگ راضی اور خوش ہو کر چلے گئے۔

مالک بن ابی السمح کہتا ہے، میں نے ابن سریج سے لوگوں کے اس قول کے بارے میں پوچھا کہ فلاں اچھا گاتا ہے، اور فلاں بُرا گاتا ہے، فلاں صحیح گاتا ہے، فلاں غلط گاتا ہے، اس نے کہا، "اچھا اور صحیح گانے والا وہ ہے جو الحان کو پورے طور پر ادا کرے، انفاس کو بھر دے، وزن میں عدل قائم رکھے، الفاظ کو درست رکھے، صحیح بات پہچانتا ہو، اعراب درست لگاتا ہو، لمبے نغموں کو ٹھیک گا سکے، مختصر نغموں کے مقاطیع پر بھی عبور رکھے، اجناس ایقاع کو بھی ٹھیک نبا ہے، زیر و بم کے مواقع کو اچھی طرح ادا کرتا ہو، تار پر جو ضربیں لگتی ہیں ان کے اتار چڑھاؤ سے بھی واقف ہو!"

یہ قول میں نے معبد کے سامنے پیش کیا، اس نے کہا، "اگر فن غنا کا

کوئی قرآن ہوتا تو یہی ہوتا۔"

---

(۱۷۹) ایک بارات!

فضل بن عباس ہاشمی جو قثم بن جعفر بن سلیمان کی اولاد میں سے ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ناہض بن تومہ کلابی میرے دادا قثم کے پاس آتا، اور ان کی مدح کیا کرتا، میرے دادا اسے اس کا صلہ دیتے، وہ نرا گنوار تھا، بالکل وحشی، لیکن باتیں بڑے مزے کی کرتا تھا، ایک روز بیان کرنے لگا، ہم لوگ شام کے ایک مقام پر پہنچے، میں نے اپنے ایک دوست کے ہاں جانے کا ارادہ کیا جو خالد بن یزید بن معاویہ کی اولاد میں سے تھا، وہ حلب میں رہتا تھا، جب میں وہاں آیا تو اس کے پاس گیا، اس کی مدح کی اور صلہ پایا۔

ناہض کا بیان ہے، میں ایک دیہات میں گیا جس کا نام "قریہ بکر بن عبداللہ ہلالی" تھا، میں نے دیکھا وہاں بہت سی جھونپڑیاں پاس پاس بسی ہوئی ہیں، بہت سے لوگ آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں، ان کے بدن پر شوخ رنگ کے کپڑے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا، آج شاید عید ہو یا عید الفطر ہوگی، یا عید الضحیٰ، پھر خیال آیا، اپنا گھر بار چھوڑ کر صفر کے مہینے میں بصرے آیا، اس سے پہلے دو عیدیں گزر چکی ہیں اب یہ کیسی عید ہے؟ اسی اثنا میں کہ غرق فکر و حیرت کھڑا تھا، میرے پاس ایک آدمی آیا، اس نے میرا ہاتھ پکڑا، اور ایک کشادہ گھر میں لے گیا، اس نے مجھے ایک کمرے میں پہنچایا جہاں فرش سجے ہوئے تھے، اور چادریں بچھی ہوئی تھیں، ان

پر ایک نوجوان بیٹھا تھا، جس کی زلفیں کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں، لوگ اس کے اِردگرد جمع تھے، میں نے خیال کیا، یہی وہ امیر ہے جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے بیٹھتا ہے، اور لوگ اس کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، میں نے اس کے سامنے جاکر کہا، "السلام علیک یا امیر و رحمۃ اللہ و برکاتہ" اس آدمی نے میرا ہاتھ کھینچا اور کہا، "بیٹھو یہ امیر نہیں ہے" میں نے کہا، "پھر یہ کون ہے؟" اس نے کہا، "دُولھا!" میں نے کہا، "اس بدبخت کو اس کی ماں روئے، میں نے بادیہ میں بہت سے دُولھا دیکھے ہیں، وہ تو بڑے سادہ تھے" اتنے میں چند آدمی اندر آئے، وہ کچھ چیزیں لیے ہوئے تھے جو ہلکی چیزیں تھیں وہ تو ہاتھوں میں تھیں جو بھاری تھیں انہیں وہ گھسیٹ رہے تھے۔

دُولھا ہمارے سامنے لایا گیا، لوگوں نے اسے حلقے میں لے لیا، پھر ایک سفید چادر لائی گئی، اور ہمارے سامنے ڈال دی گئی، میں سمجھا کپڑا ہے، ارادہ ہوا، لوگوں سے ایک ٹکڑا اپنی قمیص بنانے کے لیے مانگ لوں، میں نے اس کی بناوٹ ایسی باریک اور عمدہ دیکھی کہ اس کا تانا بانا تک ظاہر نہیں ہوتا تھا، جب لوگوں نے اسے اپنے سامنے پھیلایا، تو وہ تیزی سے پھٹنے لگا، وہ کپڑا نہیں اصل میں روٹی کی ایک قسم تھی، جسے میں نہیں پہچانتا تھا، پھر بہت سا کھانا لایا گیا، شیریں بھی اور نمکین بھی، گرم بھی اور ٹھنڈا بھی، میں نے بھی خوب ہاتھ مارے، مجھے کیا معلوم تھا ابھی کچھ پھل پھول آنے والے ہیں، پھر ایک قرابے میں شرابِ سُرخ لائی گئی، میں نے کہا، "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے، یہ مجھے قتل نہ کردے" میرے پہلو میں ایک ناصح مشفق تشریف رکھتے تھے، خدا انھیں جزائے خیر دے، وہ

مجھے مجلس میں برابر نصیحت کرتے رہے، انھوں نے کہا، "اے اعرابی! تو نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھا لیا، اب اگر تو نے کچھ پیا تو تیرے پیٹ کو تکلیف ہوگی"۔ جب اس نے پیٹ کا نام لیا، تو مجھے کچھ یاد آگیا جس کے بارے میں میرے باپ نے مجھے وصیّت کی تھی، اور خاندان کے دوسرے بزرگوں نے بھی ہدایت کی تھی۔ انھوں نے کہا تھا، "جب تک تیرا پیٹ سخت ہے تو برابر زندہ رہے گا، اور جب وہ سخت نہ رہے تو بس وصیّت کرنے لگنا"

میں نے تھوڑی سی شراب پی تاکہ اپنی بسیار خوری کا مداوا کروں۔ پیتے پیتے میں نے بہت زیادہ پی لی، اتنی پی لی، جس کی مجھے امید نہیں تھی اب مجھے بسیار خوری کی تکلیف ہونے لگی، جسے میں نہیں پہچانتا تھا، اور رونا بھی آنے لگا، جس کا سبب سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مجھ پر ایسی واردات کبھی نہیں گزری تھی، میں ایسا خیال کرنے لگا کہ ہر بات میرے اختیار میں ہے اگر میں چاہوں کہ اس چھت تک پہنچ جاؤں تو میں پہنچ سکتا ہوں اگر میں شیر سے نبرد آزما ہوں تو اسے بھی قتل کر دوں، پھر میں اپنے ناصح کی طرف متوجّہ ہوا، میرے دل میں آئی کہ اس کے دانت توڑ دوں، اس کی ناک کاٹ لوں، کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا کہ اسے گالیاں دوں، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ چار شیطان ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے

ان میں سے ایک اپنی گردن میں ایک گانے کا فارسی آلہ جس کے دونوں کنارے مزیّن تھے، لٹکائے ہوئے تھا، اس آلہ کا وسط پتلا تھا جو تانت سے جکڑا ہوا تھا۔ پھر دوسرا نمودار ہوا، اس نے اپنی آستین سے ایک کالا ناقوس نکالا جو ہاتھی کی سونڈ کی طرح تھا پھر اسے اپنے منہ میں رکھ لیا، اور ایسی آواز نکالی، کہ خانۂ خدا کی قسم اس سے عجیب آواز میں نے کبھی نہیں سُنی تھی جب ان کا مشغلہ ختم ہو گیا تو اس نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی،

آلہ میں جو سوراخ تھا، اس پر اپنی انگلیاں جمائیں، پھر ایسی آوازیں نکالیں جو پہلی آوازوں سے مختلف تھیں۔ پھر دوبارہ جب اس نے انگلیوں کو حرکت دی، تو اور زیادہ عجیب طرح کی آوازیں نکالیں۔ مناسب، اور ملتی جلتی۔ اللہ جانتا ہے ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا خود ناقوس بول رہا ہے، پھر تیسرا برآمد ہوا۔ اس کی آواز بھونڈی اور بھدّی تھی، یہ میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس کے پاس مجیرہ تھا، وہ اسے تھپتھپانے لگا، اور پہلے دو آدمیوں کی طرح نئی نئی آوازیں نکالنے لگا۔ پھر چوتھے نے شروع کیا، یہ صاف ستھری قمیص پہنے ہوئے تھا، پاجامہ بھی اُجلا تھا، موزے البتہ پھٹے ہوئے تھے، ایک موزے کی پنڈلی بھی ندارد تھی۔ وہ اُچھلنے لگا، گویا بچھوؤں کی پیٹھ پر کود رہا ہے، پھر وہ زمین پر اس طرح گر پڑا گویا بے ہوش ہے۔ میں نے کہا، "ربِّ کعبہ کی قسم یہ پاگل ہے" وہ ابھی اپنی جگہ سے اٹھا نہیں تھا کہ سب سے زیادہ قابلِ رشک بن گیا، میں نے دیکھا لوگ دھڑا دھڑ اسے درہم دے رہے ہیں۔

ہمارے پاس عورتوں نے پیام بھیجا کہ ہم کو بھی اپنے کھیل سے محظوظ کرو، لوگوں نے ان چاروں کو وہاں بھیج دیا۔

ہم ان کی آواز دُور سے سُن رہے تھے، ہمارے پاس ایک سیدھا سادہ نوجوان بیٹھا تھا، جس کی طرف لوگ توجہ نہیں کر رہے تھے، لیکن تھوڑی دیر میں اس کے لیے حمد و ثنا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہ نوجوان اٹھا اور ایک لکڑی لایا جس کے وسط میں کچھ گرہیں تھیں، اس میں چار دھاگے تھے ان دھاگوں کے درمیان سے اس نے ایک لکڑی نکالی، اسے اپنے کان کے پیچھے رکھ لیا، اس نے کان کو رگڑا، اور لکڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی، تاگوں کو حرکت دی، ایسی آواز پیدا ہوئی، خدا کی قسم گویا کوئی بہت اچھی

نغمہ گا رہی ہو، میں نے کا ہے کو کبھی ایسی چیز دیکھی ہوگی۔ وہ نوجوان اس پر
یا، گانا مجھے بہت بھایا، میں اپنی جگہ پر بیٹھا نہ رہ سکا، اُچکا اور اس کے سامنے
ا بیٹھا۔ میں نے کہا۔

"میرے ماں باپ تم پر قربان، یہ کیا چیز ہو؟ میں نے تو اسے دیہاتیوں
کے پاس کبھی نہیں دیکھا، نہ ایسی عجیب مخلوق نظر سے گزری؟"

"یہ بربط ہو!"

"میرے ماں باپ تم پر قربان، یہ نیچے جو تاگا ہو یہ کیا ہو؟"

"زیر کہتے ہیں اِسے!"

"اور جو اس کے پاس ہو وہ؟"

"وہ مثنی ہو!"

"اور یہ تیسرا؟"

"یہ مثلّث ہو!"

"اور یہ سب سے اوپر والا؟"

"اِسے بم کہتے ہیں"

"سب سے پہلے میں اللہ پر ایمان لایا، پھر تم پر، پھر تمھارے فن
پر، پھر بربط پر، پھر بم پر!"

خُدا کی قسم، میرے والد ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے ناہض کو ان کی
ہنسی پر تعجب ہوُا، اس کے بعد بار بار وہ یہ قصّہ بیان کرتے تھے، اور اپنے
اہلِ مجلس کو خوش کرتے تھے، وہ اسے دُہراتے تھے، اور لوگ ہنسی کے
مارے بے حال ہو ہو جاتے تھے۔

حصّہ اوّل ختم

ملاحظات !

اغانی کے پہلے حصّے کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ یہ کتاب عربی لٹریچر کا لعلِ شب چراغ ہے، بہ ظاہر یہ داستانوں اور، روایتوں کا مجموعہ ہے لیکن حقیقتہً یہ اموی اور عباسی عہدِ حکومت کے صفحات کی ایک تصویر گویا ہے
خلافتِ راشدہ کے بعد، جو حکومتِ الٰہی کا پہلا اور شاید آخری نمونہ تھا مسلمانوں کی خلافت، حکومت میں منتقل ہوگئی۔ اب اُن کے خلفا وہ نہ رہے تھے جو راتوں کو گشت کے لیے نکلتے تھے، جن کے دن ستم کشوں کی دادرسی میں صرف ہوتے تھے۔ جن کی شب یادِ الٰہی میں بسر ہوتی تھی، اور جن کا روز مہمات ملکی میں صرف ہوتا تھا۔ جو عوام میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ آقا اور غلام میں تمیز ناممکن ہو جاتی تھی۔ جن کی زندگی اتنی سادہ ہوتی تھی کہ ممالکِ غیر کے سفیر انھیں باوّل نظر "امیرالمومنین" سمجھنے میں تامل کرتے تھے، لیکن جن کے رعب دبدبے جاہ و تجمّل اور عظمت و جلالت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ملوک و سلاطین ان کے نام سے لرزتے تھے۔ طاقت والے اور زور والے ان کے ذکر سے کانپتے تھے۔ جن کا عدل سرمایہ دار اور بے نواؤں میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا۔ جن کی مساوات غلام اور سُلطان میں کوئی تفریق نہیں کرتی تھی۔ جو اپنی ناداری کے سبب فاقے کرتے تھے، لیکن جو بیت المال کے "بینکنگ ایجنٹس" نہیں بنے ہوئے تھے۔ جو انصاف کرتے تھے، قرآن و حدیث کی بنیاد پر نظامِ حکومت استوار کرتے تھے پھر بھی یومِ جزا کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ اُس دن سے ڈرتے رہتے تھے جب ایک ایک بات کا، ایک ایک کام کا، ہر ہر عمل

کا محاسبہ کیا جائے گا، جب فیصلہ نہ نسب پر ہوگا- نہ امارت پر، نہ شکوہ خسروی پر، بلکہ اس کی بنیاد صرف تقوی ہوگی، ان خلفا کے بجائے، اب جو ملوک و سلاطین آئے، کہلاتے اپنے تئیں خلیفہ تھے، لیکن تھے ارباب دُنیا، صرف ملوک، سُلطان، بادشاہ۔

یہیں سے ملوکیت کا سوتا پھوٹتا ہے، یہیں سے اسلام کے نخلِ جمہوریت پر تیشے اور آرے چلتے ہیں، یہیں سے مسلمانوں کا "خلیفہ" عجم کے فرماں رواؤں کی طرح ٹھاٹھ، تجمل، اور شان کی زندگی بسر کرتا ہے- اب وہ خس پوش جھونپڑی میں نہیں رہتا، فلک بوس محلوں میں رہتا ہے، اب اس کا دربار مسجد میں نہیں ہوتا، ایوانِ زرنگار میں "باادب، باملاحظہ، ہوشیار" کے نعروں ساتھ منعقد ہوتا ہے- اب وہ عوام کے دوش بہ دوش نماز نہیں پڑھتا، مسجد میں اپنے لیے ایک "مقصورہ" رکھتا ہے- اب وہ آنکھ بند کر کے انصاف نہیں کرتا، اپنوں کو دیکھتا ہے، سیاسی مصلحتوں کو دیکھتا ہے، اقتضائے وقت کو دیکھتا ہے- اب وہ اپنے جانشین کا انتخاب جمہورِ اُمت پر نہیں چھوڑتا، اصحابِ فکر و رائے پر نہیں چھوڑتا، اربابِ عزم و سیاست پر نہیں چھوڑتا، بلکہ اپنے بیٹے کو اپنا "ولی عہد" منتخب کر لیتا ہے، مخالفوں کو نوکِ شمشیر سے خاموش کرتا ہے، اختلاف رکھنے والوں کے لیے گوشۂ قبر کا انتظام کرتا ہے، غیر معتمد لوگوں کی زہرِ ہلاہل اور اچانک حملے سے مدارات کرتا ہے، وہ اپنے جانشین کے لیے یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ وہ صاحبِ تقویٰ ہو، اہل اللہ ہو، آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہو- صرف اتنا کافی سمجھتا ہے کہ وہ اس کا لختِ جگر ہے- ان میں اور اُن میں کتنا فرق تھا؟ کتنا عظیم الشان فرق!!

اموی اور عباسی فرماں رواؤں نے دُنیا میں جنت کے مزے حاصل

کرلے،

ہر روز، روزِ عید تھا، ہر شب شبِ برات

درہموں اور دیناروں کا انبار لگا ہوا ہے، حسین وجمیل کنیزیں دست بستہ اور صف بند سامنے حاضر ہیں، جام دور میں ہے، محفل جمی ہوئی ہے، نغمے کی آواز ناہیدِ فلک تک جا رہی ہے، چنگ و رباب کی فردوس گوش آواز، حُسنِ رعنا اور جمالِ عشوہ طراز کی جلوہ آرائی، شوقِ بے پروا، اور چشمِ بے محابا کی فتنہ سامانی عام ہو رہی تھی، قصر و بارگاہ کا ایک ایک چپہ دامانِ باغ بان وکفِ گل فروش بنا ہوا ہے۔ کسی مطربہ کا نغمہ پسند آیا، اور لاکھوں دینار بخش دیے۔ کسی مغنیہ کی ڈبھائی اور اسے فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔ کسی گویے کا راگ مرغوبِ خاطر ہوا، اسے اتنا کچھ دے دیا کہ تنگیٔ داماں کی شکایت زباں پر آجائے۔ کسی کا حُسن نگاہ پر چڑھا، اور خزانے کی تھیلیاں کھول دی گئیں۔

یہ حال صرف فرماں رواؤں ہی کا نہیں تھا، "الناس علی دین ملوکہم" بالکل تاباں حقیقت ہے۔ ان ادوار کے امرا و رؤسا بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ وہی کنیزوں کا جھرمٹ، وہی راگ راگنیوں سے شغف، وہی بات بات پر سونے اور چاندی سے خواہش اور آرزو کا سودا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں فقر و فلاکت کے مفہوم سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ بے کاری اور بے روزگاری کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ عسرت اور بے چارگی کے ذکر سے بھی ان کے کان ناآشنا تھے۔ دولت کی پیداوار اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ غیر مساوی تقسیم دولت کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

بہر حال یہ ایک دور تھا، خلافتِ راشدہ اور حکومتِ الٰہی کے دور سے اگرچہ بالکل مختلف اور متضاد، لیکن دوسرے فرماں رواؤں اور کشور

کشاؤں کے مقابلے میں بے انتہا برتر اور بہتر۔ اسی دور کے منعمات کا یہ ایک مختصر سا مرقع ہے۔

گرچہ تھے صفحۂ ہستی پہ ہم اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

اصل اغانی متعدد طویل و ضخیم مجلدات میں ہے، یہ صفحات اس کے منتخب خلاصے کا ترجمہ ہیں۔ یہ خلاصہ حشو و زوائد سے پاک ہے، تمام دل چسپ اور قابلِ ذکر باتیں اس میں آگئی ہیں۔

یہ پہلا حصہ، روایاتِ ادبی پر مشتمل ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے، ان روایات پر رد و قدح ہو سکتی ہے، پھر بھی متداول تاریخوں کے مقابلے میں اس کتاب کا معیارِ روایت بدرجہا بلند ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے جو کسی دوسری مروج تاریخ میں نہیں ملے گی کہ ہر روایت راویوں کے پورے سلسلۂ اسماء کے ساتھ موجود ہے۔ ہر وقت اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کون راوی کیسا ہے اور اس کی روایت کا کیا پایہ ہے؟ یہ طرز بالکل اس اسلوب کی نقل ہے، جس کا التزام محدثینِ کرام نے روایتِ حدیث میں رکھا تھا، اور جس نے "اسماء الرجال" کا ایک شان دار دفتر مرتب کر دیا۔ جرح تو حدیث کے راویوں اور روایتوں پر بھی ہو سکتی ہے، اور ہوتی ہے، پھر ان روایات پر بھی اگر جرح ہو تو مقامِ حیرت نہیں،

دوسرا حصہ تاریخی روایات پر مشتمل ہے۔ وہ اس حصے سے زیادہ مستند ہے۔ اس کا ترجمہ بھی شروع کر چکا ہوں، والاتمام بید اللہ تعالیٰ!

رئیس احمد جعفری (ندوی)
ایڈیٹر روزنامۂ ہندستان، بمبئی نمبر ۸
۱۷/ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء